انصاف مخلوق کی بقا کا باعث اور
ظلم رعیت کی ہلاکت کا موجب ہے

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے فیصلے

تحقیق و ترتیب
محمد عبداللہ مدنی

جانشین رسول ﷺ، خلیفہ بلا فصل، امیر المومنین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے

تالیف

عبداللہ مدنی

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

نام کتاب ——— حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے

تالیف ——— عبداللہ مدنی

ناشر ——— باہتمام

مشتاق احمد — سلمان خالد

پروف ریڈنگ ——— عبداللہ محمود

کمپوزنگ ——— حافظ سیف اللہ خالد

النفیس کمپوزنگ سنٹر

بالمقابل حبیب بنک شجاع آباد۔ فون: 0307-2603021

پرنٹرز ——— اسد نیر پرنٹرز لاہور

قیمت ——— 225 روپے

مشتاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی کمپوزنگ کی غلطی ہو تو ادارہ کو اطلاع فرما کر اپنا دینی فرض پورا کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصیح ہو سکے۔ شکریہ

فہرست عنوانات

پیشِ لفظ

اللہ رب العالمین نے اپنے محبوب، ختم الرسل، ہادیٔ سبل، مولائے کل، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ انسانیت کی رہبری و رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا تو آپ کی رفاقت کیلئے جس ہستی کو منتخب کیا اسے دنیا حضرت ابوبکر "صدیق اکبر" رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے۔

"صدق" اس ہستی کا بنیادی خاصہ ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیوی کی تمام تر تلخ و شیریں یادوں میں اس ہستی کی رفاقت و حمایت ایک ناقابلِ تردید حقیقت کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے، بالخصوص بعثت کے بعد وفات تک کی تمام تر زندگی جو مصائب و آلام اور مہم جوئیوں سے عبارت ہے، تاہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس معرکہ خیز زندگی کے ہر مرحلے پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر اپنے وجود کا سایہ کیے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ بعض مواقع پر تو جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آراء اور فیصلوں پر قرآنِ کریم بھی خراجِ تحسین پیش کرتا نظر آتا ہے۔ کسی موقع پر "ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ" کہہ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کرتا اور کسی موقع پر "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى" کا تمغہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر سجاتا ہے۔

غزوۂ بدر کی فتح کے بعد کفار کے قیدیوں کے بارے میں آپ کا مشورہ ہو یا صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے نمائندے سے آپ کی سخت کلامی، ہر موقع پر آپ کی امتیازی شان دکھائی دیتی ہے، اور ہر اہم موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کا آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف اٹھنا، آپ پر اعتماد و یقین کی گواہی دیتا ہے۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں جب اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم امرِ الٰہی کے تحت اس دنیائے فانی کو خیر باد کہتے ہیں اور آپ

کی جانشینی کا سوال اٹھتا ہے تو آپ ﷺ کے تربیت یافتہ تمام صحابہ کرام بالاتفاق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو اس منصب عظیمہ کا حقیقی مستحق قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے تمام تر سیاسی، سماجی امور اور ملت کے تمام تر مفادات و معاملات کا پرچم آپ رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں میں تھماتے ہیں۔

وفاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آمدہ حالات وواقعات کا مطالعہ رکھنے والے اربابِ علم ودانش اور اصحابِ فکرونظر اس حقیقت کے چودہ صدیوں سے معترف چلے آ رہے ہیں کہ واقعتاً ان کڑے لمحات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اصابتِ رائے اور قوتِ فیصلہ تمام تر دشوار اور سنگلاخ گھاٹیوں کو نہایت خوش اسلوبی سے طے کرتی ہے اور امتِ مسلمہ کو دیگر اقوام کے روبرو ہر قدم پر سرفرازی وسربلندی عطا ہوتی ہے۔

۲۲ رجمادی الثانی ۱۳ھ تک کا یہ مختصر دورانیہ جو کل ۲ سال ۳ ماہ اور ۱۰ دن پر مشتمل ہے، مرتدین، منافقین، منکرینِ زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کے علاوہ عراق، ایران و شام کے کفار پر کس قدر بھاری گزرا، تاریخ وسیرت کی کتب اس کے زریں تذکرے سے لبریز ہیں، اور جانشینِ رسول کی حیثیت سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان تمام معرکۃ الآراء فیصلوں کو دادوتحسین سے نوازتی چلی آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا دو سالہ دورِ خلافت میں فتوحات کی یلغار کے علاوہ امتِ مسلمہ کی نہ صرف سیاسی حیثیت متعین ہوئی بلکہ سماجی ومعاشی حوالوں سے بھی امت کی بنیادیں مستحکم ہوئیں اور بعد ازاں دورِ فاروقی میں ایک بلند وبالا، مضبوط ومستحکم امارت کی شکل اختیار کرگئی۔ اس پر اقوامِ عالم آج تک انگشت بدنداں ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ہم نے جانشینِ رسول اور خلافت مآب جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انہی سنہری فیصلوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے، اُمید ہے کہ اصحابِ علم وفکر ہماری اس کاوش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔

عبداللہ مدنی

پہلا باب

بعثتِ نبوی سے قبل

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جب عرب کا معاشرہ فسق و فجور اور کفر و عصیان میں غرق تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تقریباً سوا دو برس بعد اس عالمِ فانی میں آنکھ کھولی اور جب ہوش سنبھالا تو ''محمد بن عبداللہ'' سے دوستی اور محبت کا شرف و اعزاز حاصل کیا.........اس دور کے چند شواہد!

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضور ﷺ سے دوستی اور محبت

اس بات پر تمام محدثین اور مفسرین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس دنیائے ناپائیدار میں جس قدر مدت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گزاری ہے اُسی قدر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے گزاری ہے۔ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۶۳ برس ہوئی ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر بھی ۶۳ برس ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت باسعادت ۲۰ راپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ اس حساب سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اتنا ہی پیچھے ہوگی جتنا کہ آپ حضور کے بعد سریر آرائے خلافت رہے جو تقریباً دو سال چار مہینے ہوتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے تین حصے کیے جاسکتے ہیں۔

پہلا حصہ ولادت سے لے کر اسلام قبول کرنے تک کا ہے۔ دوسرا حصہ قبولِ اسلام سے لے کر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات تک کا ہے۔ تیسرا حصہ وفاتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آپ کی روح کے پرواز تک کا ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستانہ تعلقات تھے اور جس طرح کہ دوستی عموماً میل ملاپ اور ملاقات کا باعث ہوا کرتی ہے، یہ دونوں بزرگ اس زمانہ میں بھی ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے، بلکہ تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ اقدس میں بکثرت جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خانۂ صدیق میں عموماً تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حسبِ دستور اہلِ مکہ تجارتی

کاروبار شروع کیا اور کپڑے کی تجارت میں خوب نام پیدا کیا۔

(۳) بغرض تجارت آپ کئی دفعہ شام گئے، ایک دفعہ وہاں آپ کی ملاقات بحیرا راہب سے بھی ہوئی، بحیرا راہب چونکہ دُور دُور تک مشہور تھا اور لوگ اس سے خوابوں کی تعبیر پوچھنے کے لئے بڑے بڑے سفر کر کے آتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بحیرا راہب کے سامنے اپنا ایک خواب بیان کیا:

ترجمہ: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب دیکھا کہ مکہ شریف میں چاند اُتر آیا ہے اور ہر ایک گھر میں اس کی ایک ایک شاخ پہنچ گئی ہے، پھر چاند کے تمام حصے اکٹھے ہو کر ابوبکرؓ کی گود میں آ گئے ہیں۔ آپ نے اپنا یہ خواب اہلِ کتاب میں سے بعض علماء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے تعبیر میں کہا کہ تُو اُس نبی کی تابعداری کرے گا جس کی انتظار کا زمانہ ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ بہت قریب آ چکا ہے اور تُو اُس نبی کے قرب کی سب لوگوں کی نسبت زیادہ سعادت پائے گا''۔

(سیرت حلبیہ جلد اول ص ۳۱۰)

صاحب سیرتِ حلبیہ علی بن بُرہان الدین حلبی کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے جس عالم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب بیان کیا تھا وہ بحیرا راہب تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ازدی عالم کی پیشگوئی

(۴) ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغرضِ تجارت یمن کے علاقہ میں گئے، وہاں ایک عالم سے ملاقات ہوئی جو قبیلہ ازد سے تھا اور کتب سماویہ کا علم رکھتا تھا۔ اس ازدی عالم نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا، میں تجھے مکہ شریف کا باشندہ خیال کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اثبات میں جواب دیا، پھر اس ازدی عالم نے کہا میں تجھے قریشی خیال کرتا ہوں۔ آپ نے اس کے جواب میں بھی ہاں فرمایا، پھر اس ازدی عالم نے کہا میں تجھے تیمی یعنی بنو تیم میں سے خیال کرتا ہوں، اس کے جواب میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ

حضرت ابوبکر ﷺ کی حضور ﷺ سے دوستی اور محبت

اس بات پر تمام محدثین اور مفسرین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس دنیائے ناپائیدار میں جس قدر مدت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گزاری ہے اُسی قدر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے گزاری ہے۔ حضور پُر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۶۳ برس ہوئی ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر بھی ۶۳ برس ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت باسعادت ۲۰ راپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ اس حساب سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اتنا ہی پیچھے ہوگی جتنا کہ آپ حضور کے بعد سریر آرائے خلافت رہے جو تقریباً دو سال چار مہینے ہوتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے تین حصے کیے جاسکتے ہیں۔

پہلا حصہ ولادت سے لے کر اسلام قبول کرنے تک کا ہے۔ دوسرا حصہ قبولِ اسلام سے لے کر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات تک کا ہے۔ تیسرا حصہ وفاتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آپ کی روح کے پرواز تک کا ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستانہ تعلقات تھے اور جس طرح کہ دوستی عموماً میل ملاپ اور ملاقات کا باعث ہوا کرتی ہے، یہ دونوں بزرگ اس زمانہ میں بھی ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے، بلکہ تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ اقدس میں بکثرت جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خانۂ صدیق میں عموماً تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حسبِ دستور اہلِ مکہ تجارتی

کاروبار شروع کیا اور کپڑے کی تجارت میں خوب نام پیدا کیا۔

(۳) بغرضِ تجارت آپ کئی دفعہ شام گئے، ایک دفعہ وہاں آپ کی ملاقات بحیرا راہب سے بھی ہوئی، بحیرا راہب چونکہ دُور دُور تک مشہور تھا اور لوگ اس سے خوابوں کی تعبیر پوچھنے کے لئے بڑے بڑے سفر کر کے آتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بحیرا راہب کے سامنے اپنا ایک خواب بیان کیا:

ترجمہ: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب دیکھا کہ مکہ شریف میں چاند اُتر آیا ہے اور ہر ایک گھر میں اس کی ایک ایک شاخ پہنچ گئی ہے، پھر چاند کے تمام حصے اکٹھے ہو کر ابوبکرؓ کی گود میں آ گئے ہیں۔ آپ نے اپنا یہ خواب اہلِ کتاب میں سے بعض علماء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے تعبیر میں کہا کہ تُو اُس نبی کی تابعداری کرے گا جس کی انتظار کا زمانہ ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ بہت قریب آ چکا ہے اور تُو اُس نبی کے قرب کی سب لوگوں کی نسبت زیادہ سعادت پائے گا''۔

(سیرت حلبیہ جلد اول ص ۳۱۰)

صاحب سیرت حلبیہ علی بن بُرہان الدین حلبی کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے جس عالم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب بیان کیا تھا وہ بحیرا راہب تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ازدی عالم کی پیشگوئی

(۴) ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغرضِ تجارت یمن کے علاقہ میں گئے، وہاں ایک عالم سے ملاقات ہوئی جو قبیلہ ازد سے تھا اور کتبِ سماویہ کا علم رکھتا تھا۔ اس ازدی عالم نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا، میں تجھے مکہ شریف کا باشندہ خیال کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اثبات میں جواب دیا، پھر اس ازدی عالم نے کہا میں تجھے قریشی خیال کرتا ہوں۔ آپ نے اس کے جواب میں بھی ہاں فرمایا، پھر اس ازدی عالم نے کہا میں تجھے تیمی یعنی بنو تیم میں سے خیال کرتا ہوں، اس کے جواب میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے ہاں فرمایا۔ چوتھی دفعہ اس عالم نے کہا کہ اب صرف ایک بات باقی رہ گئی ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، وہ کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ تُو اپنے پیٹ سے کپڑا اُتار دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ کافی تکرار کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اُتارا تو اس عالم نے کہا کہ واقعی تو وہی ہے جس کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ پہلی کتابوں میں چوتھی علامت ناف کے اوپر خال سیاہ لکھا ہوا ہے، یہ چاروں علامتیں اس شخص کی ہیں جو نبی آخرالزمان پر سب سے پہلے ایمان لائے گا اور اس کا بھاری معاون ہوگا اور اس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا جانشین ہوگا۔

(۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش میں صاحب عزت اور صاحب دولت تھے۔ رؤسائے قریش میں سب سے زیادہ صاحب اخلاق تھے۔ دنیاوی مہمات میں قریش آپ سے مشورہ طلب کرتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے، اور اس قدر صاحب سخاوت تھے کہ ناواقف لوگوں کی حاجت روائی میں ضرب المثل تھے۔ تمام قریش کے محبوب تھے اور تعبیرِ خواب میں اپنی نظیر آپ تھے۔ امام محمد بن سیرینؒ فرمایا کرتے تھے:

كَانَ اَبُوْبَكْرٍ اِعْبَرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ......

یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام اُمت میں تعبیرِ خواب کے لحاظ سے مقدم تھے اور فائق تھے۔

(۶) عرب کے علوم وفنون میں علم انساب کو جو درجہ حاصل تھا وہ کسی دوسرے علم وفن کو حاصل نہ تھا، تمام عرب میں اس علم کو بڑا قبول حاصل تھا۔ کتب سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ انساب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ عرب میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم الانساب میں کمال پیدا کیا تھا مگر وہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا استاذ تسلیم

کرتے تھے۔ (اطمینان قلب کیلئے دیکھو "سیرت حلبیہ جلد اول ص ۳۰۹)

حلف الفضول میں حضرت ابوبکر صدیق کی شمولیت کا فیصلہ

(۷) عرب میں حرب فجار کے نام سے کئی جنگیں ہوئی ہیں، سب سے آخری جنگ کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس برس کی تھی، اس جنگ سے واپسی پر قریشِ مکہ نے مشورہ کیا کہ آئندہ جنگ بند کر دینا چاہئے کیونکہ جنگ نے عرب کا ستیاناس کر دیا تھا۔ جنگ کی بندش کی صورت یہ تجویز کی کہ ظالم کی امداد نہ کی جائے اور مظلوم کی امداد کو فرض قرار دیا جائے۔ اس کے لیے ایک انجمن بنائی گئی جس کا نام حلف الفضول تجویز کیا گیا۔ اس انجمن کی ممبری کی شرط یہ تھی کہ ظالم سے بیزاری اور مظلوم کی حمایت کی جائے۔ اس انجمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل ہوئے تھے، آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس انجمن کی بعثت کے بعد بھی بہت تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اب بھی مجھے حلف الفضول میں شمولیت کی دعوت دی جائے تو میں ہر قیمت پر اس کو قبول کروں گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فیاضی اور مہمان نوازی

(۸) کتب سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ شہر میں ایک مہمان خانہ تعمیر کیا تھا۔ جس میں اُترنے والے مسافروں کو طعام و قیام کی سہولت ہوتی تھی اور ان سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔

(سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ ۳۰۹)

قبولِ اسلام سے قبل بھی کبھی شرک نہ کیا

(۹) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبولِ اسلام سے پہلے بھی کبھی غیر اللہ کی عبادت نہیں کی:

ترجمہ:۔ "تحقیق کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی کسی

بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اور ابنِ جوزی نے ابوبکر صدیق کو اور زید بن عمرو بن نفیل کو اور ورقہ بن نوفل کو اور عبید اللہ بن جحش کو اور عثمان بن حویرث کو اور رباب بن براء اور اسعد بن کریب حمیری کو اور قس بن ساعدہ ایادی کو اور ابوقیس بن صرمہ کو اُن لوگوں میں شمار کیا ہے جنہوں نے جاہلیت میں بھی بتوں کی عبادت نہیں کی تھی"۔ (ایضاً صفحہ ۳۰۵)

نوٹ:۔ سیرت حلبیہ کی پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبل از اسلام بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اور دوسری روایت جو محدث ابن جوزی نے نقل کی ہے اُس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ جاہلیت میں غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے والوں میں پہلا نمبر ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ان میں بعد از اسلام ایسا شرک موجود تھا جو چیونٹی کی چال چلتا تھا، وہ صحیح نہیں۔ جو لوگ قبل از اسلام شرک کی تمام اقسام سے نفرت رکھتے تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بعد از قبولِ اسلام اس نجاست سے ملوث ہو جائیں؟

زمانہ جاہلیت میں بھی آپ "فیصل" تھے

(۱۰) عربی زبان میں دیت خون بہا کو یعنی خون کی قیمت کو کہتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں خون بہا مقرر کرنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ تھا، خون کے مقدمے آپ کے پاس آتے تھے، آپ ہی ان مقدمات میں جو فیصلہ کرتے تھے وہ قریشِ مکہ کو منظور ہوتا تھا، جس شخص پر خون کی قیمت ادا کرنا واجب ہو جاتی تھی اگر وہ فوراً ادا نہ کر سکتا تو اس کی ضمانت کے لئے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ بغیر اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ تمام قریش اور ساکنانِ حرم آپ کو راست گو اور صاحبِ امانت جانتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔

سیرت حلبیہ میں ان الفاظ میں یہ تذکرہ موجود ہے:

ترجمہ:۔ "اور خون بہا کی تشخیص اور تعیین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ہی کے ذمہ تھی، آپ جس بوجھ کو اٹھالیتے تھے قریش اس کی تصدیق کرتے تھے۔ اور آپ کی اور آپ کے ساتھ ضمانت میں شریک ہونے والے کی ضمانت کو جاری کرتے تھے اور اگر کوئی اور شخص خون بہا کی ضمانت اٹھاتا تو قریش شرمندہ کرتے تھے اور تصدیق نہیں کرتے تھے۔"

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

نوٹ:۔ یہ دس باتیں ہیں، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ایسی جامع کمالات ہستی کا اسلام کے اندر داخل ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپ کے اسلام کے اندر داخل ہونے سے اسلام کے اندر داخل ہونے کے واسطے کوئی ہچکچاہٹ باقی نہ رہی بلکہ قاضی نور اللہ شوستری کے بیان کے مطابق آپ ہی کے اسلام قبول کرنے پر تمام قریش کے قبول اسلام کا مدار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا ہے تو قریش مکہ کے بڑے بڑے معزز آدمی اسلام کی طرف جھک آئے، جیسا حضرت عثمان بن عفان اور زبیر بن العوام اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ وغیرہم۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی رسالت کو تسلیم کیا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل از اسلام دوستی اور محبت تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ دعوائے نبوت اور اظہار رسالت سے پہلے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو وہ نبی خیال کرتے تھے جس کی آمد کی انتظار تھی۔

"اور ابونعیم نے بعض اصحابؓ سے روایت کی ہے کہ ابوبکرؓ نبوت سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ مراد یہ ہے کہ وہ آنحضور کو نبی منتظر یقین کرتے تھے۔"

(سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ ۳۱۰)

نوٹ:۔ ناظرین کرام کو نبوت سے پہلے ایمان لانے پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ شامی راہب بحیرا اور ملک یمن کے ازدی عالم کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور

گفتگو پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ واقعی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوائے نبوت سے پہلے ہونے والا پیغمبر گمان کرتے تھے۔ اس سے سب سے پہلے ایمان لانے والے کا مسئلہ صاف ہو گیا۔ ارباب تاریخ سب سے پہلے ایمان لانے والے کے بارے میں طویل گفتگو کرتے ہیں اور مختلف روایات کو ایک خاص دستور کے مطابق تطبیق دینے کی سعی مشکور کرتے ہیں، خدا تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء کرے۔ لیکن جب ابونعیم صاحب حلیۃ الاولیاء کی روایت بالا کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور صحیح تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، تو بلا اختلاف سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ٹھہرتے ہیں کیونکہ جن بزرگوں کی اوّلیت کی روایات آتی ہیں وہ صرف چار بزرگ ہیں۔ (۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ (۲) حضرت علی المرتضیٰ (۳) حضرت زید بن حارثہ (۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور یہ سب روایات دعوائے نبوت اور اظہار رسالت کے بعد کی ہیں، لیکن ان چاروں بزرگوں میں سے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک ہستی ہیں جن کے دعویٰ نبوت سے پہلے ایمان لانے کی روایت کتب حدیث میں پائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کانوں میں دعویٰ نبوت پہنچا تو آپ نے کوئی انکار نہیں کیا بلکہ تردّد بھی ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے، خدا کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ”میں نے اسلام کے بارے میں جس سے بھی گفتگو کی اس نے سوال و جواب کیا مگر ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر نے، کیونکہ میں نے اس سے جو بات بھی کہی اس نے قبول کر لی اور اس بات پر مضبوطی سے قائم رہا۔“

تاریخ و سیرت کا طالب علم جب اس موقع پر پہنچتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے اور اس قدر تسلیم و رضا اس کی سمجھ سے بالاتر ہو جاتی ہے مگر جو شخص اس نکتے کو سمجھ لیتا ہے جو ابھی مذکور ہوا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول گمان کرتے تھے تو پھر حیرانی اور تعجب کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

دوسرا باب

بعثتِ نبوی کے بعد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے

جونہی سیّد العرب والعجم، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجِ نبوت ورسالت اپنے سر پر سجایا، تو سب سے پہلے تصدیق نبوت کا شرف حاصل کرنے اور مصائب وآلام کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل ساتھ دینے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شعوری کردار اور ان کے فیصلے شاہدِ عدل ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان!

حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک شعر کا ایک مصرعہ ہے:

؎ واوّل الناس منھم صدق الرسلا

''اور وہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں پہلے آدمی ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔''

یہ شعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسان! تم نے سچ کہا۔''

بعض روایات کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دولتِ اسلام سے مشرف ہو چکی تھیں۔ اس لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ نوعِ انسانی میں سے دوسرے اور جنسِ ذکور میں سے پہلے انسان ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔

مشکلات و مصائب میں حق پر استقامت کا فیصلہ

مکہ معظمہ کی پہاڑیوں میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کا نام حرا ہے، اس میں ایک روپوش ہو جانے کی جگہ ہے جس کا نام غارِ حرا ہے، وہ شہر مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے تعلقات سے نفور تھے، دنیا اور دنیا داروں سے کنارہ کشی آپ کو بہت پسند آتی تھی۔ اس لیے اس غار میں جا کر بیٹھ جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے، کچھ خوراک بھی ساتھ لے جاتے تھے جب وہ خوراک ختم ہو جاتی تھی تو آپ اپنے گھر تشریف لاتے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پھر اور خوراک مہیا کر کے آپ کو روانہ کر دیتیں۔ یہ سلسلہ مہینوں تک چلتا رہا۔ آخر الامر ایک رات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقدس غار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو نبوت کی خوشخبری سنائی اور سورۃ العلق کی ابتدائی آیات خدا تعالیٰ کی جانب سے آنحضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچائیں۔

جب کل جہان کے لیے حرا میں عرش سے پیام آیا، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم غارِ حرا سے اُٹھ کر شہر مکہ میں تشریف لاتے ہیں اور اپنے پرانے دوست ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوتی ہے اور اطلاع دیتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا ہے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً اقرار کرتے ہیں کہ آپ بے شک خدا تعالیٰ کے رسول ہیں اور بندگی کے قابل اُس ایک خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اس وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عمر کے چالیس برس پورے ہو چکے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر کے چالیس برس ابھی پورے نہیں ہوئے تھے بلکہ تقریباً اڑھائی برس کم تھے، جس قدر نبوت کی شہرت ہوتی گئی اُسی قدر ساتھ ساتھ اِس نوجوان کی رفاقت اور نصرت بھی مشہور ہوتی گئی بلکہ بعض قریش کہنے لگے کہ محمد نے نبوت کا دعویٰ از خود نہیں کیا بلکہ یہی ابوقحافہ کا بیٹا ہے جو اس سے تمام کارروائی کروا رہا ہے۔ قریش کا یہ خیال جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسلام سے نصرت اور ہمدردی کا پردہ اٹھاتا ہے اُن کی یہ رائے بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر یہ شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امداد نہ کرے تو اس نئے مذہب میں کوئی انسان بھی داخل نہ ہو۔ گو قریش حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے مگر جب آپ نے علی الاعلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت شروع کر دی تو جس طرح یہ لوگ آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اسی طرح وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھی درپے آزار ہوئے۔ تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنے میں یہ دونوں بزرگ مساوی قدم ہیں...... قریش نے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دینے میں کچھ کمی نہیں کی، ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایذائیں پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی تائید و حمایت کا فیصلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ قریش میں بہت بلند تھا۔ آپ کا شمار قبیلے کے معزز ترین افراد میں ہوتا تھا، علاوہ بریں بنو ہاشم بھی آپ کی حمایت پر تھے لیکن ان باتوں

کے باوجود آپ قریش کی ایذا رسانیوں سے بچ نہ سکے۔ یہی حال ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ انہیں بھی شہر کا سربرآوردہ فرد ہونے کے باوجود محض اسلام لانے کے جرم میں قریش کے مظالم کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ لیکن اس پر بھی جب کبھی آپ نے دیکھا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچا رہے ہیں تو انہوں نے جان تک کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچانے کیلئے پیش کر دیا۔

ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ہاتھوں سب سے زیادہ تکلیف اس وقت پہنچی جب بت پرستی کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔ وہ لوگ خانہ کعبہ میں اکٹھے ہوئے اور ایک شخص کہنے لگا "تم نے سن لیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بتوں کے متعلق کیا الفاظ کہتا ہے، یہ محض تمہاری کمزوری کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ تمہارے دین اور تمہارے بتوں کے متعلق جس قسم کے الفاظ چاہتا ہے، کہتا ہے، لیکن تم خاموش رہتے ہو۔" ابھی وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ادھر سے گزرے۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو ایک دم آپ پر جھپٹ پڑے اور کہنے لگے "تم نے ہمارے بتوں کے متعلق یہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک! میں نے ہی یہ الفاظ کہے ہیں"۔ اس پر ایک آدمی نے آپ کی چادر چھین لی اور اسی سے آپ کا گلا گھونٹنے لگا۔ اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ادھر تشریف لے آئے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر آپ کو کفار کے نرغے سے چھڑایا اور ان سے کہا: "کیا تم ایک شخص کو محض اس لئے قتل کر ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے؟" راوی ذکر کرتا ہے کہ یہ وہ دن تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں سخت ترین تکلیف پہنچی۔ (سیرت ابن ہشام)

صرف اسی موقع پر نہیں بلکہ بعد میں بھی اکثر مواقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کامل کا ثبوت دیا۔ ان کے اسی جذبۂ ایمانی کو دیکھ کر بعض مستشرقین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کسی قسم کے دنیوی فائدے کی توقع نہ تھی، اس کے برعکس وہ شب وروز یہ دیکھتے تھے کہ مکہ والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہر قسم کی تکلیفیں دیتے، آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کے ماننے والوں کو تنگ کرتے ہیں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں جھوٹے ہوتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے عقل مند اور مدبر شخص کو آپ پر ایمان لانے، آپ کے دعوے کی تصدیق کرنے، آپ کی ہر طرح مدد کرنے اور قریش میں خود اپنی پوزیشن خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ محض اپنی عقل وفراست کے بل بوتے پر اپنے اندر وہ ایمان پیدا نہ کرسکتے تھے جو انسان کو تمام خطرات سے بے پرواہ کر کے اس میں شدید تڑپ اور دھن پیدا کر دیتا ہے۔ جس ایمان کا مظاہرہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کیا اور جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل کی تصدیق کی وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام یقیناً خدا کی طرف سے ہے کیونکہ ایک باطل مذہب اور ایک جھوٹا شخص کبھی اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ایسا ایمان پیدا نہیں کرسکتا۔

آپ ؓ کا اسلام میں مقام

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ سوچ بچار اور وقفہ کے بعد اسلام قبول کیا سوائے ابوبکر ؓ کے کہ وہ بغیر ہچکچاہٹ کے فوراً مسلمان ہوگئے۔ میں نے ان سے جو بھی کہا انہوں نے اس کو فوراً مان لیا اور اس پر ثابت قدم رہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ تمام صحابہ میں سب سے بہتر رائے دینے والے اور سب سے زیادہ دانشمند سمجھے جاتے تھے۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے اور انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تو وہ اسی وقت سے لوگوں کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دینے لگ

گئے حضرت ابوبکر سے ان کی قوم کو بڑی اُلفت اور محبت تھی وہ نرم مزاج تھے اور قریش کے نسب ناموں کو اور ان کے اچھے بُرے حالات کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے بڑے با اخلاق اور بھلے اور نیک تاجر تھے ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس آیا کرتے تھے آپ کی وسیع معلومات اور کاروباری تجربے اور حسن سلوک جیسے بہت سے اُمور کی وجہ سے وہ لوگ آپ سے اُلفت رکھتے تھے جو لوگ آپؓ کے پاس آیا کرتے اور آپؓ کی مجلس میں بیٹھا کرتے اور آپ کو ان پر اعتماد تھا۔ انہیں آپؓ اللہ کی طرف اور اسلام کی طرف دعوت دینے لگے۔

چنانچہ میری معلومات کے مطابق حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عثمان بن عفان اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان ہی کے ہاتھوں مسلمان ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ یہ سب لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں گئے آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا اور انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور انہیں اسلام کے حقوق بتائے وہ سب ایمان لے آئے اسلام میں سبقت کرنے والے ان آٹھ آدمیوں نے حضور ﷺ کی تصدیق کی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا اس پر ایمان لائے۔

اکثر دیکھا گیا ہے' بعض لوگ اپنے عقیدے میں اس قدر راسخ ہوتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے جو ان سے عقائد میں اختلاف رکھتے ہوں۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ حقیقی ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ مخالفین سے تعصب' تندی اور سختی کا برتاؤ کیا جائے۔ لیکن ابوبکر کامل الایمان ہونے کے باوجود نہایت نرم دل انسان تھے۔ سب دشتم تندی اور سختی سے وہ کوسوں دور تھے۔ قابو پانے کے بعد مخالف کو معاف کر دینا اور فتح یاب ہونے کے بعد دشمن پر احسان کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اس طرح ان میں حق و صداقت کی محبت اور رحم و کرم کا جذبہ بہ یک وقت پایا جاتا تھا۔ حق کے راستے میں وہ ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی ہیچ سمجھتے تھے اور اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے کو بہ خوشی تیار ہو جاتے تھے۔ لیکن جب حق غالب آ جاتا تو دشمن سے سختی کا برتاؤ اور اس سے مظالم کی جواب

دہی کرنے کی بجائے ان میں رحم و کرم کا جذبہ ابھر آتا تھا۔

توحید کے موضوع پر اسلام میں پہلی باقاعدہ تقریر

اسلام قبول کرنے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ اہلِ شرک بت پرستی کی ظلمت سے نجات پائیں اور توحید کی گھر گھر منادی ہو تا کہ بت پرست اپنی زیاں کاری کا احساس کر کے ہلاکت کے گرداب سے نکل سکیں۔ اس آرزو کے پیشِ نظر جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس تک پہنچ چکی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ دینِ حق کے اظہار و اعلان کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکرؓ! ابھی ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے۔ جب جمعیت زیادہ ہو جائے گی تب ایسا کرنا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دیکھ کر سخت قلق ہوتا ہے کہ اہلِ شرک تو اعلانیہ بت پرستی کریں اور حق ڈھکا چھپا رہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دل شکنی گوارا نہ کی اس لئے اظہار و اعلان کی اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے حضرات دعوتِ اسلام کے لئے مسجد الحرام پہنچے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صنادیدِ قریش کی موجودگی میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ یہ سب سے پہلی تقریر تھی جو دعوتِ اسلام کے موضوع پر باقاعدہ کسی مسلمان کی زبان سے نکلی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے مبلغ اسلام جنہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا

قریش جو جہالت کے بحرِ ظلمات میں سرگرداں تھے اس دعوت کو ٹھنڈے دل سے بھلا کہاں گوارا کر سکتے تھے ان کا طوفان غضب اہلِ توحید پر امنڈ آیا۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ اعداء چاروں طرف سے ہجوم کر کے حملہ آور ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خصوصاً اور دوسرے مسلمانوں کو عموماً نہایت بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا۔ باوجودیکہ عتبہ بن ربیعہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نانا) قریش میں بڑا متین، سنجیدہ اور مُدبر مانا جاتا تھا، تاہم توحید کی دعوت اور شرک باللہ کی مذمت پر وہ بھی آگ بگولا ہو گیا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے

سابقہ شرف ومجد اور اپنی روایتی اعتدال پسندی کو بالائے طاق رکھ کر ان کی طرف جھپٹا اور انہیں نہایت وحشیانہ طریق پر پوری قوت سے ضرب لگائی جس سے ان کا چہرۂ مبارک بہت بُری طرح زخمی ہوا۔ گو خود داعی حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسلمانوں میں موجود تھے، لیکن دشمنوں نے کچھ تو ہاشمیوں اور ہاشمیوں کے سردار ابوطالب کی وجاہت کے پیشِ نظر اور کچھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زوجیت کا لحاظ کر کے آپ سے کوئی تعرض نہ کیا۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان بنوتیم کو معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت بُری طرح مجروح کیا گیا ہے تو وہ بڑی تیزی سے آ کر مشرکوں کے مزاحم ہوئے اور انہیں ان کے پنجۂ بیداد سے بچایا۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اتنا پٹ چکے تھے کہ کسی کو ان کے جانبر ہونے کی امید نہ رہی۔ اس لئے بنوتیم سخت برآشفتہ ہو کر کہنے لگے کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہوئے تو ہم اس کا انتقام لیں گے۔ اس کے بعد بنوتیم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بحالت بے ہوشی ان کے گھر پہنچایا۔ دوسرے مسلمان بھی جو زخموں سے نڈھال تھے اپنے اپنے گھر پہنچائے گئے۔

ہوش میں آنے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا سوال

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری لکھتے ہیں:

''اس عامۃ الورود ابتلاء میں مضروب صحابہ میں سے کسی کو اپنے اخوانِ مذہب کا حال معلوم نہ تھا اور چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے حال میں گرفتار تھے، انہیں اس کی خبر نہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری۔ عصر کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوش میں آئے اور زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف کا شکوہ کرتے، برادری کے آدمیوں سے پوچھنے لگے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ یہ لوگ جو غیر مسلم تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر ان کو ملامت کرنے لگے کہ ایسی نازک حالت میں بھی کہ تمہارے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ تھی تم محمد (صلی

اللہ علیہ وسلم) کا خیال نہیں چھوڑتے۔ یہ کہہ کر عالم برافروختگی میں ان کی والدہ سے یہ کہہ کر چل دیے کہ تم خود ہی ان کی خبر گیری اور تیمارداری کرو۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے چلے جانے کو خاطر میں نہ لائے۔"

(سیرت کبریٰ جلد اول)

محبوب ﷺ کی زیارت کے بغیر کھانے پینے سے انکار

برادری کے ناراض مجمع کے چلے جانے کے بعد والدہ نے بڑی کوشش کی کہ کچھ کھائیں پئیں۔ مگر انہوں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور یہی پوچھتے رہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ اب اپنی والدہ سے درخواست کی کہ آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیر) اُم جمیل بنت خطاب کے پاس جا کر (جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں) نبی اللہ کا حال دریافت کیجئے۔ ان کی والدہ اُمّ جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں لیکن انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور ان کی والدہ کے ہمراہ پرسش کے لئے آئیں۔ اُمّ جمیل رضی اللہ عنہا ان کی حالت زار دیکھ کر سخت مغموم و مضطرب ہوئیں اور بہت کچھ آہ وزاری کی۔ آخر وہ بھی منتیں کرنے لگیں کہ کچھ کھا پی لیجئے۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے مقتداء ﷺ کا حال معلوم کیے بغیر بھلا کہاں چین تھا۔ برابر یہی کہتے رہے کہ مجھے ہادیٔ برحق کی خیر وعافیت کا حال بتاؤ۔ آخرالامر اُمّ جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا حضور انور ﷺ بحمد اللہ صحیح وسالم ہیں، تم کچھ فکر نہ کرو۔ پوچھا آپ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا دارارقم میں ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، واللہ! جب تک میں آپ کو نہ دیکھ لوں گا اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔" (ایضاً)

والدہ کا ہاتھ تھام کر بارگاہِ نبویؐ میں پہنچانا

یہ سن کر ان کی والدہ ایک آدمی کی مدد سے تھام کر انہیں حضرت خیر البشر ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لے گئیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچ کر اپنے آقا کے قدموں پر گر پڑے اور قدم بوسی کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی حالتِ زار دیکھ کر شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں پر رقت طاری ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے التماس کی یارسول اللہ! یہ

میری نیک بخت مادر محترمہ ہیں ان کے مشرف باسلام ہونے کی دعا فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور انہیں آتشِ جہنم سے خلاصی نصیب کرے گا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی اور وہ فی الفور قبولِ اسلام کی سعادت سے بہرہ مند ہوئیں۔

(الریاض النضرہ، اسد الغابہ، اصابہ)

آپ رضی اللہ عنہ پر سیدِ کائنات کی شفقت

اس حادثہ کے بعد نبی ﷺ کی نظر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وقعت پہلے سے بھی بہت بڑھ گئی اور وہ آپ ﷺ کے خاص صلاح کار، رازدار اور محبوب بن گئے۔ ان دونوں میں اس درجہ کا پیار و محبت اور خلوص و ارتباط بڑھا کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہوتے تھے۔ اس کے بعد جب تک آپ مکہ مکرمہ میں رہے آپ کا معمول ہو گیا کہ روزمرہ دو مرتبہ آپ ﷺ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ چنانچہ حسب روایت عُروہ بن زُبیر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا، اپنے والدین کو دینِ اسلام پر پایا اور (مکہ معظمہ میں) ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جس میں حبیب رب العالمین ﷺ روزانہ دو مرتبہ صبح اور شام ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔

(بخاری جلد اول۔ کتاب الکفالہ)

آپ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ہمراہ شعب ابی طالب میں

۷ نبوی میں قریشِ مکہ نے اس قطع تعلقی اور بائیکاٹ کا اعلان کیا جو دُنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ سلام کلام، لین دین، رشتہ ناطہ سب موقوف کر دیئے گئے اور آنحضور ﷺ کو بمعہ بنو ہاشم کے شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔ اس نازک وقت میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ شعب ابی طالب میں حضرت ابوبکرؓ کا بنو ہاشم کے ہمراہ محصور رہنا ایک ایسا واقعہ ہے جس پر ابوطالب خود گواہ ہیں۔ جس وقت ابوطالب محاصرہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شعب ابی طالب سے نکلے ہیں۔ جناب ابوطالب نے ایک طویل قصیدہ سپردِ قلم فرمایا ہے جس کا آخری

شعر یہ ہے۔

هُمْ رَجَعُوْا سَهْلَ بْنَ بَيْضَاءَ رَاضِيًا
وَسَرَّ أَبُوْبَكْرٍ بِهَا وَمُحَمَّدُ

(تاریخ التواریخ ص ۶۲۲ جلد ۲)

"قریشیوں نے بیضا کے بیٹے سہل کو خوش کر کے واپس کیا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اس پر خوش ہو گئے۔

نوٹ:۔ تاریخ اور سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ سہل بن بیضا قریش کے صحیفہ کو پھاڑنا چاہتا تھا اور اس کو ضائع کر کے بنو ہاشم کو واپس مکہ شہر میں بسانے کا پروگرام رکھتا تھا۔ جب اس ظالم صحیفہ کے پھاڑ ڈالنے پر پانچ سردار مکہ متفق ہو گئے اور اس کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا تو سہل بن بیضا اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، اس کو ابی طالب نے اپنے اس شعر میں واضح کیا کہ سہل بن بیضا کامیابی کی وجہ سے خوش ہو گیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنو ہاشم کے محاصرہ سے نجات پانے کی وجہ سے خوش ہو گئے۔ معلوم ہوا جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعب ابی طالب میں محصور تھے، ٹھیک اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں قید تھے اور قید و بند کی صعوبت برداشت کرنے میں دونوں برابر کے شریک تھے۔ اگرچہ محاصرہ سے نجات پانے کے بعد کچھ قریشی بزرگ آپ کو تکلیف دینے سے باز آ گئے تھے مگر پھر بھی اکثریت ظالموں ہی کی تھی اور مسلمانوں کو برابر تنگ کیا جاتا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور تصدیق معراج

سنہ ۱۲ نبوت رجب کی ۲۷ ویں رات کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آپ نے بہشت اور دوزخ کا معائنہ فرمایا۔ صبح کے وقت جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا یہ عجیب وغریب سفر بیان کیا تو کفار نے ہنسی مخول میں دھر لیا اور خوب مذاق بنایا، جس کے اثر سے بعض مسلمان بھی محفوظ نہ رہ سکے

اور سوچ میں پڑ گئے کہ بیت المقدس تک پہنچنے میں ایک مہینہ صرف ہوتا ہے اور واپس لوٹنے میں دوسرا مہینہ! عجیب معاملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب میں بیت المقدس پہنچ بھی گئے اور واپس بھی تشریف لے آئے! اسی تذبذب نے بعض مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیا۔

ایک گروہ نے جب ابوبکر ؓ کے پاس جا کر واقعہ بیان کر کے حقیقت معلوم کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا، کیا آپ لوگ اسے دروغ سمجھتے ہیں؟ جواب دیا، بالکل دروغ! ہمارے ساتھ تشریف لے چلیے رسول اللہ ﷺ ابھی مسجد میں تشریف فرما ہیں، خود دریافت کر لیجئے۔ ابوبکر ؓ نے کہا، اگر رسول اللہ فرماتے ہیں تو ایسا ہی ہوگا، بخدا آپ آسمان سے زمین پر وحی کا آنا دن یا رات کی کسی ساعت میں فرماتے ہیں تو میں اس کی تائید بلا تامل کرتا ہوں اس کے مقابلہ میں اسراء پر آپ لوگوں کا تذبذب یا انکار عجیب ہے۔

آخر حضرت ابوبکر ؓ حضور رسالت پناہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آں حضرت ﷺ بیت المقدس کے ان مقامات کا تذکرہ فرما رہے تھے جن پر سے آپ شب اسراء میں گزرے۔ جونہی مسجد اقصیٰ اور اس کی جغرافیائی حیثیت کا بیان فرمایا، چونکہ ابوبکر بھی بیت المقدس سے ہو آئے تھے (انہوں نے) سنتے ہی "صدقت یا رسول اللہ" عرض کیا۔ اس تصدیق کی بنا پر آج سے رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر ؓ کو "صدیق" کے خطاب سے پکارنا شروع فرما دیا۔ (حیات محمدؐ، محمد حسین ہیکل)

اس موقع کی یاد میں ابو محجن ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو شعر قابل دید ہیں۔

وَسُمِّيْتَ صِدِّيْقًا وَّكُلُّ مُهَاجِرٍ ۔۔۔ سِوَاكَ يُسَمّٰى بِاسْمِهٖ غَيْرُ مُنْكَرِ

سَبَقْتَ اِلَى الْاِسْلَامِ، وَاللّٰهُ شَاهِدٌ ۔۔۔ وَكُنْتَ جَلِيْسًا بِالْعَرِيْشِ الْمُشَهَّرِ

(عنوان النجابۃ۔ ص ۱۷)

"اور تمہارا نام صدیق رکھا گیا اور تمہارے سوا جس قدر مہاجر ہیں اپنے اپنے نام سے بلائے جاتے تھے اس بات کا کوئی منکر نہیں ہے...... اور تو ہی ہے کہ دوڑ کر اسلام کی طرف آیا اور اس پر خدا گواہ ہے اور تو ہی پیغمبر کا

عریشِ بدر میں ہم نشیں تھا۔"

معراج کے موقع پر

معراج نبوی ﷺ کے موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس قوت ایمانی کا ثبوت دیا وہ نہ صرف حیرت انگیز ہے بلکہ اس نے بہت سے مسلمانوں کو ٹھوکر کھانے سے بچالیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ سے بیان فرمایا کہ رات آپ کو خانہ کعبہ سے بیت المقدس لے جایا گیا اور وہاں آپ نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی، تو مشرکین نے آپ کا مذاق اڑانا شروع کیا، اور کہنے لگے کہ مکہ سے شام تک کا فاصلہ ایک مہینے کا ہے، یہ کس طرح ممکن ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جائیں اور ایک ہی رات میں دو مہینے کی مسافت طے کر کے واپس آ جائیں۔ بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی تردّد پیدا ہو گیا، انہوں نے جا کر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر ابوبکرؓ پر دہشت سی طاری ہوگئی اور وہ کہنے لگے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھتے ہو۔ لوگوں نے کہا "ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے، آپ نے ابھی مسجد میں یہ بات بیان فرمائی ہے"۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے "اگر آپ نے واقعی یہی کہا ہے تو بالکل سچ کہا ہے۔ جب اللہ آسمان سے چند لمحوں میں وحی نازل فرما دیتا ہے تو اس کے لئے رات بھر میں آپ کو مکہ سے بیت المقدس لے جانا اور واپس لے آنا کیا مشکل ہے"۔ یہ کہہ کر وہ مسجد میں آئے۔ آپ اس وقت بیت المقدس کا حال بیان فرما رہے تھے۔ ابوبکرؓ بیت المقدس ہو آئے تھے۔ جب آپ مسجد اقصیٰ کا حال بیان کر کے فارغ ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "یا رسول اللہ! آپ بالکل سچ فرماتے ہیں۔"

اس وقت آپ نے ابوبکر کو "صدیق" کا لقب عطا فرمایا۔

اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اسراء کے واقعے میں شک کا اظہار کرتے تو یقیناً بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور جو لوگ اسلام پر قائم بھی رہتے ان کے دلوں میں بہر حال شکوک وشبہات گھر کر جاتے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قوت ایمانی نے نہ صرف لوگوں کو

مرتد ہونے سے بچایا بلکہ ان کے دلوں کو بھی شکوک وشبہات سے پاک کر دیا۔ یہ واقعات دیکھ کر بہر صورت ماننا پڑتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے دینِ اسلام کو جو تقویت حاصل ہوئی وہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ذریعے سے بھی حاصل نہ ہو سکی۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: **لو کنت متخذا من العباد خلیلا لاتخذت اباںکر خلیلا**۔ یعنی اگر میں بندوں میں سے کسی کو گہرا اور دلی دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر کو بناتا (گہرا اور دلی دوست سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا)۔

واقعۂ معراج کے بعد

اسراء کے واقعے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ سارا وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، کمزور اور مظلوم مسلمانوں کی اعانت اور اسلام کی تبلیغ میں گزارنے لگے۔ تجارت صرف اسی حد تک کرتے جس سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا گزارہ چلا سکیں۔ اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں پر قریش کے مظالم میں زیادتی ہی ہوتی چلی گئی...... قریش نے ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ سعی باقی نہ چھوڑا۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ اگر وہ چاہیں تو حبشہ کی جانب ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ متعدد مسلمان ان مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنا گوارہ نہ کیا اور بدستور مکہ میں رہ کر تبلیغ کرنے، مظلوموں کی مدد کرنے اور انہیں بے دینوں سے چھڑانے کے کام میں سرگرمی سے مصروف رہے اور مکہ میں اسلام پھیلانے کا فرض پوری خوبی اور تن دہی سے انجام دیتے رہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی طرف سے مایوس ہو گئے تو آپ نے دوسرے قبائل عرب تک خدائی پیغام پہنچانے کا ارادہ فرمایا۔ اس غرض کے لئے آپ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے آپ سے جو

سلوک کیا وہ محتاج بیان نہیں۔ اس دوران میں ابوبکر مکہ میں رہ کر مسلمانوں کی ہمتیں اور حوصلے بلند رکھنے اور انہیں حتی المقدور کفار کے مظالم سے بچانے میں مشغول رہے۔

کمزور مسلمانوں کی حفاظت کا فیصلہ

گو اس سلسلے میں مؤلفین سیرت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوانح نگاروں نے کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈالی، پھر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی پر گہری نظر رکھنے والے لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس دوران میں وہ خاموش نہ بیٹھے بلکہ انہوں نے حسب معمول حضرت حمزہ، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم جیسے معزز سربرآوردہ مسلمانوں سے مل کر کمزور مسلمانوں کو قریش کے مظالم سے محفوظ رکھا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے وسیع اثر و رسوخ کے ذریعے سے کفار میں ایسے اشخاص سے بھی تعلق قائم کیا جو بتوں کو پوجنے اور اسلام کی مخالفت کرنے کے باوجود قریش کی ان ایذا رسانیوں کو، جو وہ غریب و بے کس مسلمانوں پر روا رکھتے تھے، نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے بھائی بندوں کی ان انسانیت سوز حرکات پر برملا نفرت کا اظہار کریں اور انہیں ایسا کرنے سے روکیں۔ چنانچہ کتب سیرت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ میں سے بعض ایسے منصف مزاج آدمی اٹھ کھڑے ہوئے تھے جو اپنے ہم مذہب لوگوں کو مسلمانوں پر ظلم کرنے سے روکتے تھے۔ اس کی واضح مثال اس وقت نظر آتی ہے جب قریش نے معاہدہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانان مکہ کا مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا اور آپ شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔ بائیکاٹ کا یہ سلسلہ لگاتار تین سال تک جاری رہا۔ مسلمانوں پر معاش کے تمام دروازے بند کر دیے گئے اور انہیں ایسی ایسی تکالیف پہنچائی گئیں جن کا ذکر کرتے ہوئے بھی قلم تھرتھراتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آخر قریش ہی میں سے بعض لوگ اس ظالمانہ معاہدے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کو مکمل بائیکاٹ اور محاصرے سے رہائی ملی۔ ہمیں یقین ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے ان نیک دل لوگوں سے مل کر انہیں معاہدے کے

خلاف آواز اٹھانے کے لئے تیار کیا ہوگا۔

اسلام کے اولین دور میں مسلمانوں کی مدد کرنے اور ہمہ تن اسلام کی تبلیغ میں مشغول رہنے کے باعث ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایسا تعلق قائم ہو گیا جس کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ بیعت عقبہ کے بعد جب یثرب میں اسلام پھیل گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو اجازت دے دی کہ وہ یثرب ہجرت کر جائیں۔ قریش قطعاً لاعلم تھے کہ آیا اس مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کر جائیں گے یا ہجرت حبشہ کی طرح مسلمانوں کو یثرب بھیج کر خود مکہ ہی میں مقیم رہیں گے۔ اس موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کرنے کی اجازت مانگی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر انہیں یثرب جانے سے روک دیا:

"ابھی ایسا نہ کرو، شاید اللہ تمہارا کوئی ساتھی پیدا کر دے جو ہجرت کے موقع پر تمہارے ہمراہ ہو"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ کی امان واپس کر دی

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام کا متبع پایا، کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں صبح و شام، دونوں وقت تشریف نہ لاتے ہوں۔ پھر جب مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں بہت زیادہ پریشان کیا جانے لگا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی نیت سے حبشہ کا قصد کیا۔ جب آپ برک الغماد پہنچے تو وہاں آپ کی ملاقات قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ (جو مشرک تھا) سے ہوئی۔ اس نے پوچھا، ابوبکر کہاں کا ارادہ ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے۔ اور اب تو یہی ارادہ ہے کہ دنیا میں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں، اس پر ابن الدغنہ نے کہا کہ آپ جیسا انسان (اپنے وطن سے) نہیں نکل سکتا اور نہ اسے نکالا جا سکتا ہے، کہ آپ تو محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، مجبوروں کا بوجھ اپنے سر

لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق پر قائم رہنے کی وجہ سے کسی پر آنے والی مصیبت کا دفاع کرتے ہیں، آپ کو میں امان دیتا ہوں، آپ چلیے اور اپنے ہی شہر میں اپنے رب کی عبادت کیجئے۔ چنانچہ ابن الدغنہ اپنے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لایا اور (مکہ پہنچ کر) کفار قریش کے تمام اشراف کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ ابوبکر جیسا فرد (اپنے وطن سے) نہیں نکل سکتا اور نہ اسے نکالا جاسکتا ہے۔ کیا ایسے شخص کو بھی نکال دو گے جو محتاجوں کے لئے کماتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، مجبوروں اور کمزوروں کا بوجھ اپنے سر لیتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور حق پر قائم رہنے کی وجہ سے کسی انسان پر آنے والی مصیبت کا دفاع کرتا ہے۔ چنانچہ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو مان لیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امان دے دی پھر ابن الدغنہ سے کہا کہ ابوبکر کو اس کی تاکید کر دینا کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر ہی میں کریں۔ وہاں جس طرح چاہیں نماز پڑھیں اور تلاوت کریں، لیکن ہمیں ان چیزوں کی وجہ سے کسی تکلیف میں نہ ڈالیں اور نہ اس میں کسی قسم کا اظہار و اعلان کریں، کیونکہ ہمیں اس کا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری اولاد اور ہماری عورتیں فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ ابن الدغنہ نے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ گفتگو سنائی تو آپ اپنے رب کی عبادت گھر کے اندر ہی کرنے لگے۔ نہ نماز میں کسی قسم کا اظہار و اعلان کرتے اور نہ اپنے گھر کے سوا کسی دوسری جگہ تلاوت کرتے۔ چند روز بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ایک بات آئی اور انہوں نے اپنے گھر کے سامنے نماز پڑھنے کے لئے ایک جگہ (چبوترہ) منتخب کر لی۔ اب آپ سب کے سامنے آگئے، وہیں نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کرنے لگے۔ پھر کیا تھا، مشرکین کی عورتیں اور بچوں کا مجمع لگنے لگا۔ سب حیرت اور پذیرائی کی نظروں سے انہیں دیکھتے رہتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب انسان تھے جب قرآن پڑھنے لگتے تو آنسوؤں پر قابو نہ رہتا۔ اس صورت حال سے مشرک اشراف قریش بہت گھبرائے اور سب نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا۔ ابن الدغنہ ان کے پاس آیا تو ان سب نے اس سے کہا کہ ہم نے تو ابوبکر کو اس لئے امان دی تھی کہ وہ اپنے رب کی عبادت گھر کے اندر کریں گے۔ لیکن وہ تو زیادتی پر اتر آئے اور گھر کے سامنے نماز پڑھنے کی ایک جگہ (چبوترہ) بنالی۔ نماز بھی سب کے سامنے پڑھنے لگے اور تلاوت بھی سب کے

سامنے کرنے لگے۔ ڈر ہمیں اپنی اولاد اور عورتوں کا ہے کہ کہیں وہ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ اس لئے اب تم ان کے پاس جاؤ (اور انہیں سمجھاؤ) اگر وہ اس پر تیار ہو جائیں کہ اپنے رب کی عبادت صرف اپنے گھر کے اندر ہی کریں۔ پھر تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر انہیں اس سے انکار ہو تو تم اس سے کہو کہ وہ تمہاری امان تمہیں واپس کر دیں (یعنی تم اپنی امان ان سے اٹھالو) کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری امان کو ہم توڑیں، لیکن اس طرح انہیں اظہار اور اعلان بھی کرنے نہیں دیں گے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ اس کے بعد ابن الدغنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے وہ شرط جس پر میرا آپ سے عہد ہوا تھا۔ اب یا تو آپ اس شرط کی حدود میں رہیے یا میری امان مجھے واپس کر دیجئے کیونکہ یہ میں پسند نہیں کرتا کہ عرب کے کانوں تک یہ بات پہنچے کہ میں نے ایک شخص کو امان دی تھی، لیکن (میری خواہش کے علی الرغم) وہ امان توڑ دی گئی۔ ابو بکر ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری امان تمہیں واپس کرتا ہوں۔ میں تو بس اپنے اللہ کی امان سے خوش ہوں۔ (بخاری جلد اول۔ کتاب الکفالہ)

آپ ﷺ کا اپنے والد کو آنحضرت ﷺ کی گستاخی پر طمانچہ مارنا

ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کے والد ابو قحافہ ﷺ نے کفر کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے فوراً ان کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا تو عرض کیا "یا رسول اللہ! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسی گستاخی پر اس کی گردن اڑا دیتا۔ اسی وقت آپ ﷺ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوآدون من حآد اللہ ورسولہ ؕ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم ؕ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ؕ ویدخلھم جنت تجری من تحتھا الانھر

خالدین فیہا ط رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ط اولئک حزب اللہ ط الآ ان حزب اللہ ہم المفلحون. (المجادلہ:)

”تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روزِ آخرت پر کہ وہ ایسوں سے دوستی کریں جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے، گو وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے کنبے کے، یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے، اور اُن کی تائید کی اپنے فیضانِ غیبی سے اور اُن کو داخل فرمائے گا ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ ہمیشہ وہیں رہیں گے، اللہ ان سے راضی اور وہ اُس سے راضی، یہ خدائی لشکر ہے، خبردار ہو جاؤ، اللہ کا لشکر ہی فلاح پانے والے ہیں۔“

دیکھیے اس آیت مبارکہ سے حضرت صدیق اکبر ﷺ کی کیسی شان پائی جاتی ہے!

ابوبکر صدیق ﷺ شرط میں سو اونٹنیاں جیت گئے

قرآن شریف میں سورۂ روم کے شروع کی چند آیات میں روم اور فارس کی ایک جنگ کا ذکر ہے جو حضور ﷺ کی ہجرت مدینہ سے چند برس قبل واقع ہوئی تھی۔ اگرچہ اس جنگ کا سرزمین مکہ سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن چونکہ اہلِ فارس شرک اور بت پرستی میں مشرکین مکہ کے ہم مذہب تھے اس لیے مشرکین مکہ کی ہمدردیاں انہی کے ساتھ تھیں۔ دوسری طرف اہلِ روم چونکہ مذہباً عیسائی تھے لہٰذا اسلام کے قریب ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کی خواہش تھی کہ اس جنگ میں روم کو فتح حاصل ہونی چاہیے لیکن ہوا یہ کہ اہل فارس کو فتح حاصل ہوگئی۔ انہوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے وہاں اپنی عبادت کے لئے آتش کدہ بھی تعمیر کرلیا، اس خبر پر مشرکین مکہ نے بڑی اُچھل کود کی اور جام پہ جام چڑھائے ساتھ ہی یہ کہنا شروع کیا کہ جس طرح روم کے اہل کتاب نے فارس سے شکست کھائی ہے اسی طرح ہمارے مقابلے میں اہل اسلام (حضور ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ) بھی

شکست کھائیں گے۔ اسی دوران یہ چند آیات نازل ہوئیں جن میں یہ پیشین گوئی فرمائی گئی کہ چند سال بعد پھر جنگ ہوگی اور فارس کے آتش پرست بہت بڑی شکست کھائیں گے۔ رفیق رسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیات سنیں تو بازار میں جا کر لوگوں کے مجمع میں اعلان کر دیا کہ تمہارے خوش ہونے کا موقع نہیں چند سالوں میں نتیجہ اس کے برعکس آئے گا۔ اس پر مشرکین مکہ میں سے ابی ابن خلف بہت بگڑا اور کہنے لگا، ایسا نہیں ہوسکتا ابوبکر جھوٹ بول رہا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اس بات پر شرط لگانے کے لئے تیار ہوں کہ جو کہہ رہا ہوں اسی طرح ہوگا۔ اگر تین سالوں میں ایسا نہ ہوا تو دس اونٹنیاں میں تمہیں دوں گا اور اگر ایسا ہو گیا تو تم دس اونٹنیاں مجھے دو گے (یہ معاملہ قمار بازی کہلاتا ہے جو کہ اس وقت تک حرام نہیں ہوا تھا بعد میں حرام قرار دے دیا گیا) چنانچہ ان دونوں میں یہ معاملہ طے پا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کو یہ واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ تین سال کی مدت کا تعین نہ کریں کیونکہ آیت میں "بضع سنین" کا لفظ آیا ہے جس کا اطلاق تین سے نو سال تک ہوسکتا ہے۔ آپ جائیں اور مشرک سے کہیں کہ میں اپنی شرط کی مدت بڑھا کر تین سے نو سال تک کرتا ہوں اور تم اونٹنیوں کی تعداد دس کی بجائے ایک سو کر دو۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ جا کر اس سے معاہدہ میں تبدیلی کرائی۔ یہ شرط ہجرت سے پانچ سال پہلے طے ہوئی تھی، ابھی اس واقعہ کو سات سال گزرے ہی تھے کہ پرسکون حالات میں اچانک تلاطم اٹھا، روم اور فارس ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ چند دنوں کی تابڑ توڑ لڑائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ روم نے فارس سے نہ صرف اپنے تمام مقبوضہ علاقے واپس لے لئے، بلکہ یہاں سے فارس کے بادشاہ کسریٰ پرویز کا زوال شروع ہوا اور چند سالوں کے بعد مسلمانوں نے پرویز اور اس کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ آج تک پرویز اور پرویزیوں کے لئے ان آیات میں عبرت کا سامان موجود ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر کی فتح سے مسلمانوں کو خوشی نصیب ہوئی اور ادھر سے روم کی فتح کی خوشخبری بھی آ گئی۔

مشرکین مکہ کے معاملات کا فیصلہ کیجئے کہ ہجرت سے پہلے جب اُبی ابن خلف کو

یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر کے چلے نہ جائیں تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، ابوبکر! میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ کوئی کفیل پیش نہ کریں کہ مقررہ مدت تک روم غالب نہ ہوا تو سو اونٹنیاں وہ مجھے دینے کا پابند ہوگا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبدالرحمان کو اس کا کفیل مقرر کر دیا، اب جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شرط جیت چکے تو اُبی ابن خلف اس فتح سے پہلے مر چکا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے وارثوں سے اپنی شرط کے مطابق مطالبہ کیا اور ان اللہ کے دشمنوں نے اپنی شرط نبھاتے ہوئے سو اونٹنیاں پیش کیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انہیں ہانک کر لائے اور حضور ﷺ کے مشورہ پر سو کی سو اونٹنیاں صدقہ کر دیں۔

(روح المعانی، معارف القرآن، مظہری، ابن کثیرؒ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ہجرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ نبوت کا ہلال ربیع الاوّل اُس رات دیکھا جس رات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہو چکا تھا۔ ہجرت وطن کے چھوڑ دینے کو کہتے ہیں۔ خداوند تبارک وتعالیٰ کے حکم سے آپ وطن کے ترک کر دینے پر مستعد ہو گئے۔ دارالندوہ یعنی مجلسِ مشاورت میں فیصلہ ہوا تھا کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک آدمی منتخب کر لیا جائے اور یہ سب منتخب شدہ اشخاص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یکبارگی حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں تاکہ اس خون کا بوجھ تمام قبائل عرب پر پڑ جائے اور بنوہاشم اس خون کا بدلہ لینے سے عاجز رہ جائیں۔ اس فیصلہ کے فوراً بعد انتخاب عمل میں آیا اور حسب قرارداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ عرب لوگ زنانہ مکان میں داخل ہونا معیوب سمجھتے تھے، اس لئے باہر ٹھہرے رہے تاکہ آپ جونہی اپنے مکان سے نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ جب کسی کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اپنی قدرت کاملہ کے عجیب و غریب نمونے دکھاتے ہیں۔ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم میری جگہ پر سو جاؤ اور صبح اہلِ مکہ کی امانتیں اُن کے حوالہ کر کے میرے پاس

یثرب پہنچ جاؤ۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ آپ کے بستر پر آرام کے ساتھ سو گئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکلنے کے وقت ابوجہل، ابولہب، حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث، اُمیہ بن خلف، زمعہ بن اسود دروازے پر آپ کے قتل کرنے کے لئے موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی، جب آپ:

"وجعلنا من بين ايديهم سدًا ومن خلفهم سدًا فاغشينهم فهم لا يبصرون"

پر پہنچے تو خداوند تعالیٰ نے ان سب کی آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی طاقت سلب کر لی، وہ لوگ جاگتے رہے اور سب کچھ دیکھتے رہے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سے آپ ثانی اثنین ہو کے نکلے تو راستے میں سامنے سے ابوجہل دکھائی دیا، خدا تعالیٰ نے ابوجہل کی آنکھوں پر قبضہ کر لیا کہ نہ اُس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نظر آئے اور نہ ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے میں آئے۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ خَرَجْتُ مِنَ الْخَوْخَةِ مُتَنَكِّرًا فَكَانَ اَوَّلُ مَنْ لَقِیَنِیْ اَبُوْجَهْلٍ، فَاَعْمَی اللّٰهُ بَصَرَهٗ عَنِّیْ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرٍ حَتّٰی مَضَیْنَا. (سیرت حلبیہ جلد دوم ص ۳۶)

ترجمہ: "حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے غیر معروف دریچہ سے نکلا تو سب سے پہلے جو شخص میرے سامنے آیا وہ ابوجہل تھا، پس خدا تعالیٰ نے اُس کی نگاہ کو مجھ سے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روک دیا اور ہم دونوں چلتے رہے۔"

حضور ﷺ کو اپنے کندھے پر سوار کر لیا

رات کا وقت تھا، پتھریلی زمینوں سے گزرنا تھا، دونوں مسافر پاؤں میں پاپوش

نہیں رکھتے تھے بلکہ پابرہنہ سفر کر رہے تھے اور زمین پر پاؤں پورا نہیں رکھتے تھے بلکہ ایڑیاں زمین سے دور رکھتے تھے، صرف پاؤں کی انگلیوں کے بل چل رہے تھے تاکہ کھوج لگانے والوں کو پتہ نہ چل سکے۔ اس صورت میں پائے مبارک کا زخمی ہونا قرینِ قیاس تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو کندھے پر اٹھالیا اور خوب زور سے دوڑ کر اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے:

"پس حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات انگلیوں کے بل چلتے رہے تاکہ زمین پر پاؤں کے نقوش ظاہر نہ ہوں، یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے، پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو اپنے کندھے پر سوار کر لیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر دوڑنے لگے، یہاں تک کہ آپ کو اس غار کے دروازے پر جا اتارا"۔ (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳۶)

سفرِ ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ادائیں

حاکم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مستدرک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غار ثور کی طرف چلے تو راستہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی آپ کی دائیں طرف، کبھی بائیں طرف، کبھی آگے اور کبھی پیچھے چلتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، "ابوبکرؓ! کیا بات ہے، پہلے تو آپ نے اس طرح کبھی نہیں کیا؟" انہوں نے جواب دیا "یارسول اللہ! اس خیال سے کہ آگے دشمن نہ ہو، میں آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور یہ سمجھ کر کہ پیچھے سے دشمن نہ آجائے میں آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں اور ایسے ہی کبھی آپ کے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں۔ آپ پر خطرے کے پیشِ نظر ایسا کرتا ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوبکر! اگر کوئی خطرہ ہوا تو آپ چاہتے ہیں کہ میری بجائے آپ اس سے دوچار ہوں؟" بولے، "ہاں! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا"۔

تفسیر درِّ منثور میں ہے کہ اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں کے اگلے حصہ پر چلتے تھے، تاکہ پورے پاؤں کا نشان دیکھ کر دشمن پہچان نہ کریں۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مجل

گئے اور چلنے سے عاجز آ گئے۔ یہ دیکھ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو کندھوں پر اٹھا لیا اور اسی طرح بھاگتے بھاگتے غار ثور پر جا پہنچے۔ پھر عرض کی "یارسول اللہ! آپ باہر ٹھہریئے، مجھے اندر جانے دیجئے۔ اگر اس میں کوئی سانپ وغیرہ موذی چیز ہوئی تو آپ کو تکلیف نہ پہنچائے"۔ آپ نے فرمایا "اچھا اندر جایئے" اچنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اندر جا کر غار ثور کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولتے، اگر کوئی بل دیکھتے تو اپنا کپڑا پھاڑ کر اس میں ٹھونس دیتے۔ اس طرح کرتے کرتے ان کا سارا کپڑا ختم ہو گیا۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا تو اس میں انہوں نے ایڑی رکھ دی، تاکہ اس سے کوئی چیز نکل کر آپ کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس غار میں سانپ اور بچھو وغیرہ بکثرت تھے۔ ان انتظامات کے بعد آنحضرت ﷺ غار ثور میں داخل ہوئے۔

(سیرت الرسول ﷺ، از شیخ محمد بن عبد اللہ بن عبد الوہاب نجدی ص ۲۸۸)

نوٹ:۔ جس پہاڑی کی چوٹی پر یہ مقدس غار ہے، اس کی شکل بیل سے ملتی جلتی ہے۔ اس واسطے اس کو ثور کے نام سے پکارتے ہیں۔ عربی زبان میں بیل کو ثور کہا جاتا ہے۔ یہ غار مکہ شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ پہاڑی پر چڑھنا بجائے خود ایک سخت مشکل کام ہے مگر وزن اٹھا کر چڑھنا تو ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو بوجھ اٹھایا اور اٹھا کر پہاڑی پر چڑھے تو اس کی نظیر صفحات تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے دریافت کیا تھا کہ اس سفر میں کس کو ساتھ رکھوں؟ تو جواب آیا تھا کہ ابو بکرؓ کو ساتھ رکھو"۔

(دیکھئے تفسیر امام حسن عسکری ص ۱۶۴ بر حاشیہ تفسیر قمی)

خداوند کریم جانتے تھے کہ ایسے مشکل اوقات میں جس اخلاص کی ضرورت ہے وہ صرف اس بھی جوان میں ہے، اس لئے اس نے رفیقِ ہجرت آپ کو منتخب کیا۔ میرے نزدیک یہی انتخابِ الٰہی انتخابِ خلافت ہے اور مہاجرین وانصار نے جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ انتخاب کیا تو یہ اسی انتخاب کا ثمرہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک ایسا ہی کٹھن سفر درپیش ہوا تھا تو یوشع بن نون کو رفیق سفر بنایا تھا، جیسا کہ سورۂ کہف میں مذکور ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا۔

اور آپ کے بعد وہی رفیقِ سفر یوشع بن نون خلیفہ بنے تھے، پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مہاجرین اور انصار کسی دوسرے بزرگ کو خلیفہ منتخب کرتے؟ یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اور انصار میں سے اکثر حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتے وقت آیتِ غار کی تلاوت کی۔

غارِ ثور میں حضور ﷺ کے بارے میں تفکر

اس غار میں تین دن رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلوت گزیں رہے ہیں۔ قریشِ مکہ کو جب علی الصباح معلوم ہوا کہ جس کی ہمیں طلب ہے وہ تو ہاتھ سے نکل گیا ہے، تو سو اونٹ کے بھاری انعام کا اشتہار دے دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ سُرخ انعام میں دیئے جائیں گے۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لئے مکہ کی پہاڑیوں میں بڑے بڑے بہادر پہلوان چکر کاٹنے لگے، یہاں تک کہ ایک جماعت تلاش کرتے کرتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئی جس میں یہ دونوں غریب الوطن روپوش تھے۔ مگر جس خدا نے مکہ شہر میں کفار کی آنکھوں سے ان دونوں بزرگوں کو دیکھنے کی قوت سلب کر لی تھی وہ خدا مکہ سے تین میل دُور پہاڑی پر ان کی آنکھوں کو شرفِ دیدارِ پیغمبر اور رفیقِ پیغمبر سے کب مشرف کرتا تھا۔ کسی شاعر نے سچ کہا ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جو بدنصیب لوگ حضور ﷺ کو اور آپ کے اس رفیق کو دل کی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتے تھے یعنی دل سے ان کو بُرا جانتے تھے، خدا تعالیٰ نے ان کو ظاہری آنکھوں سے بھی محروم کر دیا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے نکلے تو کفار کے پاس

سے گزرے تھے، مگر وہ دیکھ نہ سکے تھے۔ اسی طرح جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے دریچہ سے نکلے تو ابوجہل کے پاس سے گزرے تھے، مگر اُس کو دونوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا، اور اب وہ غار کے اوپر پھر رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ثانی اثنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ خدا کے رسول! اگر وہ اپنے پاؤں کے نیچے نظر کریں تو ہمیں دیکھ لیں۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟...... یعنی تیرا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا خدا ہو؟ مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو آنکھوں سے ہمیں دیکھنے کی طاقت سلب کر لی ہے، یہ لوگ ہمیں ہرگز نہ دیکھ سکیں گے۔

غار میں حضور ﷺ کے خورد و نوش کے ذمہ دار ابوبکر ﷺ تھے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دودھ والی اونٹنی تھی جس کا دودھ شام کو حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر ﷺ غار میں پیتے اور پھر حضرت ابوبکر ﷺ کے اہل وعیال جو مکہ میں تھے وہ پیتے تھے، حضرت ابوبکر ﷺ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو جو نہایت دیانت دار اور سچے پکے مسلمان تھے اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ ایک رہبر اجرت پر لیں۔ انہوں نے ایک آدمی بنی عبد بن عدی میں سے اُجرت پر لیا جس کا نام ابن اریقط ہے یہ قبیلۂ عدیہ میں سے تھا، قریش میں سے یہ بنی سہم بن وائل کا حلیف تھا اور ابھی تک مشرک تھا اور راستہ بتانے کا کام کرتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق ﷺ چند رات اسی غار میں رہے۔ عبداللہ ﷺ بن ابوبکر ﷺ شام کے وقت مکہ کی ساری خبریں لاتے، حضرت عامر ﷺ بن فہیرہ ہر رات بکریاں لاتے دودھ دوہ کر پلاتے اور اگر ذبح کرنے کی ضرورت ہوتی تو بکری ذبح کی جاتی' اور صبح ہی صبح یہاں سے چل دیتے اور لوگوں کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتے، اور کسی کو اس بات کی خبر نہ ہوتی۔ جب مکہ میں آپ ﷺ کے بارے میں شور وغل بند ہو گیا (جس کا ان دنوں کافی چرچا تھا) اور آپ کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب لوگوں میں کوئی چرچا نہیں رہا تو عامر ﷺ بن فہیرہ دو اونٹنیاں لے کر

حاضر ہوئے۔ یہ حضرات غار میں دو دن اور دو رات ٹھہرے تھے، یہ دونوں حضرات وہاں سے چل دیئے اور ان کے ساتھ عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ ان دونوں حضرات کی خدمت اور اعانت کرتے ہوئے چلے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کو بٹھالیا ان دونوں حضرات کے ساتھ سوائے عامر رضی اللہ عنہ اور اس رہبر کے کوئی نہ تھا۔

(قال الہیثمی ج ۶ ص ۵۱ وفیہ ابن لہیعۃ وفیہ کلام وحدیثہ حسن اھ)

غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سانپ کے ڈسنے کا واقعہ

ادھر جب غار میں موجود سانپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی سوراخ پر ہونے کی وجہ سے باہر نکلنے کا راستہ بند پایا تو آپ رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر ڈسنے لگا، اور اس کا زہر آپ رضی اللہ عنہ کے وجود میں سرایت کرتا چلا گیا۔ جب تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں درد کی شدت سے چھلک اٹھیں۔ اس وقت حضور ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے آنسو حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر ٹپکے تو آنکھ کھل گئی۔ دریافت فرمایا، ابوبکر! کیا ہوا؟ عرض کیا، حضور! (ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، سانپ نے ڈس لیا ہے اور درد نے بے قرار کر رکھا ہے۔ حضور ﷺ فوراً اٹھ بیٹھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر جس جگہ سانپ نے ڈسا تھا، اپنا لعاب دہن لگایا، جس کی مبارک تاثیر سے سانپ کے زہر کا اثر جاتا رہا۔ (سیرت ابن ہشام)

قریش کے مسلح افراد غار کے دہانے پر

غار میں قیام کے دوران قریش کی ایک مسلح منڈلی تلاش کرتی ہوئی غار کے دھانے پر آپہنچی جس کے قریب ہی ایک گڈریہ اپنا ریوڑ چرا رہا تھا۔ انہوں نے چرواہے سے پوچھا، جس نے جواب دیا، ممکن ہے اس غار میں ہوں لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے کسی فرد بشر کو نہیں دیکھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو گوش بر آواز ہی تھے، چرواہے کا جواب سن کر پسینہ پسینہ ہوگئے، خوف سے دم گھٹنے لگا اور اللہ پر معاملہ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں قریشی نوجوان غار کے قریب آپہنچے مگر وہ غار کے اندر جھانکے بغیر واپس لوٹ گئے۔ ان کے

ساتھیوں نے پوچھا، غار کے قریب پہنچ کر بھی تم نے اس کے اندر نہیں جھانکا؟ انہوں نے جواب دیا ہم کیسے جھانکتے جب کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جناب محمد ﷺ کی پیدائش سے پہلے کا جالا تنا ہوا ہے، غار کے دہانے پر دو جنگلی کبوتروں نے اپنا آشیانہ بنا رکھا ہے، دہانے کے اندرونی حصہ میں ہر طرف خشک گھاس پھیلی پڑی ہے، ان علامات سے ہم نے سمجھا کہ غار کے اندر کوئی فرد بشر نہ ہوگا اور ہم اندر جھانکے بغیر واپس چلے آئے۔

غارِ ثور میں رسول اللہ ﷺ کی تسکینِ قلب

اس اضطراب و کشمکش کے دوران میں بھی رسول اللہ ﷺ کے سکون میں ساعت بساعت اضافہ ہوتا گیا۔ آپ ﷺ نے نماز اور دعا سے اپنی توجہ ہٹنے نہ دی مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے خوف سے اس قدر نڈھال تھے کہ انہوں نے خود کو رسول خدا ﷺ سے قریب تر کر دیا، اگر حملہ ہو تو ان پر زد آ جائے مگر خدا کے رسول ﷺ کا بال بیکا نہ ہو۔ اسی دوران میں سید الثقلین ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کان میں آہستہ سے فرمایا ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' (توبہ:۴۰) (اے ابوبکر! اتنا کیوں گھبرا رہے ہو، اللہ تعالیٰ ہمارا نگران ہے!)

یہ واقعہ حدیث کی بعض کتابوں میں اس طرح مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھوجیوں کی سن گن پا کر رسول اللہ ﷺ سے بڑی آہستہ آواز میں عرض کیا ''یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے نیچے کی طرف جھانکا تو وہ ہمیں دیکھ نہ لے گا؟'' آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر ان سے فرمایا ''ابوبکرؓ! گھبرایئے نہیں، ہم دونوں کے ساتھ ہمارا تیسرا ہمراہی خدا تعالیٰ ہے۔''

قریش نے جب دیکھا کہ غار کے دھانے پر درخت کی شاخیں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ انہیں کاٹنے کے بغیر غار کے اندر جانا محال ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ اندر کوئی فرد بشر نہیں پہنچا۔ وہ جدھر سے آئے تھے الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لوٹنے کی آہٹ سنی تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ گیا اور آنحضرت ﷺ نے بآواز بلند الحمد للہ، اللہ اکبر پکارا۔

معجزۂ غار

غار کے منہ پر مکڑی کا جالا، جنگلی کبوتروں کا آشیانہ اور درختوں کا ایسا پھیلاؤ کہ

جسے کاٹنے کے بغیر غار کے اندر پہنچنا ناممکن ہے ارباب سیرت نے اسے معجزہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ ان کی توجیہہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غار کے اندر تشریف فرما ہونے سے قبل ان میں سے کسی شے کا وجود نہ تھا، خدا کے رسول ﷺ اپنے ساتھی کے ہمراہ غار میں اترے، مکڑی نے جالا تانا، کہیں سے دو کبوتر اڑتے اڑاتے آ بیٹھے، انہوں نے غار کے دہانے میں اپنا نشیمن بنا کر اس میں انڈے رکھ دیئے۔ دہانے ہی میں سے ایک پودے نے پتھر سے سر نکالا اور ذرا دیر میں اس کی شاخیں غار کے منہ پر اس طرح بچھ گئیں، جیسے دہانے کو سرپوش نے ڈھانک لیا ہو۔ (حیات محمدؐ۔ ص ۲۷۳)

سُراقہ بن مالک کا قصہ

سراقہ بن مالک کا بیان ہے (جس کو صاحب سیرت حلبیہ نے جلد ۲ صفحہ ۴۵ پر لکھا ہے) کہ قریشِ مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے یا قتل کر کے ہمارے پاس لائے گا اُس کو ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ اور جو شخص دونوں کو گرفتار کر کے یا قتل کر کے لائے گا اُس کو دو سو اونٹ انعام ملے گا۔ اس قدر بھاری انعام نے سراقہ بن مالک کو اپنی جگہ پر بیٹھنے نہ دیا اُس نے گھوڑے پر زین ڈالی اور نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے مکہ معظمہ پہنچا اور انعام کی تصدیق کے بعد یثرب کی طرف گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا اور اتفاقاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچ گیا۔ غار سے روانگی کے بعد آپ کے پاس دو اُونٹ تھے۔ ایک اونٹ پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سوار تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے اور دوسرے اونٹ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ اور راہ بتلانے والا شخص سوار تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے تلاوت قرآن میں مصروف تھے، اِدھر اُدھر، آگے پیچھے مڑ کر نہ دیکھتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر طرف نگاہ رکھتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مڑ کر دیکھا سراقہ بن مالک گھوڑے پر سوار ہے اور قریب پہنچ گیا ہے۔ سراقہ نے بھی اس قافلہ کو پہچان لیا اور دو سو اونٹ کے

دستیاب ہونے کی اُمیدیں مضبوط ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! دشمن آ پہنچا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، مراد یہ تھی کہ جس طرح غار کے دہانے پر دشمن پہنچ گئے تھے اور خدا تعالیٰ نے امداد فرمائی تھی اسی طرح یہاں بھی خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے گا، غم نہ کر ہمارا امن فوت نہیں ہوا۔ بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ فقرہ نکلا ہی تھا کہ سراقہ بن مالک کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نے بہت زور مارا مگر گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکل نہ سکے۔ آخر سمجھ گیا کہ میں جس کے آزار کے درپے ہوں، اُسی کی دعا کا یہ اثر ہے اور بے شک خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ عرض کی کہ بے شک آپ خدا کے رسول ہیں، دعا کریں کہ خدا تعالیٰ میرے گھوڑے کو چھوڑ دے، میں آپ کا کوئی نقصان نہ کروں گا، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی کہتا جاؤں گا کہ تمہارا مطلوب ادھر نہیں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے دربار میں عرض کی اور اس گھوڑے کو خدا کی زمین نے چھوڑ دیا۔ جب سراقہ کو آپ کی صداقت اور خداوندی حمایت کا یقین ہو گیا۔ گو اُس وقت وہ اسلام میں ظاہراً داخل نہ ہوا لیکن اسلام اس کے قلب کی گہرائیوں میں اُتر گیا تھا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض گزار ہوا کہ جس وقت خدا تعالیٰ آپ کو تمام عرب پر حکومت دیویں مجھے اس وقت امان ملنی چاہیئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار کیا۔ سراقہ نے اسی وقت امان لکھنے کو کہا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن فہیرہ سے لکھ دینے کا ارشاد کیا۔ جب عامر بن فہیرہ لکھنے لگے تو سراقہ نے کہا کہ ازراہ کرم ابوبکر سے لکھوا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم لکھ دو۔ حسب الارشاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امان نامہ لکھ دیا اور سراقہ بن مالک اگرچہ دو سو اونٹ حاصل نہ کر سکا مگر جو چیز اس نے حاصل کی اس پر ہزاروں کیا لاکھوں اونٹ قربان کئے جا سکتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی جنگ سے فارغ ہوئے تو سراقہ آپ کی ملاقات کے لئے موضع جعرانہ میں حاضر ہوا۔ جو لوگ حقیقت حال سے واقف نہ تھے وہ سراقہ بن مالک کو ڈانٹتے رہے اور خدا کے رسول کے نزدیک جانے نہ دیتے تھے۔

سراقہ کہتا ہے کہ میں کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نزدیک ہو گیا اور اپنے داہنے ہاتھ میں وہ امان نامہ لے کر بلند کیا اور بلند آواز سے گزارش کی کہ خدا کے رسول! یہ وہ امان نامہ ہے جو آپ نے لکھوا دیا تھا اور میں سراقہ بن مالک ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا سے جواب دیا اور فرمایا کہ آج کا دن وفا کا دن ہے اور آج کا دن بشارت کا دن ہے۔ میرے نزدیک آجا۔ میں نزدیک ہو گیا اور اسلام قبول کیا۔ کسی شاعر نے اسی قسم کے مواقع کے لئے کہا ہے اور سچ کہا ہے ۔

خود بخود آں مہِ دلدار بہ برے آید
نہ بزور و نہ بزاری نہ بزرے آید

ایک نکتہ

سراقہ بن مالک کے اس قصہ میں آیا ہے کہ عامر بن فہیرہ امان نامہ لکھنے لگا تو اس نے بجائے اس کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لکھوانے سے متعلق گزارش کی، اور آپ نے بحکم نبوت امان نامہ لکھ دیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ بات سوچنے کے قابل ہے۔ میری ناقص رائے میں اس کی وجہ وہ اتحاد ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھا۔ جس کی وجہ سے سراقہ کا ذہن خلافت کی جانب منتقل ہو گیا، نیز گزر چکا ہے کہ تمام عرب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معزز و مکرم تھے، ہوسکتا ہے کہ سراقہ کی گزارش کی وجہ یہ دوسری چیز ہو۔ بہر حال سراقہ کی یہ کاروائی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت سے خالی نہیں ہے......

بریدہ بن الحصیب اسلمی کا قبولِ اسلام

مدینہ شریف جاتے ہوئے راستے میں بریدہ اسلمی سے ملاقات ہوئی۔ بریدہ نے بھی سُنا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے قریش مکہ کے حوالے کرے گا وہ دو سو اونٹ انعام لے گا۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لئے بریدہ اسلمی بمعہ اَسّی (۸۰) نوجوانوں کے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ خدا کی قدرت ایسی

ہوئی کہ بریدہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام پوچھا۔ملاقاتی نے کہا کہ میرا نام بریدہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے خلاف جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی ہو جائے گی اور ہم کامیاب ہو جائیں گے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو کس قوم سے ہے؟ جواب میں کہا کہ میں اسلم سے ہوں جو سہم کی اولاد میں سے تھا۔یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کفار مکہ سے شر سے بچ گئے ہیں۔اے ابوبکر تیرا حصہ نکل آیا ہے۔اس کے بعد بریدہ نے آپ کا نام پوچھا، جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں محمد ہوں عبداللہ کا بیٹا ہوں عبدالمطلب کا پوتا ہوں، خدا کا رسول ہوں۔بریدہ نے فوراً کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ بریدہ کا اسلام لانا تھا کہ اس کے تمام ساتھی کلمۂ اسلام پڑھتے ہوئے اسلام میں داخل ہوگئے۔

ایک اہم نکتہ

جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی حرص رکھتے تھے، اس دنیا میں اور کوئی مقصد نہ تھا اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اسلام کی ترقی کو اپنا نصب العین جانتے تھے۔اسی واسطے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ (رضی اللہ عنہ) اور اس کے ہمراہیوں کو جو تعداد میں اَسّی سے کم نہ تھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حصہ بتلایا، اور فرمایا کہ خَرَجَ سَهْمُكَ يَا اَبَابَكْرٍ یعنی اے ابوبکر! یہ تیرا حصہ ہے جو اپنے گھروں سے نکل کے آیا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ لوگ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں پہنچا کر اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔

تیسرا باب

ہجرتِ مدینہ کے بعد

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے فیصلے

مدنی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اور جنگی وسیاسی امور میں آپ ﷛ کی مشیر ثابت ہوئی اور ہر اہم موقع پر مسلمانوں کو آپ کی ذات سے فائدہ پہنچا، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مقدس سے آپؓ کے بارے میں قدم قدم پر بشارتوں کا نزول ہوتا رہا۔

مدینہ منورہ میں داخلہ

۱۲ ربیع الاوّل ۱۳ نبوت، سوموار کے دن علی الصباح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بمع ابوبکر رضی اللہ عنہ قبا سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جس جگہ آپؐ نے نزولِ اجلال فرمایا وہاں انصارِ مدینہ ملاقات کے لئے حاضر ہونے لگے۔ ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہوں نے ابھی تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوا نہ تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اگرچہ عمر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹے تھے مگر داڑھی اور سر میں سفید بال آ گئے تھے بخلاف حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آپکے سر اور داڑھی مبارک میں کوئی ایک بال بھی سفید نہ آیا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ مہاجرین میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے تھے جن کے سفید بال آ گئے تھے ان کے علاوہ کسی مہاجر کے سفید بال نہیں آئے ہوئے تھے۔ پس جن لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوا نہ تھا وہ سفید بالوں کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرنے کے لیے جھکتے تو آپ فوراً ملاقاتی کا ہاتھ پکڑ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیتے۔ مدینہ منورہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ مدینہ منورہ کے قدیم باشندوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے آپ کی ملاقات کا اشتیاق نہ ہوا ہو، اس وجہ سے یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا اور سورج کی شعاعیں حرارت پیدا کرنے لگ گئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر تان کر سایہ بنایا تا کہ آپؐ سورج کی گرمی سے بچ جائیں اور ملاقاتیوں کو جو شبہ ہو رہا تھا وہ بھی دور ہو جائے، ہر کوئی سمجھ لے گا کہ جو سایہ کر رہا ہے یہ غلام ہے اور جس کے سر پر سایہ کیے ہوئے ہے وہ آقائے دو جہان ہے۔

اپنی لختِ جگر سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا حضور ﷺ سے نکاح و رخصتی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھربار اور مال و دولت کے ساتھ ساتھ اپنی کنواری لختِ جگر حضور کے عقد مبارک میں دے کر یہ ثابت کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کیلئے دنیا میں سب سے زیادہ متاع عزیز بھی قربان ہے۔

تمام ازواج مطہرات میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی کنواری بیوی تھیں۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں لیکن جب حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اُم رومان سے کہا اور انہوں نے حضرت ابوبکر ﷺ سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی۔ بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا۔ بہرحال حضرت ابوبکر ﷺ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ سے عقد کر دیا۔ پانچ سو درہم مہر قرار پایا۔ یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی تھیں۔

یہ نکاح اسلام کی سادگی کی حقیقی تصویر تھا۔ عطیہؓ اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی۔ حضرت ابوبکر ﷺ نے آکر نکاح پڑھا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا۔ اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۰)

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت ﷺ کا قیام ۳ سال تک رہا۔ ۱۳ نبوی میں آپ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر ﷺ ساتھ تھے۔ اور اہل و عیال کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ آئے تھے۔ جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر ﷺ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ

اُم رومانؓ، اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئیں۔ مدینہ میں آ کر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں۔ اشتداد مرض سے سر کے بال جھڑ گئے۔ (صحیح بخاری، باب الہجرۃ)

صحت ہوئی تو اُم رومانؓ کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال کی تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ اُم رومانؓ نے آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی۔ ماں کے پاس آئیں انہوں نے منہ دھویا، بال درست کیے، گھر میں لے گئیں انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں۔ یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی۔ تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ۱۳ شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔
(صحیح بخاری تزویج عائشہ و سیرۃ النبی جلد ۲)

حضرت عائشہؓ کے نکاح سے عرب کے بعض بے ہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی۔ کیونکہ عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے۔ اسی بنا پر جب خولہؓ نے حضرت ابو بکر ؓ سے آنحضرت ﷺ کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ کیا یہ جائز ہے؟ عائشہؓ تو رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا "انت اخ فی الاسلام" تم تو صرف مذہبی بھائی ہو۔ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر میں حضرت ابو بکر ؓ کا کردار

مدینہ منورہ میں جب مسجد کے لیے زمین خرید لی گئی اور اس زمین کو صاف کر لیا گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ میری اینٹ کے ساتھ تم بھی ایک اینٹ اٹھا کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اینٹ کے ساتھ رکھ دو۔ اس کے بعد تمام لوگوں کو اینٹیں لانے کا حکم دے دیا۔ علمائے حدیث نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی کی بنیاد میں جو کارروائی عمل میں آئی تھی،

خلافتِ نبوت کی طرف اشارہ تھا۔ بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب تینوں بزرگ اینٹیں رکھ چکے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے بعد میرے جانشین ہوں گے۔ (دیکھو سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۷۱)

سوال:۔ اگر مسجدِ نبوی کی بنیاد میں یہ کارروائی خلافت کے لئے تھی تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے کیوں اینٹ نہ رکھوائی؟

جواب:۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی خلافت تمام اہلِ اسلام میں مسلّم ہے مگر کچھ دیر اس میں اختلاف ہوا تھا، اس اختلاف کے باعث چوتھی اینٹ متصلاً ساتھ نہ رکھی گئی تھی۔ برخلاف اس کے مذکورہ بالا تینوں بزرگوں کی خلافت کا انکار کرنے والے کافی تعداد میں ہیں۔ ان کی خلافت اجماعی تھی۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کی طرف اشارہ ضروری سمجھا اور خلیفہٗ چہارم کی خلافت کی توضیح کی ضرورت نہ سمجھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماعی ہوگئی تھی اور اب خارجیوں کے سوا اس کا کوئی منکر نہیں ہے۔

مدینہ میں قیام اور اشاعتِ دین میں انہماک

مدینہ میں ان کا قیام شہر کے نواح میں مقام سخ پر خارجہ بن زید کے ہاں تھا جو قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارث سے تعلق رکھتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کا سلسلہ قائم کر دیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خارجہ رضی اللہ عنہ کو بھائی بھائی بنایا۔ جب ابوبکرؓ کے اہل و عیال مکہ سے مدینہ پہنچ گئے تو انہوں نے ان سے مل کر روزی کے وسائل شروع کیے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے رشتہ داروں کی طرح ان کے رشتہ دار بھی انصار کی زمینوں پر ان کے مالکوں سے مل کر کام کرنے لگے جن میں خارجہ بن زید بھی شامل تھے۔ خارجہ کے ساتھ ان کے تعلقات اس حد تک بڑھ گئے انہوں نے اپنی بیٹی حبیبہ کو ان کے عقد میں دے دیا۔ حبیبہ کے بطن سے ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ ابوبکرؓ کی وفات کے وقت حبیبہ

حالت حمل میں تھیں۔

ابوبکرؓ کے اہل وعیال ان کے ساتھ مقام سخ میں خارجہ بن زید کے ہاں نہ ٹھہرے تھے، بلکہ ام رومان، ان کی بیٹی عائشہ اور ابوبکرؓ کے تمام لڑکے مدینہ میں حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے قریب مقیم تھے۔ ابوبکرؓ سخ سے روزانہ وہاں آیا کرتے تھے البتہ ان کا مستقل قیام اپنی نئی بیوی کے ساتھ سخ ہی میں تھا۔

ہجرت کے چند روز بعد وہ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ صرف وہی نہیں بلکہ آب وہوا کی ناموافقت کے باعث اکثر مہاجرین بخار سے بیمار ہو گئے تھے۔ مکہ کی آب وہوا، صحرا میں واقع ہونے کے باعث خشک تھی۔ اس کے مقابلے میں مدینہ کی آب وہوا مرطوب تھی کیونکہ وہ بارانی علاقہ تھا اور وہاں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔

جب انہیں اطمینان ہوا اور روزی کی طرف سے بے فکری نصیب ہوئی تو وہ اسلام کی اشاعت، رسول اللہ ﷺ کی معاونت اور مسلمانوں کے نئے مرکز کے استحکام میں اسی طرح منہمک ہو گئے جس طرح مکہ میں مشغول رہتے تھے۔

یہودی عالم کو تھپڑ رسید کر دیا

ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت نرم مزاج انسان تھے لیکن جب وہ یہود اور منافقین کی زبانوں سے دین خدا کے متعلق تمسخر آمیز باتیں سنتے تھے تو ان کے غصے کی انتہا نہ رہتی تھی۔ مدینہ تشریف لانے پر رسول اللہ ﷺ اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کے تحت یہود اور مسلمانوں دونوں کو اپنے اپنے دین کی تبلیغ واشاعت اور اپنے اپنے رسوم ورواج پر عمل کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ یہود کا شروع میں یہ خیال تھا کہ وہ مہاجرین کو اپنے ڈھب پر لا کر انہیں مدینہ کے قبیلوں، اوس وخزرج کے خلاف استعمال کر سکیں گے لیکن چند ہی روز میں انہیں پتا چل گیا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں اور مہاجرین واہل مدینہ میں ایسا تعلق قائم ہو چکا ہے جو کسی صورت ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس وقت انہوں نے اپنی پہلی روش بدل کر مسلمانوں کی مخالفت پر کمر باندھی اور اسلام کے متعلق تمسخر اور استہزاء کی باتیں کرنی شروع کیں۔ ایک دن کا واقعہ

ہے کہ چند یہودی اپنے ایک عالم فنحاص کے گھر میں جمع ہوئے۔ اتفاق سے اسی وقت ابوبکرؓ بھی اسی طرف آ نکلے۔ انہوں نے یہودیوں کی اجتماع کو غنیمت جانتے ہوئے انہیں اسلام کی تبلیغ کرنی چاہی اور فنحاص سے کہنے لگے:

”اے فنحاص! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ۔ اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اسی کی جانب سے تمہارے پاس وہ حق لے کر آئے ہیں جسے تم توریت میں لکھا ہوا پاتے ہو۔“

یہ سن کر فنحاص کے لبوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ کہنے لگا:

”خدا کی قسم، اے ابوبکر! ہمیں خدا سے کسی چیز کی حاجت نہیں، خود اسے ہماری حاجت ہے۔ ہم اس کی طرف نہیں جھکے، بلکہ وہ ہماری امداد سے مستغنی نہیں۔ اگر وہ ہماری امداد سے مستغنی ہوتا تو کبھی ہمارے مال ہم سے بطور قرض نہ مانگتا جس طرح تمہارے رسول ﷺ کا خیال ہے۔ اللہ تمہیں سود لینے سے منع کرتا ہے لیکن خود ہمیں سود دیتا ہے۔ اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا؟“

اس ناپاک گفتگو سے فنحاص کا مقصد دراصل اس آیت پر چوٹ کرنا تھا جس میں اللہ فرماتا ہے۔ ”مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً“ (کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اس کے بدلے میں اللہ اس کے مال کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا)

ابوبکرؓ نے فنحاص کو اللہ کے قول اور اس کی وحی کا مذاق اڑاتے دیکھا تو وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور فنحاص کے اتنے زور سے ایک تھپڑ مارا کہ اس کے حواس بجا نہ رہے اس کے بعد فرمایا:

”اے اللہ کے دشمن! اگر مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کی قسم! میں تیری گردن اڑا دیتا۔“

کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب اور بردبار ہونے کے

باوجود اس موقع پر جوش میں آ گئے حالانکہ آپ کی عمر بھی پچاس برس سے متجاوز ہو چکی تھی اور اس مراحل پر بالعموم انسان میں جوش و خروش باقی نہیں رہتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ غیرت ایمانی کا مظاہرہ تھا اور اس بات کا ثبوت کہ آپ اللہ کی آیات اور اس کے رسول ﷺ پر استہزاء کرنے کو کسی صورت برداشت نہ کر سکتے تھے۔

جنگِ بدر میں آپ ؓ کا کردار

ہجرت کے کچھ عرصے بعد بدر کا معرکہ پیش آتا ہے۔ قریش مکہ اور مسلمان اپنی اپنی صفیں مرتب کیے ایک دوسرے کے بالمقابل میدان جنگ میں کھڑے تھے۔ مسلمانوں نے حضرت سعدؓ بن معاذ کے مشورے سے قریب کی ایک پہاڑی پر ایک شامیانہ لگا دیا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اس شامیانے میں تشریف رکھیں اور اگر مسلمانوں کی حالت دگرگوں دیکھیں تو اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لے جائیں۔ ابوبکر بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے دشمن کی کثرت اور مسلمانوں کی کمی دیکھی تو آپ نے قبلہ رو ہو کر اپنے آپ کو خدا کے حضور گرا دیا اور اس سے اس کے وعدوں کی یاد دلا دلا کر مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کی دعائیں مانگنی شروع کیں۔ آپ فرما رہے تھے:

"اللّٰھم ھذہ قریش قد اتت بخیلائھا تحاول ان تکذب رسولک! اللّٰھم فنصرک الذی وعدتنی! اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابۃ الیوم لا تعبد"

''اے اللہ! یہ قریش اپنے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ تیرے رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اے اللہ! اپنے اس وعدے کو پورا فرما جو تو نے مسلمانوں کی فتح کے متعلق کیا ہے۔ اے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہو گئی تو آئندہ تیرا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا''۔

آپ اس قدر زاری اور اتنی بے چینی اور گھبراہٹ کی حالت میں اپنے رب کو پکار رہے تھے اور ہاتھ دعا کے لئے پھیلا رہے تھے کہ بار بار آپ کی چادر زمین پر گر جاتی تھی۔

بالآخر آپ پر غنودگی کی حالت طاری ہوئی اور اللہ کی طرف سے ایک بار پھر بڑے زور سے مسلمانوں کی فتح ونصرت کی خوشخبری دی گئی۔ آپ مطمئن ہو کر شامیانے سے باہر تشریف لائے اور بلند آواز سے مسلمانوں کو کفار پر حملہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ آپ فرما رہے تھے ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ آج کے روز ہر شخص کفار سے لڑے گا اور اس حالت میں شہید کیا جائے گا کہ اس کے پیش نظر صرف اللہ کی رضا اور اس کے دین کی مدد کا جذبہ ہوگا اور اس نے میدان جنگ میں کفار کو پیٹھ نہ دکھائی ہوگی، اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔''

گو پہلے ہی سے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو فتح کی خوشخبری دے دی تھی لیکن اس کے باوجود آپؐ برابر گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں مانگتے رہے جب تک ایک بار پھر اللہ کی طرف سے واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کی فتح ونصرت کا وعدہ نہ دے دیا گیا اور آپ کو دلی اطمینان نصیب نہ ہو گیا۔

دراصل ایک پیغمبر کی شان یہی ہوتی ہے۔ آپ جانتے تھے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں اور وہ ضرور مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا۔ لیکن ساتھ ہی آپ کو یہ علم بھی تھا کہ اللہ غنی عن العالمین بھی ہے ممکن ہے کہ مسلمانوں سے دوران جنگ میں کوئی ایسی کوتاہی سرزد ہو جائے جس کے باعث فتح ونصرت وعدہ دور جا پڑے اور مسلمان اولین مرحلے میں اپنا مقصود حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضور ﷺ کو تسلی

اس پورے عرصے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ ضرور مسلمانوں کی مدد کر کے انہیں فتح سے ہمکنار کرے گا۔ اسی لئے وہ حیرت وتعجب سے آپ کی مناجات سن رہے تھے۔ آپ انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کر رہے اور اسے اس کا وعدہ یاد دلا رہے تھے۔ آپ کی چادر بار بار زمین پر گر پڑتی تھی۔ اور اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈالتے اور کہتے تھے:

"یا رسول اللہ! آپ گھبرائیں نہیں۔ اللہ نے آپ کو فتح و نصرت کا وعدہ دیا ہے اور وہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔"

اکثر دیکھا گیا ہے، بعض لوگ اپنے عقیدے میں اس قدر راسخ ہوتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے جو ان سے عقائد میں اختلاف رکھتے ہوں۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ حقیقی ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ مخالفین سے تعصب، تندی اور سختی کا برتاؤ کیا جائے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کامل الایمان ہونے کے باوجود نہایت نرم دل انسان تھے۔ سب وشتم تندی اور سختی سے وہ کوسوں دور تھے۔ قابو پانے کے بعد مخالف کو معاف کر دینا اور فتح یاب ہونے کے بعد دشمن پر احسان کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اس طرح ان میں حق و صداقت کی محبت اور رحم و کرم کا جذبہ بہ یک وقت پایا جاتا تھا۔ حق کے راستے میں وہ ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی ہیچ سمجھتے تھے اور اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے کو بہ خوشی تیار ہو جاتے تھے۔ لیکن جب حق غالب آ جاتا تو دشمن سے سختی کا برتاؤ اور اس سے مظالم کی جواب دہی کرنے کی بجائے ان میں رحم و کرم کا جذبہ ابھر آتا تھا۔

اسیرانِ بدر کے معاملہ میں مشاورت

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر میں قید ہونے والے کفار کو اپنے اصحاب پر تقسیم فرما کر ہر ایک کو تاکید کر دی کہ ان کے ساتھ بہتر برتاؤ کیا جائے اور خود رسالت مآب ﷺ ان کے متعلق تصفیہ کے معاملہ میں غور و فکر میں ڈوب گئے کہ انہیں قتل کرا دیا جائے یا مدینہ لے جا کر رہا کر دیا جائے؟ فدیہ کی صورت میں توجہ گرامی اس طرف منتقل ہوئی کہ ان اسیروں میں بعض اشخاص دلاور اور نامی گرامی جنگجو ہیں اگر انہیں رہا کر دیا گیا تو شکست اور اسیری دونوں کا غصہ انہیں چین سے بیٹھنے نہ دے گا نہ معلوم کس وقت انتقام کے لیے نکل آئیں۔ اور اگر انہیں قتل کرا دیا جائے تو ان کے وارثوں کا کینہ اُبھر آیا اور ان کے خون کا بدلہ لینے پر تل گئے تو اور مشکل ہو گی۔

آخر ان کے معاملہ میں (رسول اللہ ﷺ نے) اپنے اصحاب کی رائے طلب

فرماتے ہوئے تاکید کردی کہ جو جس کی رائے ہو ظاہر کرنے میں تامل نہ کرے۔ مسلمانوں میں کچھ حضرات اسیروں کی رہائی پر دو وجہوں سے مائل تھے۔ ان (اسیروں) کے ساتھ قرابت اور فدیہ کی گراں بہا رقوم حاصل ہونے کی غرض سے! مسلمانوں کے اس طبقہ نے باہم مشورہ کرتے ہوئے کہا کہ ابوبکرؓ سے اس معاملہ میں رائے لینا بہتر ہے۔

الف۔ ابوبکر ﷺ کی قریش کے ساتھ قرابت داری ہم سب سے زیادہ ہے۔

ب۔ رحم دل اور محسن ہیں۔

ج۔ ابوبکر ﷺ ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک قابل توقیر ہیں۔

اور انہوں نے اپنا ایک وکیل ابوبکر ﷺ کے پاس بھیجا جس نے ان الفاظ میں یہ معاملہ پیش کیا:

"اے ابوبکر! ان اسیروں میں سے ہر ایک کے ساتھ ہم میں سے کسی نہ کسی کی قرابت داری ہے، کوئی کسی کا برادر زادہ ہے، کوئی ہمشیر زاد، کسی کے ساتھ بھائی کا رشتہ ہے کوئی پھوپھی اور ماموں کی طرف سے عزیز اور کوئی عم زاد ہے۔ براہِ کرم رسول اللہ ﷺ سے سفارش کیجئے کہ، اگر آپ ان کا فدیہ لے کر انہیں رہا فرمادیں تو اس کا احسان ہم پر بھی ہوگا"۔

اور حضرت ابوبکر ﷺ نے ان سے یہ سفارش کرنے کا وعدہ فرمالیا۔

اگرچہ یہ لوگ حضرت عمر ﷺ سے خائف تھے کہ مبادا یہ بنا بنایا کھیل بگاڑ دیں تاہم ان کے پاس بھی اپنا وکیل بھیجا، جس کی پوری کہانی سن کر کچھ کہے بغیر نہایت غصہ کی نظر سے اس کی طرف دیکھا مگر زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ دونوں وزیر آنحضرت ﷺ کے حضور باریاب ہوئے۔ پہلے ابوبکر ﷺ نے گفتگو شروع کی اور آنحضرت ﷺ کی تسکین مدنظر رکھتے ہوئے لجاجت سے عرض کیا:

"اے رسولِ خدا ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ نثار! قریش کے ان قیدیوں میں سے ہر شخص کسی نہ کسی مسلمان کا قرابت دار ہے۔ اگر آپ انہیں احسانا رہا فرمادیں تو اللہ تعالیٰ آپ پر بھی احسان فرمائے گا یا اس کے عوض میں فدیہ

قبول فرمالیا جائے جس پر اُمید ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے کرم سے متاثر ہو کر اسلام لے آئیں، اور فدیہ کی رقم سے مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوگی"۔

رسول اللہ ﷺ نے سن لیا مگر مثبت و منفی کوئی جواب نہ دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس چلے آئے۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور قیدیوں کے معاملہ میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ خدا کے دشمن اور آپ کے مکذب ہیں! جناب کو مکہ سے نکالنے والے ہیں، جنگ کے لیے خم ٹھونک کر نکلے اور آپ کو پریشانی میں ڈال دیا۔ یہ لوگ کفر کے ستون اور گمراہی کے علم ہیں۔ ان کی پامالی سے اسلام کو فروغ ہوگا اور مشرکین تباہ و سرنگوں ہو کر ختم ہو جائیں گے، ان کی گردنیں اڑانے میں تامل نہ فرمایئے!"

رسول کریم ﷺ نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو بھی خاموشی سے سنی اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت ابوبکر رض دوسری مرتبہ حاضر ہوئے پھر اسی سفارش کا اعادہ اور وہی قرابت و رحمت و شفقت کا واسطہ پیش کیا اور آخر میں ان کے اسلام لے آنے کی توقع ظاہر کی۔ ان کے ساتھ ہی عمر بن الخطاب رض کسی رعایت و رواداری کے بغیر اسی انداز میں مصروف گفتار رہے جیسے ترازو کے دونوں پلڑے رکھنے میں مشغول ہیں۔ جناب ابوبکر رض اور حضرت عمر رض (دونوں) جب اپنی اپنی سفارش عرض کر چکے تو رسول اللہ ذرا دیر کے لیے اپنے خیمے میں تشریف لے گئے، پھر باہر قدم رنجہ فرمایا۔ مسلمان فیصلہ سننے کے لئے چشم براہ ہی تھے۔ ان میں سے بعض حضرات ابوبکر رض کے ہم نوا اور کچھ لوگ عمر رض کی رائے سے متفق تھے۔ آنحضرت ا نے از سر نو مشورہ طلب فرمایا، تب بھی مسلمانوں نے پہلی ہی دونوں رائیں پیش کیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی ملائکہ و انبیاء سے تشبیہ

اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے دونوں صاحبوں کی تشبیہ فرشتوں اور نبیوں سے

دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میکائیل کے مشابہ ٹھہرایا جو اللہ کی طرف سے نبیوں کے لیے اس کی رضا وعفو کا پیغام لے کر آتا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام و جناب مسیح علیہ السلام کے ساتھ، اس تشبیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنی قوم کے لیے شہد سے زیادہ نرم وشیریں تھے مگر مشرکوں نے انہیں آگ میں جھونکنے سے بھی دریغ نہ کیا جس پر ابراہیم علیہ السلام نے انہیں صرف اتنی سی تنبیہ فرمائی:

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الانبیاء: ۶۷)

"تمہاری حالت کتنی ناقابلِ برداشت ہے، اور ان کی بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟"

حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (ان لوگوں کے لئے) یہ دعا بھی فرمائی:

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (ابراہیم: ۳۶)

"جو میرے پیچھے چلا (اور بت پرستی کی گمراہی میں نہ پڑا) وہ میرا ہوا اور جس نے میرے طریقہ سے نافرمانی کی (اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں اور) تو بخشنے والا رحمت فرمانے والا ہے"۔

اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تشبیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس پیرایہ میں ارشاد فرمائی کہ وہ اپنی قوم کی مغفرت کے لیے یوں مصروفِ تضرع رہے کہ:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ (المائدہ: ۱۱۸)

"(خداوندا!) اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، تجھے اختیار ہے اور اگر انہیں بخش دے تو تُو سب سے غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشابہت ملائکہ میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دی جو دشمنانِ خدا کے لیے اس کی طرف سے عذاب لے کر نازل ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں جنابِ نوح و حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کے ساتھ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے

رویہ سے گھبرا کر دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا O (نوح: ۲۶)

"اے پروردگار! روئے زمین پر کافروں کا جو گھر بھی ہو اُسے مٹی میں ملا دیا جائے"۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے عاجز آ کر یہ دعا کی:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ O (یونس: ۸۸)

"خدایا! ان کی دولت زائل کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ وہ اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں"۔

جنگ بدر کے بعد

غزوۂ بدر جس طرح مسلمانوں کے لئے ایک نئے دور کا آغاز تھا اس طرح ابوبکرؓ کی کتاب زندگی کا بھی ایک نیا ورق تھا۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں نے ایک نئے نہج سے اپنی سیاست کو مرتب کرنا شروع کیا۔ بدر کی فتح سے مسلمانوں کو بہت بڑی سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی تھی اور ان کے مخالفین کے دلوں میں ان کی جانب سے حسد اور غصے کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس فتح نے جہاں یہود کو چوکنا کر دیا تھا اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب مسلمان ان کے دست نگر بن کر نہیں رہ سکتے وہاں مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل کو بھی یہ فکر پیدا ہو گئی تھی کہ مبادا مسلمانوں کا رخ ان کی طرف پھر جائے۔ چنانچہ یہود اور مدینہ کے نواحی قبائل نے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔

ان امور کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ آپ ہر آن اور ہر لحہ سختی سے صورت حال کا جائزہ لیتے رہیں اور صحابہ سے مشورہ لینے کے بعد ان حالات کے مطابق اپنی پالیسی وضع کریں۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ آپ کے خاص الخاص مشیر تھے۔ ان دونوں کی طبیعتوں میں بے حد فرق تھا لیکن بہ ایں ہمہ دونوں نہایت مخلص اور رسول اللہ ﷺ کے جاں نثار تھے اور ہر مشورہ انتہائی غور و فکر سے دیتے تھے۔ ان مشوروں کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ

کے لئے راہ عمل متعین کرنے میں بہت آسانی رہتی تھی۔ ان دونوں کے علاوہ آپ دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنے مشوروں میں برابر شریک کرتے تھے جس کا اثر لوگوں پر بہت اچھا پڑتا تھا اور ہر شخص خیال کرتا تھا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کا اعتماد حاصل ہے اور آپ اسے بھی مشوروں میں شریک کر کے خدمت کا موقع عنایت فرماتے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ قریش کے بطن بنو ہاشم میں سے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ قریش کی ایک مختصر شاخ بنو تیم کے فرد تھے دونوں ایک برادری کے نہ تھے مگر سبقت فی الاسلام کے ناطے دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے اور دینی کاموں کے سوا سماجی اور معاشرتی دوائر زندگی میں بھی وہ ایک دوسرے سے خاصے خوشگوار تعلقات رکھتے تھے آپس میں وہ خیر خواہی تھی جو مومنین کو ہی ایک دوسرے سے ہوسکتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہ تعلقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے بھی قائم تھے اور حضورؐ کی وفات کے بعد بھی قائم رہے۔ ان میں مودت ومحبت کی یہ فضا برابر قائم تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد بھی جب کبھی اپنے ہاں یاد کیا تو نیکی سے ہی یاد کیا و کفیٰ باللہ شھیدا۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تابماند نام نیکت برقرار

غزوۂ اُحد میں ابوبکر صدیق ؓ حضور ﷺ کے محافظ کے طور پر

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی ظاہری ہزیمت پر دشمنوں کو رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ سے کس قدر خوشی حاصل ہوئی! ابوسفیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی کو مقتولین میں تلاش کرنے لگا۔ اس کے ہوا خواہوں کو سرور دو عالم ﷺ کی شہادت کا یقین اس لیے بھی ہوگیا کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسی آواز کانوں تک نہ پہنچ سکی جس سے شہادت کی تکذیب ہوتی ہو۔ لیکن مسلمانوں نے تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے

آپ کی زندگی کی اطلاع نہ کی۔ دوسرے یہ کہ اس اطلاع سے کافر ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ہمیں مغلوب ہونا پڑے گا۔ اتفاق سے حضرت کعب بن مالکؓ جب ابودجانہؓ کے دستہ کی طرف سے آگے بڑھے تو ایک چہرۂ گرامی پر نظر پڑی جس پر خود کے نیچے دونوں آنکھیں نور برسا رہی تھیں۔ کعبؓ نے پہچان لیا اور دفعۃً نعرہ لگایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ......

"اے مسلمانو! رسول اللہ ﷺ تو زندہ تشریف فرما ہیں۔"

کعبؓ جناب رسول اللہ ﷺ کے فرمانے پر بھی ضبط نہ کر سکے۔ مسلمانوں میں جس کے کان میں یہ آواز پڑی چشم زدن میں کعب کی آواز کی جگہ پر آ پہنچا۔ آخر رسول اللہ ﷺ کے ایماء سے یہاں سے ہٹ کر ایک پہاڑی گھراؤ میں چلے آئے۔ اس مقام پر جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے حصار میں رکھا ان میں دوسرے حضرات کے سوا جناب ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ اور زبیر بن العوامؓ بھی تھے۔ (حیات محمدؐ ...... محمد حسین ہیکل)

غزوۂ اُحد میں آپؓ کی ثابت قدمی

ابن سعد طبقات جز ثالث میں ذکر کرتے ہیں کہ:

كان في من ثبت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أُحدٍ حين ولى الناس. (قسم اول: ص ۱۲۴)

"یعنی اُحد کے دن جب لوگ میدانِ جنگ میں پریشانی کی حالت میں منتشر ہوئے ہیں تو حضرت صدیقؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے، حضور کا ساتھ نہیں چھوڑا۔"

حدیبیہ میں کفار کے نمائندے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تلخی

حدیبیہ کی مشہور لڑائی ذوالقعدہ ۶ھ میں ہوئی؛ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے، کفار مکہ نے ان کو عمرہ سے روکا اور لڑائی پر تیار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے

لئے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کفار کی جانب سے آئے جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے تھے، حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کر دو تو یہ ممکن نہیں، تم نے کبھی نہ سُنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گزرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب آ گئے تو یاد رکھو میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا' یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں، مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاس کھڑے تھے یہ جملہ سن کر غصہ میں بھر گئے اور ارشاد فرمایا کہ: ''امصص بظر اللات'' ''تو اپنے معبود لات کی پیشاب گاہ کو چاٹ! کیا ہم حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟'' عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں (رضی اللہ عنہ) انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک قدیمی احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عروہ پھر حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بات میں مشغول ہو گئے اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقع پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی، عُروہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ سر پر خود اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے، اُنہوں نے تلوار کا قبضہ عُروہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے کو رکھو، عُروہؓ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مُغیرہ! عُروہؓ نے کہا او غدار! تیری غداری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں۔

(حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت عروہؓ نے ادا کی تھی، اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض وہ طویل گفتگو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے رہے اور نظریں بچا بچا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا اندازہ بھی

کرتے رہے۔ چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور اُن کے آداب بھی دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے۔ اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اُس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے، جو بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلتی ہے اس کو پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، اُن کے وضو کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں زمین پر نہیں گرنے دیتے، اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر ہاتھ کو ہاتھ سے مل کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے، اُن کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے، اُن کے سامنے زور سے نہیں بولتے، اُن کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے، اگر اُن کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرکاً اُٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم و احترام کرتے ہیں۔

غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔

غزوۂ تبوک میں آپ رضی اللہ عنہ کا ایثار

غزوۂ تبوک ۹ھ کے ماہ رجب میں پیش آیا۔ گرمی شدید زوروں پر تھی اور مقابلہ شاہ روم ہرقل کے لشکر سے تھا جو نصرانیوں کے اس جھوٹے خط پر بہک گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ قحط سالی کی بناء پر بھوکوں مر رہے ہیں، عرب پر حملہ کیلئے یہ موقع نہایت بہتر ہے۔ ہرقل نے اپنے لشکر کو سال بھر کی تنخواہ میں بھی یک مشت ادا کر دیں اور چالیس ہزار سپاہی عرب کو فتح کرنے کے لئے بھیج دیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جونہی یہ خبر معلوم ہوئی آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دے دیا۔ ضروری تھا کہ آنے والے لشکر کو سرحد پر ہی روکا جائے۔ اس وقت موسم کی شدت اور مسلمانوں کے فقر و فاقہ اور بے سروسامانی کی بناء پر لشکر کی تیاری ہرگز آسان نہ تھی

لیکن دیوانگانِ عشق نے یہ مرحلہ بھی بخوبی طے کرلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چندہ طلب کرنے پر حضرت عثمان غنی ﷜ نے تین سو اونٹ بمع ساز وسامان اور ایک ہزار دینار لاکر آقا ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کردیئے۔ حضرت فاروقِ اعظم ﷜ نے گھر کا آدھا مال نچھاور کیا اور حضرت صدیق اکبر ﷜ سب کچھ سمیٹ کرلے آئے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر کے لئے کیا چھوڑا؟ تو جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں، یعنی بقولِ شاعر

پروانے کو ہے چراغ بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کیلئے ہے خدا کا رسولؐ بس

حضرت علی کو سیّدہ فاطمہؓ کے رشتہ کیلئے آمادہ کرنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی آمادہ کیا تھا اور آپ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اس بات کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تھے۔ مُلا باقر مجلسی لکھتا ہے:

ترجمہ: ''پس حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ کو کہا آؤ علیؓ کے پاس چلیں اور اسے آمادہ کریں کہ وہ حضورؐ سے حضرت فاطمہؓ کا رشتہ مانگیں حضرت علیؓ کو اگر یہ عذر ہوں کہ وہ غریب ہیں تو ہم ان کی مالی امداد کریں''۔

(جلاء العیون ص ۱۲۱ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۳۷)

یہ صرف نکاح کی ہی تجویز نہیں اس میں وہ خیر خواہی لپٹی ہے جو ایک برادری اور خاندان کو ایک دوسرے سے ہوتی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے کس جذبۂ ترحم سے بھرا پڑا تھا کہ ان کے لئے خاتونِ جنت کا رشتہ تجویز کیا اور اپنے مال وجان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے اس منزلت کی تمنا کی جو اس مبارک رشتے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی تھی۔

رسالتمآب ﷺ کی حضرت ابوبکرؓ پر نظر قدر

آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے اس جذبۂ خیر خواہی سے ناواقف نہ تھے جو انہیں اہل بیت رسالت کے بارے میں حاصل تھا، سو آپؐ نے بھی جہیز فاطمہؓ کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو ہی سربراہ بنایا اور انہیں ضروری رقم دی تاکہ سیدہ کے لئے شادی کی اشیاء خریدی جاسکیں۔

محمد بن حسن طوسی (۴۶۰ھ) نقل کرتا ہے:

ترجمہ:۔ ''پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے درہم لئے اور حضرت ابوبکرؓ کو دیئے اور کہا فاطمہؓ کے لئے کپڑے اور گھر کی چیزیں خرید لائیں اور ان کے ساتھ حضرت عمار بن یاسرؓ اور کئی دوسرے صحابہ کو بھیجا، یہ سب حضرات بازار گئے جو چیز مناسب تھی وہ دکھاتے رہے کوئی چیز نہ خریدتے جب تک وہ حضرت ابوبکرؓ کو نہ دکھادیں آپ اسے پسند کرتے تو وہ اسے خریدتے تھے''۔

ابن شہر آشوب (۵۸۸ھ) بھی لکھتا ہے:

وانفذ عماراً وابابکر وبلالاً لا بتیاع ما یصلحھا.

(مناقب ابن شھر آشوب جلد ۴ ص ۲۰)

ترجمہ:۔ ''اور آپ نے حضرت عمارؓ کو حضرت ابوبکرؓ کو اور حضرت بلالؓ کو ان چیزوں کی خرید کے لئے بھیجا جو حضرت سیدہ کو چاہیے تھیں''۔

سیدہ کے نکاح کی خبر اور حضرت ابوبکرؓ

حضرت علیؓ کی حضور ﷺ سے جب نکاح کی گفتگو ہو چکی اور آپ حضور ﷺ کے پاس سے آرہے تھے تو رستے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے آپ نے بتلایا کہ آپ کی حضرت فاطمہؓ سے رشتہ کی بات ہوگئی ہے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر اس کا جو اثر ہوا اسے حضرت علیؓ کی زبان مبارک سے سنئے:

ففرحا بذالک فرحا شدیدا ورجعا معی الی المسجد فما

تو سطناه حتی لحق بنا رسول الله وان وجهاء يتهلل سرورًا و فرحًا.

(المناقب للخوارزمی ص ۲۵۱،۲۵۲۔کشف الغمہ ج۱ص ۲۸۲،۲۸۳،۲۸۴۔بحار الانوار ج۱۰ص ۳۸)

ترجمہ:۔"سو یہ دونوں بہت زیادہ مسرور ہوئے اور دونوں میرے ساتھ مسجد میں آئے ہم مسجد کے درمیان بیٹھے تھے کہ ہمیں حضور اکرم ﷺ آملے اور آپ کا چہرہ بھی خوشی سے دمک رہا تھا"۔

جن حضرات کی حضور ﷺ نے مجلس نکاح میں شرکت چاہی

یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما راستے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملے تھے اور آپ کے نکاح کی خبر ملنے پر وہ خود ہی حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے تھے یہاں تک کہ تینوں حضرات مسجد میں آگئے اور پھر وہیں حضور ﷺ بھی آپہنچے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ حضور ﷺ جب اپنے گھر سے چلے تھے تو آنحضرت ﷺ اپنے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حکم دے کر چلے تھے کہ بارہ افراد کو اس مجلس نکاح میں آنے کی دعوت دو پانچ مہاجرین اور چھ انصار حضرت علیؓ سمیت کل بارہ ہو جائیں گے۔

علی بن عیسیٰ الاربلی (۶۸۷ھ) حضرت انس سے روایت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہا:

فانطلق فادع لی ابابكر وعمر وعثمان وعليا وطلحة و الزبير و بعددهم من الانصار۔ (کشف الغمه جلد ۱ ص ۳۷۱)

ترجمہ:"تو جا اور میرے لئے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور اتنی ہی تعداد میں انصار کو بلا لا"۔

یہ حضرات حضرت سیدہ کے نکاح کے گواہ بنے مہاجرین میں سے جو پانچ حضرات نکاح کے گواہ ہوئے افسوس ہے کہ شیعہ ان ہی میں سے چار کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ معاذ اللہ سب منافق تھے حاصل اس کا یہ نکلتا ہے کہ حضرت سیدہ اور حضرت علیؓ کو اپنے نکاح کے لئے مہاجروں میں سے ایک بھی مومن گواہ نہ مل سکا، آنحضرت ﷺ کی مکی برادری کا

یہی چھ حضرات سرمایہ تھے۔[1]

اور آپ نے حضرت سیدہ کے نکاح میں انہی کی شرکت چاہی تھی اور انہی کو بلانے کے لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور خدا کی قدرت دیکھئے کہ ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں چلے آرہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی یہ انتخاب تھا جن پر مشتمل حضرت عمرؓ نے اپنی کمیٹی بنائی تھی۔

صحابہ کس ترتیب سے زبانِ رسالت پر آئے

حضورؐ نے ان حضرات کو جب مجلس نکاح میں بلایا تو ترتیب وہ تھی جو آئندہ خلافت میں عمل میں آنے والی تھی (۱) ابوبکرؓ (۲) عمرؓ (۳) عثمانؓ (۴) علیؓ۔ کسے معلوم تھا کہ یہ حضرات اسی ترتیب سے خلفاء راشدین ہوں گے زبان رسالت پر یہ ترتیب یونہی نہ آگئی تھی جب یہ نکاح وحی الٰہی کے سائے میں ہو رہا تھا تو اس کے دیگر پہلو بھی امر الٰہی کے تحت ہی وقوع میں آرہے تھے۔ جب حضور ﷺ نے سیدہ ام کلثومؓ، حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دی تھی اس وقت بھی تو آپ کا عمل وحی الٰہی کے ہی تابع تھا۔[2]

حضرت علی ﷜ کی والدہ کی وفات پر شریکِ غم

سیدنا حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہؓ بنت اسدؓ کی وفات مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہوئی حضورؐ نے انہیں اپنی قمیض مبارک کفن کے لئے دی آپ اس کی قبر میں بھی اترے قبر میں میت کو کس کس نے اتارا؟ محدث طبرانی (۳۶۰ھ) روایت کرتے ہیں۔

ادخلھا اللحد ھو والعباس وابوبکر الصدیق.

(مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۵۷، جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۰۸)

---

[1] دو اور بزرگ بھی ان میں شامل ہیں۔ محب الدین الطبری (۶۹۴ھ) نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو بھی ان مدعوین میں ذکر کیا ہے۔ (ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ ص ۳۰)

[2] امام بخاری کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما زوجت أم کلثوم من عثمان إلا لوحی السماء" تاریخ کبیر جلد ۲ حصہ اول ص ۲۸۱ یعنی "میں نے اُم کلثوم عثمان کے نکاح میں وحی سماوی سے دی ہے"۔

ترجمہ:۔ ''حضرت علیؓ کی والدہ کو آپ ؐ نے حضرت عباسؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے قبر میں اتارا''۔

آنحضرت ﷺ، حضرت عباسؓ اور حضرت علی تو سب ہاشمی تھے، ایک بطن سے تھے حضرت ابوبکر تو ہاشمی نہ تھے قریش کے بطن بنو تیم میں سے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس انداز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قریب ہونا ان کے باہمی انس و مودت کا پتہ دیتا ہے، غم کے مواقع پر حقیقت بولتی ہے دل ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں غم کے لمحے منافقت کے سائے میں بسر نہیں ہوتے ان سے حقیقی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی وفات پر شریک غسل

حضرت سیدہؓ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ کو فکر تھی کہ آپ کا جنازہ کہیں بلا پردہ نہ اٹھایا جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا آپ کی تیمار دار تھیں، آپؓ نے حضرت سیدہؓ کو تسلی دی اور بتایا کہ میں نے حبشہ میں باپردہ چارپائی کا طریق دیکھا ہے اور حضرت سیدہ کے سامنے چارپائی پر چھپر کھٹ بنا کر دکھایا، آپ اس پر خوش ہوئیں، یہ آخری تبسم تھا جو خواتین نے خاتونِ جنت کے چہرہ پر دیکھا اور یہ فضیلت خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو ملی، آپ کا یہ جنازہ پھر اسی طرح رات کی تاریکی میں اٹھایا گیا اور رات کو ہی آپ کو دفن بھی کر دیا گیا۔

حضرت سیدہ کے غسل میں دو عورتیں شریک تھیں ایک خلیفہ وقت حضرت ابوبکرؓ کی بیوی اور دوسری سلمٰی جو حضورؐ کے غلام ابورافع کی بیوی تھی، حضرت علیؓ ان کی مدد کرنے والے تھے، اہل سنت تذکرہ نگاروں نے بی بی سلمٰی کے تذکرہ میں اس غسل فاطمہ کا ذکر بھی کیا ہے۔

(دیکھئے الاستیعاب لابن عبدالبر جلد ۴ ص ۳۲۲، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۷۸)

یاد رہے کہ شیعہ علماء نے بھی اس واقعہ غسل کا اعتراف کیا ہے۔

(دیکھئے کشف الغمہ ج ۲ ص ۶۱ طبع جدید)

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ امام اور مقتدی کے کردار میں

آیئے ان دونوں حضرات کو اب امام اور مقتدی کے کردار میں دیکھیں۔ حضرت علیؓ کس طرح حضرت ابوبکرؓ کی امامت کو تسلیم کرتے تھے۔

امام اور مقتدی میں جو جذبہ عقیدت اور رشتہ مودت قائم ہوتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ میں یہ مودت بھی قائم تھی حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ پانچ وقت کی نماز حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں پڑھتے تھے باہمی بات چیت بھی ہوتی اور آپ کبھی حضرت علیؓ سے حضرت سیدہ کی بیمار پرسی بھی کر لیتے۔ حضرت علیؓ کے شاگرد سلیم بن قیس الہلانی کی کتاب نجف اشرف میں چھپ چکی ہے اس میں ہے۔

وکان علیٌ یصلّی فی المسجد الصلوات الخمس فلمّا صلی قال له ابوبکر و عمر۔ کیف بنت رسول اللّٰہ الٰی ان ثقلت فسالا عنها.

(کتاب سلیم بن قیس ص ۲۲۴، ۲۲۵ مطبع حیدریہ نجف اشرف)

ترجمہ:۔ ”حضرت علیؓ پانچوں وقت کی نماز مسجدِ نبوی میں پڑھتے تھے، آپؓ جب فارغ ہوتے تو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ آپ سے حضرت سیدہؓ کا حال دریافت کرتے یہاں تک کہ آپ (حضرت فاطمہؓ) میں اٹھنے کی ہمت نہ رہی پھر بھی وہ آپ کے بارے میں پوچھتے رہے“۔

اس وقت کے معاشرے میں اس تصور کو راہ نہیں ملتی کہ آپ نماز پنجگانہ جماعت سے نہ پڑھتے ہوں اور مسجد میں بھی آتے ہوں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وھٰذا حق فان علیّ بن ابی طالب لم یفارق الصدیق فی وقت من الاوقات ولم ینقطع فی صلوٰۃ من الصلوٰات خلفهٗ.

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۹)

ترجمہ:۔ ”اور یہ حق ہے بیشک حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو کسی وقت بھی نہیں چھوڑا اور آپ نے ان کے پیچھے نمازوں میں کبھی علیحدگی

اختیار نہ کی"۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: آپ کے ساتھ نمازوں میں آپ کی موجودگی آثار میں موجود ہے۔

الاثار من شهوده معه الصلوات. (البدایه جلد ۶ ص ۳۰۲)

احمد بن علی طبرسی کتاب الاحتجاج میں آپ کی نماز کا نقشہ یوں بیان کرتا ہے۔

قام وتهيا للصلوة وحضر المسجد وصلى خلف ابى بكر.

(کتاب الاحتجاج ص ۵۳)

"آپ کھڑے ہوئے نماز کا ارادہ کیا مسجد میں آئے اور ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔"

امارت سریہ

۶ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک فوجی دستے کا امیر بنایا گیا بنوفزارہ میں ایک عورت تھی جس کا نام تھا ام قرفہ.... اس عورت کا خاندان کثیر تعداد نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ ساری قوم اس عورت کو اپنا سردار تسلیم کرتی تھی۔ اس عورت ام قرفہ کو آنحضور ﷺ سے سخت عداوت تھی، آنحضور ﷺ کا نام سنتی تو دل کھول کر گالیاں دیتی تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! خبر آئی ہے کہ ام قرفہ اپنی قوم کو لڑائی کے لئے تیار کر رہی ہے اور مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ آنحضور ﷺ نے ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ وادی ہمراہ لے کر بنوفزارہ پر جا پہنچے بنوفزارہ کے لوگ لشکرِ اسلام دیکھ کر مقابلہ کی طاقت نہ لا کر بھاگ نکلے، ام قرفہ کو قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ رمضان شریف میں پیش آیا۔

حضرت ابوبکرؓ بطور امیر الحج

اس سال 9ھ ابوبکرؓ کی امارت میں حج ہوا۔ ابوبکرؓ مدینے سے تین سو حاجیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان کے ہمراہ رسول رضی اللہ عنہ لی اللہ علیہ وسلم نے بیس جانور قربانی کے ساتھ کئے تھے خود ابوبکرؓ پانچ جانور لے گئے تھے۔ اس سال عبدالرحمٰن بن عوف نے بھی

حج کیا اور قربانی لے گئے۔ ابو بکرؓ کے بعد رسول اللہ رضی اللہ عنہ لی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ ابن ابی طالب کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔ علیرضی اللہ عنہ عرج میں ابو بکرؓ سے مل گئے علی رضی اللہ عنہ نے قربانی کے دن عقبہ میں ابو بکرؓ کو سورۂ براۃ پڑھ کر سنائی۔

سورۃ توبہ کا نزول

سُدّی سے مروی ہے کہ جب سورۂ براءۃ کی تقریباً چالیس آیتیں نازل ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابو بکرؓ کے ذریعے حج میں سنانے کے لئے بھیجا اور ان کو اس سال امیر حج مقرر کیا۔ مدینے سے روانہ ہو کر ابو بکرؓ ذی الحلیفہ کے قریب شجرہ آئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے وہ آیات ابو بکرؓ سے لے لیں۔ ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس چلے آئے اور پوچھا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا میرے متعلق کوئی بات وحی میں نازل ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا نہیں مگر میں نے چاہا کہ اس پیام کو صرف میں پہنچاؤں یا میرا کوئی اپنا۔ ابو بکرؓ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم غار میں میرے ساتھ رہے اور تم حوض کوثر میں میرے ساتھی رہو گے۔ ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں اس سے خوش ہوں۔ اس کے بعد ابو بکرؓ امیر الحج کی حیثیت سے مکے روانہ ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ سورۂ براءۃ کی اطلاع دینے کے لئے مکے آئے۔ قربانی کے دن انہوں نے اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد الحرام کے پاس نہ رہے اور کوئی شخص برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ نیز جس کے ساتھ رسول اللہ نے معاہدہ کیا ہے صرف اس کی مدت تک وہ معاہدہ جائز سمجھا جائے گا اس کے بعد منسوخ سمجھا جائے۔ اور یہ زمانہ کھانے اور پینے کا ہے اور اللہ تعالیٰ جنت میں مسلمان کے علاوہ کسی کو داخل نہیں کرے گا۔ علی رضی اللہ عنہ کی اس تقریر پر مشرکوں نے کہا کہ ہم خود تمہارے اور تمہارے چچا زاد کے عہد سے اپنی برأت کرتے ہیں اور اس کا جواب نیزے اور تلوار سے دیں گے۔ کہنے کو تو انہوں نے کہہ دیا مگر وہاں سے واپس آ کر مشرکین نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ تم نے یہ کیا کیا؟ تمام قریش مسلمان

ہو چکے ہیں اب تم کیا کر سکتے ہو۔ تم بھی اسلام لے آؤ۔

محمد بن کعب القرظی وغیرہ سے مروی ہے کہ 9 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو امیر الحج مقرر کر کے مکے بھیجا اور علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو سورۂ براءۃ کی تیس یا چالیس آیات دے کر مکے بھیجا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے سامنے پڑھ دیا جن میں چار ماہ کی مہلت مشرکین کو دی گئی تھی کہ اس مدت میں وہ مزید حرم میں رہ سکتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرفے کے دن یہ آیات لوگوں کو سنائیں اور بیس دن ذی الحجہ کے محرم، صفر، ربیع الاول اور دس دن ربیع الآخر کے ان کو مہلت دی۔ اس کے علاوہ وہ خود لوگوں کے گھروں میں اس حکم کو سنا دیا گیا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرے اور نہ کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے۔ اس سال صدقات فرض کیے گئے اور اس کے وصول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمال مختلف مقامات کو بھیجے۔ اس فرض کے متعلق کلام اللہ کی یہ آیت ''خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم'' (ان کے اموال میں سے صدقہ لو تا کہ وہ پاک ہو جائیں)۔ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے واقعے کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

حضور ﷺ کی انگوٹھی پر ''محمد رّسول اللہ'' لکھوانے کا فیصلہ

روی عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انه دفع خاتمة الٰی ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه فقال: اکتب فیه لا الٰه الا اللّٰه، فدفعهٔ الی النقاش وقال: اکتب فیه لا الٰه الا اللّٰه محمد رّسول اللّٰه، فکتب النقاش فیه ذالک، فاتی ابوبکر رضی اللّٰه عنه بالخاتم الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فرای النبی صلّی اللّٰه علیه وسلم فیه لا اله الا اللّٰه محمد رّسول اللّٰه، ابوبکر الصدیق. فقال یا ابابکر، ما هذه الزوائد؟ فقال ابوبکر: یا رسول اللّٰه ما رضیت ان افرق اسمک عن اسم

اللّٰہ، واما الباقی فما قلتہٗ وخجل ابوبکر رضی اللہ عنہ، فجاء جبریل علیہ السلام وقال: یا رسول اللہ اما اسم ابی بکر فکتبتہ انا لأنّہٗ ما رضی ان یفرق اسمک عن اسم اللّٰہ فما رضی اللّٰہ ان یفرق اسمہٗ عن اسمک۔

ترجمہ:۔ ''ایک مرتبہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگوٹھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی اور فرمایا کہ اس پر لا الٰہ الا اللہ لکھوا لاؤ، آپ رضی اللہ عنہ نے وہ انگوٹھی نقاش کو دی اور اس سے کہا کہ اس پر لا الٰہ الا اللہ محمد رّسول اللہ لکھ دو۔ چنانچہ نقاش نے مذکورہ کلمہ لکھوا دیا اور آپؓ انگوٹھی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انگوٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انگوٹھی کو دیکھا تو اس میں لا الٰہ الا اللہ محمد رّسول اللہ لکھا ہوا تھا اور ساتھ ہی ''ابوبکر الصدیق'' بھی لکھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوبکر یہ کیا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ اللہ کی وحدانیت کا تذکرہ ہو اور آپ کی رسالت کا تذکرہ نہ ہو، اس لئے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رّسول اللہ میں نے لکھوایا ہے اور اس سے آگے کے الفاظ کا مجھے کوئی علم نہیں۔ اتنے میں جبرائیل امین حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام میں نے لکھا ہے۔ اور یہ اس لئے لکھا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ کی وحدانیت کا تذکرہ ہو اور آپ کی رسالت کا تذکرہ نہ ہو تو پھر اللہ بھی یہ بات پسند نہیں کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا تذکرہ ہو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صداقت کا تذکرہ نہ ہو۔'' (تفسیر مفاتح الغیب المعروف بتفسیر الکبیر ص ۱۴۱)

حجۃ الوداع

ہجرت کے دسویں سال رسول اللہ ﷺ خود حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کیونکہ یہ آپ کا آخری حج تھا۔ آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ازواج مطہرات بھی تھیں۔ اس موقع پر عرفات کے میدان میں مسلمانوں کا بے نظیر اجتماع منعقد ہوا۔ یہی جگہ تھی جہاں کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تک سننے کو تیار نہ ہوتا تھا لیکن آج اسی جگہ ایک لاکھ سے زائد اشخاص آپ کی اونٹنی کے گرد سر جھکائے مودبانہ کھڑے تھے اور انتہائی خاموشی سے آپؐ کے روح پرور ارشادات سن رہے تھے۔

حج سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ مدینہ آئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ آپؐ نے شام پر فوج کشی کرنے کے لئے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ جس کا سردار آپؐ نے اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کو بنایا اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جن میں ابوبکرؓ و عمرؓ شامل تھے، لشکر کے ساتھ جانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ یہ لشکر مدینہ کے ایک قریبی مقام جرف ہی تک پہنچا تھا کہ رسول ﷺ کی علالت کی خبر آئی۔ یہ سن کر لشکر نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور وہ آپ کی زندگی میں شام روانہ نہ ہو سکا۔

مرضِ وفات و امامتِ ابی بکر رضی اللہ عنہ

11ھ کے ماہِ صفر کی 28 ویں تاریخ کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بیمار ہوئے۔ چونکہ اس بیماری سے آنحضورؐ جانبر نہ ہو سکے تھے اس لئے اس کو مرضِ وفات کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جب تک آپ کے جسم مبارک میں طاقت تھی خو مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے رہے، لیکن جب بدنی طاقتوں نے جواب دے دیا تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامتِ نماز کا حکم دیا۔ عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں ہیں۔ مگر سیرت نگار حضرات میں سے جو صاحب تحقیق ہیں ان کا کہنا ہے کہ اکیس نمازیں صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ نے بحکم پیغمبر لوگوں کو پڑھائی ہیں۔ ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں افاقہ کے رونما ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں پہلو میں بیٹھ کر تمام لوگوں کو خود نماز پڑھائی۔ اس صورت میں حضورؐ امام بن گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقتدی بن گئے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جہر سے نماز پڑھا رہے تھے، اس لئے آپؐ نے قرأت وہاں سے شروع کی جہاں تک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہنچ چکے تھے۔ اور ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی جس میں حضورؐ نے پردہ اٹھا کر مسلمانوں کی جماعت کا نظارہ کیا تھا اور قلبی خوشی کے سبب سے دندان مبارک ظاہر ہو گئے تھے اور نبوی تجلی سے صفیں درہم برہم ہونے کو تھیں کہ پردہ ڈال دیا اور آپؐ واپس بستر شریف پر تشریف لے گئے۔ اور ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں آنحضورؐ مسجد شریف جا کر جماعت میں شامل ہوئے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بدستور امام جماعت رہے ہیں۔

عن عائشة قالت صلّی رسول الله صلی الله علیه وسلم خلف ابی بکر قاعدا فی مرضه الذی مات فیه

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں جس میں وفات ہوئی ابوبکرؓ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی''۔

نوٹ:۔ البدایہ والنہایہ کے صفحہ مذکورہ پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت موجود ہے، اور صاحب سیرت حلبیہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

''یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض وفات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے اقتداء کر کے تین دفعہ نماز پڑھی اور اس بات کا انکار وہی شخص کرے گا جو علم روایات سے جاہل ہو۔''

(سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۸۷)

حضور ﷺ کی نظروں میں حضرت ابوبکر ؓ کا استحقاقِ امامت

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا امامت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے اس قدر اہتمام حکمت سے خالی نہیں، اس امامت کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جب اس کے ساتھ ساتھ قلم ودوات کے ارشاد نبوت کو بھی سامنے رکھ لیا جائے، اہل علم حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے کہ قلم ودوات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمائی جب ایک خادم نے گذارش کی کہ ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے، تو دوسری طرف مطالبہ نہیں فرمایا، بلکہ تین دن تک اور زندہ رہے اور دوبارہ تذکرہ بھی نہ کیا اور امامت کے معاملہ میں تاکیدات پر تاکیدات ہوری تھیں۔ اتفاقاً مرض وفات ہی کے ایام میں کسی ایک نماز کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب سے کہہ دیا کہ تم نماز پڑھا دو، حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت شروع کی تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سنتے ہی فرمایا نہیں نہیں نہیں ابوقحافہ کے بیٹے کے علاوہ کوئی امامت نہ کرائے، چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت نماز توڑ دی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا کر مصلے پر کھڑا کیا۔

ایک دن آنحضورؐ نے اپنی اسی بیماری میں عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ نماز صبح پڑھ لیں، اور چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے، عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے کہہ دیا کہ تم لوگوں کو نماز پڑھا دو، پس جب آنحضورؐ نے عمر ؓ کی آواز سنی تو حجرہ شریفہ سے اپنا سر مبارک نکالا اور تین دفعہ فرمایا نہیں، نہیں، نہیں نماز ابوقحافہ کے بیٹے کے سوا کوئی نہ پڑھائے پس صفیں ٹوٹ گئیں، اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نماز سے ہٹ گئے پھر لوگ وہاں ہی ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ابوقحافہ کا بیٹا آیا اور نبوی مصلے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔"

یہ واقعہ غیر معمولی ہے!

مرض الوفات کی امامتِ صدیق رضی اللہ عنہ کا معمولی اور سرسری نگاہوں سے ہرگز نہ دیکھیں، اس میں سینکڑوں حکمتیں پوشیدہ ہیں، ہزاروں سربستہ راز ہیں جنہیں ابھی تک کسی اہلِ علم نے چھوا تک نہیں تمامی اہلِ اسلام کا جب یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ امامتِ نماز کے لئے سب سے اعلم کی ضرورت ہے، تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ اعلم الناس تسلیم کرلیا جائے، اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ قرآنِ حکیم جس کو سب سے زیادہ محفوظ ہو اس کو امام بنانا چاہیئے۔ تو پھر کیوں نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآنِ حکیم کا سب سے بڑا حافظ تسلیم کیا جائے؟ نیز مانی ہوئی بات ہے کہ امامت کے لئے موزوں وہ شخص ہوتا ہے جو سب زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو تو بنا بریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ اورع الناس تسلیم کیا جائے؟ اور جس کی اقتداء تمام پیغمبروں نے کہ بلکہ ہزاروں سال جس کی اقتداء کی تمنا پیغمبرانِ خدا کے قلوب میں موجزن رہی وہ جس کی اقتداء کرے اس کی شان کے کیا کہنے؟ پوچھا جاتا ہے کہ افضلیت کے عقیدے کے دلائل کیا ہیں؟ اگر کوئی صاحب بصیرت اور اطلاع اسی امامت میں غور کرے تو اطمنانِ قلب کی دولت سے نالا مال ہوسکتا ہے۔

وفاتِ نبوی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استقلال واستقامت

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم 12 ربیع الاول 11ھ سوموار کے دن پہلے پہر فوت ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

13-12 ربیع الاوال دو دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوتی رہی 14 ربیع الاول بدھ کی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو امیر مقرر کرنے کی ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور اطاعتِ امیر کے لئے آپ کے ارشادات بے شمار ہیں کتب حدیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی بغیر امیر کے کوئی زندگی نہیں ہے، یہاں تک کہ آپ نے دو مسلمانوں کو بھی سفر میں امیر مقرر کرنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ 2 میں

سے ایک کو امیر مقرر کرنا ضروری ہے۔ جن لوگوں کو آپ نے زندگی بھر امیر مقرر کرنے کی اس قدر تاکید کی تھی وہ آپ کے انتقال کے وقت اس فریضہ سے کب غافل ہو سکتے تھے؟ بالخصوص جب اس بات کو بھی ذہن میں رکھ لیا جائے کہ عرب کے بدوی قبائل اور ان کے سردار ابھی تک پورے پورے مسلمان نہیں ہوئے تھے، اسلام کی تعلیم ابھی تک ان کے رگ وریشہ میں پیوست نہیں ہوئی تھی اور پرانی جاہلیت کی آزادی کی لہر کچھ نہ کچھ ان کے دماغوں میں باقی تھی۔ اس لئے خطرہ تھا کہ حضور کی وفات کی خبر کے منتشر ہوتے ہی کہیں بغاوت نہ ہو جائے، جس پر قبضہ پانا نظم ونسق کے بغیر ناممکن ہو جاتا ہے، اور نظم ونسق قائم کرنا بغیر قوتِ حاکمہ کے دشوار بلکہ محال ہوتا ہے۔ پس اس میں تاخیر کی گنجائش نہ تھی۔ اور دفن پیغمبر میں دیر کرنے سے کوئی دینی یا دنیاوی نقصان رونما ہونے والا نہ تھا۔ تدفین میں جو عجلت کی روایات آئی ہیں، ان کی وجہ باتفاق علماء کرام لاش میں تغیر وتبدل ہے اور چونکہ آنحضور کا جسدِ مبارک اس خطرہ سے محفوظ تھا اس لئے تدفین میں عجلت کی کوئی ضرورت نہ تھی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاسیات میں جہاں پہنچتے ہیں وہاں تک رسائی آدم کے تمام فرزندوں کے لئے کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آپ جو اعلان کر رہے تھے کہ حضور فوت نہیں ہوئے اور جو کوئی ایسی بات کہے گا میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ قبائلِ عرب کے سرداروں کو حضور کی وفات کا امیر کے انتخاب سے پہلے علم نہیں ہونا چاہئے، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب انتخابِ خلیفہ کے بعد فرما رہے تھے کہ میں نے جو بات کل کہی تھی وہ نہ تو قرآن میں تھی اور نہ ہی وہ بات مجھے خدا کے رسول نے فرمائی تھی، مطلب یہ تھا کہ وہ ایک سیاسی بات تھی۔

اجتماعِ ثقیفہ اور خلافتِ ابوبکر صدیق ؓ

وفاتِ نبویؐ کے ساتھ ہی ثقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماعِ صحابہ ہوا، بعض انصار نے کہا کہ خلیفہ انصار میں سے ہونا چاہئے، اور بعض مہاجرین نے کہا کہ خلیفہ مہاجرین میں سے ہونا چاہئے، اور کسی نے کہا کہ دو امیر ہوں گے، ایک مہاجرین میں سے اور دوسرا انصار میں

سے۔ ابھی پختہ اور فیصلہ کی بات نہیں ہوئی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث پیش کی جس کا مضمون یہ تھا کہ میرے بعد میرے خلیفے قریش میں سے ہوں گے۔ اس حدیث کا مجمع میں آنا تھا کہ سب اختلاف ختم ہو گئے، اس حدیث کے انکار میں کسی کے منہ سے ایک حرف بھی نہ نکلا جب حدیث تسلیم کر لی گئی تو آپ ہی نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور عمرؓ بن الخطاب کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہو امیر مقرر کر لو، مگر حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں نے متفقہ طور پر کہا کہ جس کو خدا تعالیٰ نے ثانی اثنین کا لقب دیا اور جس کو خدا کے رسول نے اپنے مصلے پر کھڑا کیا ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی کیا مجال کہ بیعت لے لے؟ یہ کہا اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کر دی۔ بس پھر کیا تھا تمام مجمع ٹوٹ پڑا اور حاضرینِ مجلس میں سے کوئی بھی بیعت کئے بغیر نہ رہ گیا۔ صرف ایک سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت نہ کی مگر چونکہ وہ بدری نہ تھے اس لئے اس بات کی پرواہ نہ کی گئی۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا رجوع بھی ثابت ہے جیسا کہ البدایہ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

خدا کی قسم اے سعد! تو جانتا ہے کہ خدا کے رسول نے اس وقت فرمایا جبکہ تو آپؐ کے پاس بیٹھا تھا کہ اس حکومت کے والی قریش میں سے ہوں گے، پس اچھے لوگ قریش میں سے نیکوکار کی تابعداری کریں گے اور بدکار لوگ قریش میں سے بدکار کی تابعداری کریں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے ابوبکرؓ! تو نے سچ کہا، ہم وزیر رہا کریں گے اور تم لوگ امیر رہو۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے سردار تھے، انصار میں ان کی بڑی عزت تھی سخاوت انہیں میراث میں ملی تھی، خدا کی قدرت کہ بدر کی جنگ میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ آپ کا مذکورہ بالا بیان جس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق ٹپک

رہی ہے، قرینِ قیاس ہے۔

سوال:۔ بخاری شریف میں آیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے نبی کریمؐ کی وفات سے چھ ماہ بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں بیعت کی تھی، اندریں صورت اجماعِ امت کہاں رہ گیا۔

جواب:۔ تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوموار ہی کے دن بیعت کر لی تھی جس کے پہلے پہر حضور ﷺ کی وفات ہوئی تھی۔ حافظ ابنِ کثیرؒ کی تاریخ سے بھی ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفاتِ نبوی سے دوسرے دن یعنی منگل کے دن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

حضرت ابوبکر ﷺ کا حضرت زبیر ﷺ سے مکالمہ

پس حضرت ابوبکر مسجدِ نبوی میں منبر پر بیٹھے اور لوگوں کے چہروں پر نگاہ ڈالی تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا پس آپ کو بلا بھیجا وہ آ گئے تو فرمایا میں کہتا ہوں کہ آپ حضور کی پھوپھی کے بیٹے ہیں، کیا آپ کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کے اتفاق کو توڑ ڈالیں؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اے خدا کے رسول کے خلیفہ! اس طرح نہیں ہوگا۔ پس اسی وقت کھڑے ہو گئے اور بیعت کر لی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حاضرینِ مسجد میں نظر دوڑائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا، پس آپ کو بلا بھیجا، جب تشریف لائے تو فرمایا میں کہتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول کے چچا کے فرزند ہیں اور حضور کے داماد بھی ہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اتفاق ٹوٹ جائے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے خلیفۂ رسولِ خدا اس طرح نہیں ہوگا اور فوراً بیعت کر لی"۔

چھ ماہ والی روایت کی حقیقت

اس روایت نے خوب واضح کر دیا کہ مسجدِ نبوی میں دوسرے دن ہی حضرت علی

رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے برضا ورغبت بیعت کر لی تھی۔ باقی رہ گئی چھ ماہ والی روایت، تو شارحینِ حدیث نے اس کو تجدیدِ بیعت کے سلسلے میں داخل کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر شامی لکھتے ہیں کہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ کے یہاں وفاتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد بیعت کی تھی تو وہ دوسری بیعت تھی۔"

چونکہ چھ ماہ والی حدیث بہت سی روایات کے خلاف ہے اور اربابِ تاریخ بھی اس کے خلاف ہیں، اس لئے بعض محققین نے اس کے ضعف کا قول کیا ہے اگرچہ یہ روایت صحیحین میں ہے:

(ترجمہ) "اور چھ ماہ والی روایت کی کمزوری کی تائید کرتی ہے یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں نبی کریم ﷺ کی وفات سے چھ دن بعد حضور کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا آگے چلو اے خلیفۂ رسولِ خدا! اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ ایسے مرد کے آگے چلوں جس کے حق میں خدا کے رسولؐ سے سن چکا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ کا اور میرا تعلق وہ ہے جو میرا اور میرے رب کا تعلق ہے۔"

یعنی اس کا مجھ سے اخلاص ہر شبہ سے بالا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"تمام صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اس لئے اتفاق کر لیا تھا کہ اس آسمان کے نیچے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی انہیں دستیاب نہ تھا"۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور نماز جنازہ رسولِ مقبول ﷺ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب تعیین خلیفہ کے فریضہ سے فارغ ہو گئے تو نماز

جنازہ کی طرف متوجہ ہوئے تمام مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ اس نماز میں امامت کے فرائض انجام دیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ آنحضورؐ زندگی میں امام تھے اب موت کے بعد بھی وہی امام ہیں کسی دوسرے امام کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ حجرۂ شریفہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے طے پایا کہ دس دس آدمی حجرہ میں داخل ہو کر نماز پڑھتے جائیں اور نکلتے جائیں۔ پہلی صف جو اس نماز کے لئے حجرہ شریفہ میں بنی اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے، سب نے چار تکبیروں سے آنحضورؐ پر نماز جنازہ پڑھی۔

صاحب سیرت حلبیہ نے تنہا دعویٰ کیا ہے کہ آنحضور کی نماز جنازہ بلا امام یعنی تنہا تنہا پڑھے جانے پر تمام مؤرخین کا اجماع ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور تدفین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

جب تمام مسلمان کیا مرد کیا عورتیں کیا بوڑھے کیا جوان کیا آزاد کیا غلام نماز جنازہ سے فارغ ہو چکے تو دفنِ رسولؐ کے لئے مشورہ کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کے رسول جہاں فوت ہوتے ہیں وہاں ہی دفن کیے جاتے ہیں، میں نے یہ بات خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ پس تمام صحابہ کرام نے اس بات کو تسلیم کر لیا اور حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں آنحضور کو صبح صادق ہونے سے پہلے دفن کر دیا گیا۔ ہر ایک قاعدے سے کچھ نہ کچھ مستثنیات ہوتے ہیں۔ دفنِ انبیاء علیہم السلام کے مذکورہ بالا قاعدے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ آپ اور بہت سی باتوں میں دوسرے پیغمبروں سے جدا ہیں اسی طرح دفن کے لئے مسئلہ میں بھی جدا ہیں۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بر کی جگہ حضور کے پاس معین ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی موت کسی دوسری جگہ پر ہوگی چاہے مدینہ شہر میں ہو اور چاہے مدینہ سے باہر ہو۔

تجہیز و تکفین اور تدفین کا بیان

جب لوگ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے فارغ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اتحاد قائم رکھا اور ان سے شیطان کے مکر کو دور کیا، تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔

ابن اسحاق، عبداللہ بن ابی بکر اور حسین بن عبداللہ وغیرہ رضی اللہ علیہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو غسل دینے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، قثم بن عباس رضی اللہ عنہ، شقران رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ بدری صحابی اوس رضی اللہ عنہ بن خولی ان کے ساتھ شریک تھے انہوں نے غسل دیتے وقت آپ کو اپنے سینے کا سہارا دیا تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ، فضل رضی اللہ عنہ، قثم بن عباس رضی اللہ عنہ اور اوس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے جسم کو الٹتے پلٹتے تھے۔ اسامہ بن زید اور شقران رضی اللہ عنہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علی آپؐ کے بدن کو دھوتے تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنے سینے کی ٹیک دی۔ آپؐ کے بدن کو آپ کی قمیص کے ساتھ ملتے تھے اور آپ ﷺ کے ننگے بدن پر ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

غسل دیتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے میرا ماں باپ آپؐ پر قربان ہو، آپؐ زندگی اور وفات کے بعد کتنے صاف ستھرے اور پاکیزہ ہیں؟...... چنانچہ آپؐ کے جسم پر کسی طرح کی آلائش کا نام ونشان نہیں تھا!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے لگے، تو صحابہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس امر میں کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم آپؐ کے کپڑے اتار دیں یا نہیں؟

جب ان میں اختلاف رونما ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی۔ نیند کی وجہ سے ہر آدمی کو ٹھوڑی اس کے سینہ سے جا لگی۔ پھر انہیں مکان کے ایک کونے سے آواز سنائی

دی۔ معلوم نہیں یہ آواز کس کی تھی کہ "آنحضرت ﷺ کو ان کے کپڑوں میں غسل دو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کی قمیص میں آپ کو غسل دیا۔ قمیص پر پانی ڈالتے، اور اسی کے ساتھ آپؐ کے جسم کو ملتے تھے۔ جب غسل دے چکے تو آپ ﷺ کو کفن پہنایا گیا۔ دو سفید اور ایک دھاری دار چادر میں آپ ﷺ کو لپیٹ دیا گیا۔

تدفینِ نبوی ﷺ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا "قولِ فیصل"

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب آپؐ کے لئے قبر تیار کرنے کا وقت آیا تو لحد میں یا شق میں اختلاف ہوا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اہلِ مکہ کی طرح شق بناتے تھے اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ والوں کے لئے لحد کھودتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دو آدمی بلائے، ایک کو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اور دوسرے کو ابو طلحہ کی طرف بھیجا، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: "الٰہی ان دونوں طریقوں میں سے جو طریقہ افضل ہے اس کو اپنے رسول ﷺ کے لئے پسند فرما!"

جو آدمی ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف گیا تھا وہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو پہلے لے آیا، اس لئے انہوں نے آپؐ کے لئے لحد تیار کی۔ جب غسل اور کفن کا کام پورا ہو گیا تو منگل کے دن آپ ﷺ کی چارپائی گھر میں رکھی گئی۔ آپ ﷺ کے دفن میں بھی اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا آپ کو مسجد میں دفن کیا جائے۔ بعض نے کہا آپ کو صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے، آپؐ فرماتے تھے نبی جس جگہ فوت ہوتا ہے اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے۔" چنانچہ آپ کی چارپائی اٹھائی گئی جس پر آپؐ فوت ہوئے تھے اور اس جگہ آپؐ کی قبر کھودی گئی۔ پھر مرد آپؐ کے آخری دیدار اور جنازہ کے لئے جماعت در جماعت مکان میں داخل ہونے لگے۔ جب مرد ختم ہو گئے تو عورتیں جماعت در جماعت داخل ہوتی تھیں۔ جب عورتیں ختم ہوئیں تو بچوں کی باری آئی۔

ایک جماعت کی صورت میں کسی نے آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہمیں آپؐ کے دفن کا اس وقت یقین ہوا، جب ہم نے بدھ کی رات قبر کھودنے کے لئے کسیوں کی آواز سنی۔ آپ ﷺ کی قبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، عباس رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے فضل رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ، آپؐ کے غلام شقران رضی اللہ عنہ اور اوس رضی اللہ عنہ بن خولی اترے تھے۔ آپؐ کے نیچے وہ چادر بچھائی گئی جسے آپ عموماً پہنتے اور نیچے بچھا کر سوتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "سب سے پیچھے قثم ﷛ آپ ﷺ کی قبر سے باہر نکلے!"

چوتھا باب

اپنے دورِ خلافت میں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے

جب آقائے کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم امرِ الٰہی کے تحت اس دنیائے فانی سے انتقال فرما گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وجودِ مسعود ایک شجر سایہ دار کی حیثیت سے امت کے سر پر کھڑا ہو گیا، اور مسلمانوں کے سیاسی وسماجی دینی و مالی امور کے متولی و سرپرست کے طور پر ناقابلِ فراموش خدمات سرانجام دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سوا دو سالہ دورِ خلافت میں آپ کے پائیدار فیصلوں کی تابناک جھلکیاں......

خلیفہ رسول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیانات

کمزور کو طاقتور سے حق دلوانے کا عزم

(۱) حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے لوگوں میں بیان فرمایا پہلے اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا اما بعد! اے لوگو! مجھے آپ لوگوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے حالانکہ میں آپ لوگوں سے بہتر نہیں ہوں اور اب قرآن نازل ہو چکا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں بیان فرما چکے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ سب سے بڑی عقلمندی تقویٰ ہے اور سب سے بڑی حماقت فسق وفجور ہے اور جو تم لوگوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہے اور وہ طاقت کے زور سے کمزوروں کے حق دبا لیتا ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے میں کمزور کو اُس طاقتور سے اُس کا حق دلوا کر رہوں گا اور جو تم میں سب سے زیادہ کمزور ہے (جس کے حق طاقتوروں نے دبا رکھے ہیں) وہ میرے نزدیک طاقتور ہے میں اُس کے حق طاقتوروں سے ضرور لے کر دوں گا۔ اے لوگو! میں تو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا) اتباع کرنے والا ہوں اور اپنی طرف سے گھڑ کر نئی باتیں لانے والا نہیں ہوں۔ اگر میں اچھے کام کروں تو آپ لوگ ان میں میری مدد کریں اور اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھے سیدھا کر دیں میں اپنی بات اسی پر ختم کرتا ہوں اور اپنے لئے اور آپ لوگوں کے لئے اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

(کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۳۰)

سب سے بڑی عقلمندی تقویٰ ہے

(۲) حضرت عبداللہ بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت ہوگئی تو وہ منبر پر تشریف لے گئے اور منبر پر جہاں نبی کریم ﷺ بیٹھا کرتے تھے اُس سے ایک سیڑھی نیچے بیٹھے۔ پہلے اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا اے لوگو! اچھی طرح سے سمجھ لو کہ سب سے بڑی عقلمندی تقویٰ ہے (اس کے بعد پچھلی حدیث جیسا مضمون ذکر کیا اور آخر میں اس مضمون کا اضافہ کیا کہ) اپنے نفس کا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ اللہ کی طرف سے کیا جائے اور جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دے گی ان پر اللہ تعالیٰ فقر مسلط کر دیں گے اور جس قوم میں بے حیائی عام ہو جائے گی اللہ تعالیٰ ان سب پر مصیبت بھیجیں گے لہٰذا جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں تم لوگ میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو پھر میری اطاعت تمہارے ذمہ نہیں ہے۔ میں اپنی بات اس پر ختم کرتا ہوں اور اپنے لئے اور آپ لوگوں کے لئے اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

میں عام انسان ہوں تم میری نگرانی رکھو

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ پچھلی حدیث کا کچھ مضمون ذکر کرتے ہیں اور یہ جو حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد ہے کہ سب سے بڑی حماقت فسق و فجور ہے اس کے بعد یہ اضافہ کرتے ہیں غور سے سنو! میرے نزدیک سچ بولنا امانتداری ہے اور جھوٹ بولنا خیانت ہے اور اسی طرح حضرت حسنؒ نے حضرت ابوبکرؓ کے فرمان کہ "میں آپ لوگوں سے بہتر نہیں ہوں" کے بعد یہ کہا کہ اللہ کی قسم، حضرت ابوبکرؓ ان سب سے بہتر تھے اور اس بات میں کوئی ان سے مزاحمت کرنے والا نہیں تھا لیکن مومن آدمی یوں ہی کسرنفسی کیا کرتا ہے اس کے بعد حضرت حسنؒ نے یہ بھی نقل کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میری تو دلی تمنا ہے کہ آپ لوگوں میں سے کوئی آدمی اس خلافت کا بوجھ اٹھا لیتا اور میں اس ذمہ داری سے بچ جاتا حضرت حسنؒ

کہتے ہیں اللہ کی قسم! حضرت ابوبکرؓ نے یہ تمنا والی بات سچے دل سے کہی تھی (وہ واقعی خلیفہ نہیں بننا چاہتے تھے) پھر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اگر تم لوگ یوں چاہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے اپنے نبی ﷺ کو سیدھے راستے پر لے آیا کرتے تھے اسی طرح مجھے بھی لے آیا کریں یہ بات تو مجھے حاصل نہیں ہے میں تو عام انسان ہی ہوں اس لئے تم لوگ میری نگرانی رکھو۔ (بیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۵۳)

مجھے خلافت کی خواہش نہیں تھی

(۴) حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا غور سے سنو! اللہ کی قسم! میں آپ لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں اور میں اپنے لئے اس مقام خلافت کو پسند نہیں کرتا تھا مجھے اس کی خواہش نہیں تھی بلکہ میری خواہش تھی کہ آپ لوگوں میں سے کوئی میرے بجائے خلیفہ بن جاتا کیا آپ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ میں آپ لوگوں میں بعینہ حضور ﷺ والے طریقہ پر عمل کرلوں گا؟ تو یہ خیال بالکل غلط ہے میں ایسا نہیں کرسکوں گا کیونکہ حضور ﷺ کی تو وحی کے ذریعہ ہر غلط بات سے حفاظت ہو جاتی تھی اور انہیں تو عصمت خداوندی حاصل تھی اور ان کے ساتھ خاص فرشتہ ہر وقت رہتا تھا میرے ساتھ تو شیطان لگا ہوا ہے جو میرے پاس آتا رہتا ہے جب مجھے غصہ آجائے تو مجھ سے بچ کر رہنا کہیں میں آپ لوگوں کی کھالوں اور بالوں پر اثر انداز نہ ہو جاؤں غور سے سنو آپ لوگ میری نگرانی رکھو اگر میں سیدھا چلوں تو میری مدد کرنا اور اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھے سیدھا کردینا حضرت حسنؒ کہتے ہیں یہ ایسا زبردست بیان تھا کہ اللہ کی قسم! اس کے بعد ویسا بیان تو کبھی ہوا ہی نہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ میں تو ایک عام انسان ہوں کام ٹھیک بھی کر لیتا ہوں اور غلط بھی ہو جاتے ہیں جب میں ٹھیک کام کروں تو آپ لوگ اللہ کی تعریف کریں کیونکہ اسی کے کرم سے کام ٹھیک ہوا اور جب غلط ہو جائے تو مجھے

سیدھا کر دینا۔

جس گوشت کی پرورش حرام مال سے ہو......!

(۴) حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک مہینہ بعد میں حضور ﷺ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا (اس کے بعد حضرت قیس نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا قصہ ذکر کیا اس کے بعد کہتے ہیں) تمام لوگوں کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع کرنے کے لئے یہ اعلان کیا گیا الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز مسجد نبوی ﷺ میں اکٹھے پڑھیں (مدینہ کی باقی نو مسجدوں میں سے کسی اور میں نہ پڑھیں) اور پھر جب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ اس منبر پر تشریف فرما ہوئے جو اُن کے بیان اور خطبے کے لئے بنایا گیا تھا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام میں حضرت ابوبکرؓ کا پہلا بیان تھا۔ انہوں نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا اے لوگو! میری آرزو تو یہ ہے کہ کوئی اور میری جگہ خلیفہ بن جائے اگر تم لوگ مجھ سے یہ مطالبہ کرو کہ میں عین تمہارے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق چلوں تو یہ میرے بس میں نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ تو معصوم تھے اللہ نے اُن کی شیطان سے مکمل حفاظت فرما رکھی تھی اور اُن پر آسمان سے وحی اُترتی تھی اور یہ دونوں باتیں مجھ کو حاصل نہیں ہیں اس لئے میں بالکل اُن جیسا نہیں ہو سکتا اور طبرانی کی ایک روایت جو عیسٰی بن عطیہ کے حوالے سے ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بیان میں فرمایا اے لوگو! لوگ اسلام میں خوشی اور ناخوشی دونوں طرح داخل ہوئے ہیں لیکن اب وہ سب اللہ کی پناہ اور اس کے پڑوس میں ہیں اس لئے تم اس کی پوری کوشش کرو کہ اللہ تم سے اپنی ذمہ داری کا کچھ بھی مطالبہ نہ کرے (یعنی کسی مسلمان کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچاؤ) میرے ساتھ بھی ایک شیطان رہتا ہے جب تم دیکھو کہ مجھے غصہ آگیا ہے تو پھر تم مجھ سے الگ ہو جاؤ کہ کہیں میں تمہارے بالوں اور

کھالوں کو تکلیف نہ پہنچادوں اے لوگو! اپنے غلاموں کی آمدنی کی تحقیق کر لیا کرو کہ حلال ہے یا حرام، اس لئے کہ جس گوشت کی پرورش حرام مال سے ہو وہ جنت میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔

مسکین لوگوں کی ہی مغفرت ہوتی ہے!

(۵) حضرت سعید بن ابی مریمؒ کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے پہلے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا اللہ کی قسم! اگر ہمارے ہوتے ہوئے تمہارے اجتماعی کاموں کے خراب ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں خود خلیفہ نہ بنتا بلکہ میں یہ چاہتا کہ جو تم میں سے مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہے اُس کی گردن میں اس امر خلافت کی ذمہ داری ڈال دی جاتی پھر اس کے لئے اس میں کوئی خیر نہ ہوتی غور سے سنو! دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہؓ کی طرف دیکھنے لگے پھر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم لوگ اپنی جگہ آرام سے بیٹھے رہو تم لوگ جلد باز ہو جو بھی کسی ملک کا بادشاہ بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے بادشاہ بنانے سے پہلے اس کے ملک کو جانتے ہیں اور بادشاہ بن جانے پر اُس کی آدمی عمر کم کر دیتے ہیں اور اُس پر خوف اور غم مسلط کر دیتے ہیں اور جو کچھ خود اس کے اپنے پاس ہے اُس سے اس کا دل ہٹا دیتے ہیں اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کا لالچ اس میں پیدا کر دیتے ہیں وہ چاہے کتنے اچھے کھانے کھائے اور عمدہ کپڑے پہنے لیکن اس کی زندگی تنگ ہوگی سکھ چین اُسے نصیب نہ ہوگا پھر جب اس کا سایہ ختم ہوتا ہے اور اُس کی جان نکل جاتی ہے اور اپنے رب کے پاس پہنچ جاتا ہے تو وہ اس سے سختی سے حساب لیتا ہے اور اُس کی بخشش کا امکان بہت کم ہوتا ہے بلکہ اُس کی بخشش ہی نہیں ہوتی۔ غور سے سنو! مسکین لوگوں کی ہی مغفرت ہوتی ہے غور سے سنو! مسکین لوگوں کی ہی مغفرت ہوتی ہے۔ غور سے سنو! مسکین لوگوں کی ہی مغفرت ہوتی ہے۔

(حیات الصحابہ بحوالہ کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۶۲)

اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھے سیدھا کرو!

(۶) حضرت عاصم بن عدیؒ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ کی وفات کے اگلے دن حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے ایک آدمی نے اعلان کیا کہ حضرت اُسامہؓ کے لشر کی روانگی کا کام مکمل ہو جانا چاہئے غور سے سنو! اب حضرت اُسامہؓ کے لشکر کا کوئی آدمی مدینہ میں باقی نہیں رہنا چاہئے بلکہ جرف میں جہاں ان کے لشکر کا پڑاؤ ہے وہاں پہنچ جانا چاہئے اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ لوگوں میں بیان کے لئے کھڑے ہوئے پہلے اللہ کی حمد وثناء بیان فرمائی پھر فرمایا: اے لوگو! میں تو تمہارے جیسا ہی ہوں مجھے معلوم تو نہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ تم لوگ مجھے اس چیز کا مکلف بناؤ جو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بس میں تھی اور میرے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں پر فوقیت عطا فرمائی تھی اور اُنہیں چنا تھا اور اُنہیں تمام آفات سے حفاظت عطا فرمائی تھی اور میں ان ہی کے پیچھے چلنے والا ہوں اپنی طرف سے نئی چیزیں گھڑنے والا نہیں ہوں اگر میں سیدھا چلوں تو تم میرے پیچھے چلو اور اگر میں ٹیڑھا چلوں تو تم لوگ مجھے سیدھا کر دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو اس وقت اُمت میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جو کوڑے کی مار یا اس سے بھی کم ظلم کا مطالبہ کر رہا ہو غور سے سنو! میرے ساتھ بھی ایک شیطان لگا ہوا ہے جو میرے پاس آتا رہتا ہے جب وہ میرے پاس آئے تو مجھ سے تم لوگ الگ ہو جاؤ کہیں میں تمہاری کھالوں اور بالوں کو تکلیف نہ پہنچا دوں۔ تم لوگ صبح اور شام اس موت کے منہ میں ہو جس کا تمہیں علم نہیں کہ کب آ جائے گی تم اس کی پوری کوشش کرو کہ جب بھی تمہاری موت آئے تو تم اُس وقت نیک عمل میں لگے ہوئے ہو اور تم ایسا صرف اللہ کی مدد سے ہی کر سکتے ہو لہٰذا جب تک موت نے مہلت دے رکھی ہے اُس وقت تک تم لوگ نیک اعمال میں ایک دوسرے سے

آگے بڑھنے کی کوشش کرو اس سے پہلے کہ موت آجائے اور عمل کرنے کا موقع نہ رہے کیونکہ بہت سے لوگوں نے موت کو بھلا رکھا ہے اور اپنے اعمال دوسروں کے لئے کر دیئے ہیں لہٰذا تم ان جیسے نہ ہو کوشش کرو اور مسلسل کوشش کرو اور (سستی سے کام نہ لو بلکہ) جلدی کرو اور جلدی کرو کیونکہ موت تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے جو تمہیں تلاش کر رہی ہے اور اس کی رفتار بہت تیز ہے لہٰذا موت سے چوکنے رہو اور آباؤ اجداد، بیٹوں اور بھائیوں کی موت سے عبرت حاصل کرو اور زندہ لوگوں کے ان نیک اعمال پر رشک کرو جن پر تم مردوں کے بارے میں رشک کرتے ہو یعنی دنیاوی چیزوں میں زندہ لوگوں پر رشک نہ کرو۔

حضرت ابوبکر ؓ کے خطبۂ خلافت کے اہم نکات

پہلا نکتہ

پہلی بات آپ نے یہ فرمائی، میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں۔ یعنی خود حاکم نہیں بنا اس کے لئے مجھے چنا گیا ہے۔ اسلامی سربراہ عوام کے انتخاب سے سامنے آتا ہے، تسلط اور طاقت سے نہیں۔ اسلام کا مزاج حکومت یہ ہے کہ جو کسی عہدے کا طالب ہوا اسے یہ ذمہ داری نہ دی جائے، ہاں کسی کے دل میں اس کی خواہش اور تمنا ہو تو اس پر قانون اور اخلاق کی کوئی گرفت نہیں حضور کی بیماری کے دنوں میں بعض بنی ہاشم خلاف کے خواہاں تھے لیکن انہوں نے اس سلسلہ میں زبان یا عمل سے کوئی قدم نہیں اٹھایا، اس سے نہ ان کے تقویٰ میں کوئی فرق آیا نہ اس سے ان کی شخصیت مجروح ہوئی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو اپنے لئے کبھی اس کا تصور بھی نہ کیا تھا، ردائے خلافت آپ کو پہنائی گئی تو آپ نے اعلان فرما دیا، میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں اور تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔

دوسرا نکتہ

دوسری لائق توجہ بات آپ کا یہ جملہ ہے کہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں یہ

بات سب کو معلوم ہے کہ آپ سب سے پہلے ایمان والوں میں سے تھے حضور کی خدمت میں اس طرح ساتھ رہے جیسے سایہ اصل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، حضور کی بیماری کے دنوں میں آپ کا نماز پڑھانا آپ کی علمی شان کی کھلی برہان ہے، قرآنِ کریم میں آپ کو ثانی اثنین میں ذکر کیا گیا، ان سب وجوہِ خیر کے باوجود آپ کا یہ کہنا کہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں، محض انکساری نہیں ایک دوررس تعبیر کا حامل ہے۔ یہ سب کمالات جو آپ کی ذات میں عطاء الٰہی تھے، یہ سب آپ کے ذاتی کمالات تھے جن میں سے کوئی بھی حکومت کی اساس نہیں بنتا۔ اگر کوئی شخص نیک ہے، نمازی ہے، تو یہ اس کی ایک ذاتی خوبی ہے ضروری نہیں کہ وہ حکومت کا بھی اہل ہو۔ اگر کوئی بڑا عالم ہے، قرآنِ کریم کا مفسر ہے تو ضروری نہیں کہ وہ فوج کی کمان بھی کر سکے۔ آپ نے اپنے تمام کمالاتِ ذاتیہ کو ایک طرف رکھتے ہوئے اعلان فرمایا کہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اس میں آپ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ حکومت کسی کو اس کے ذاتی کمالات پر نہ دی جائے نہ اسے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھے۔ یہ ایک حصہ ہے کوئی ثمرہ نہیں، ایک محنت ہے، ایک ذمہ داری ہے، ایک پوری قوم کی پہرہ داری ہے، اس کا فیصلہ علوِ ذات یا ذاتی کمالات پر نہیں، اس کا مدار قوت قائم رکھنے اور عدل وانصاف قائم کرنے پر ہے اور اس ذمہ داری میں سب ایک جیسے نہیں جس کو بھی چن لیا جائے وہی سربراہ ہے۔ موضوعِ خلافت میں ذاتی کمالات کو لانا اس کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بالکل نفی کر دی۔

تیسرا نکتہ

آپ نے اپنے نظامِ حکومت کی اساس قرآن اور سنت کو قرار دیا، اس سے پتہ چلا کہ قرآن کریم اس وقت مکمل اور محفوظ موجود تھا گو یکجا نہ ہو اور حضور کی سنن بھی محفوظ موجود تھیں ان میں کوئی مغالطہ اور اختلاف نہ تھا۔ سنت صرف حضورؐ کے زمانے تک حجت شریعت نہ تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے حضورؐ کے بعد بھی اسی طرح حجتِ شرعی جانا ہے جس طرح کہ وہ پہلے حضور ﷺ کے عہد میں تھی۔ قرآنِ کریم اوپر سے اترا اور سنتیں حضورؐ

نے خود قائم فرمائیں، آپ نے صحابہ کو اس کی تعلیم بھی دی اور اصحاب رسولؐ اس علم کو پا گئے، باب شریعت میں کوئی الجھاؤ نہ رہا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ بھی بتلا گئے کہ حضورؐ کے طریق تعلیم میں کوئی خفا نہ تھا علم کی بارش سب پر برابر برستی تھی اور ہر شخص اپنے ضرف کے مطابق مستفیض ہوتا تھا، فیضان نبوت سب کے لئے عام تھا، تاریخ میں اس تصور کو کوئی جگہ نہیں کہ آپ اپنے چند عزیزوں کو علیحدہ تعلیم دیتے تھے اور باقی امت اس سے محروم رہتی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے "علمنا فعلمنا" "حضور نے ہم صحابہ کو علم کی دولت دی اور ہم اسے پا گئے" کہہ کر بتلا دیا کہ حضور ﷺ کے ظاہر و باطن میں فرق نہ تھا، علم کا فیضان عام تھا جو پالے اس کی برات تھی۔

چوتھا نکتہ

شریعت اور قانون کا مدار ظاہر پر ہے لیکن دین کی روح تقویٰ اور اللہ کے خوف میں ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ صرف نفاذ شریعت سے کام نہ چلے گا، جب تک قلوب خدا کے آگے نہ جھکے ہوں۔ وہ ہوشیار آدمی جو دنیا میں ہیرا پھیری سے اپنے لیے کوئی حق ثابت کرتا ہے قانون اس کو یہ حق دے بھی دے تو وہ اپنے آپ کو کامیاب نہ سمجھے، وہ ہوشیار نہیں بڑا بے وقوف ہے، جب آخری حساب کے دن ہر بات کھل جائے گی تو یہ کوئی دانائی نہیں کہ اس پر چند دن پردہ پڑا رہے، دانائی اسی میں ہے کہ دلوں میں اللہ کا خوف موجود رہے۔ جس طرح یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ نفاذ شریعت کرے یہ بھی اس کے ذمہ ہے کہ فسق و فجور پیدا کرنے کے جملہ ذرائع کی روک تھام کرے اور تقویٰ و طہارت کی راہیں امت کے لئے آسان کرے۔

پانچواں نکتہ

آپ نے حکومت کی بنیاد اس قوت کر قرار دیا جو ظالم سے مظلوم کو حق دلوا سکے، قوی سے قوی شخص حکومت کی قوت کے آگے کمزور ہو اور اگر حکومت اپنی مملکت کے اندر دی

اگر غنڈوں، ڈاکوؤں اور بدمعاشوں سے ڈرے نہ قاتلوں کو پکڑ سکے اور نہ قاتلوں کا پتہ لگا سکے، تو یہ حکومت اپنے جوہر ذات سے محروم ہے، وہ حکومت ہی کیا جو مصلحتوں سے دبے اور غنڈوں سے ڈرے، حکومت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ حکومت کرنے کی اس کے پاس طاقت ہو۔

پھر یہ بھی ہے کہ حکومت طاقت کے اس نشہ میں مخمور نہ ہو اسے پتہ ہو کہ رعیت کا کمزور ترین فرد کل آخری حساب کے دن ان حکمرانوں کے گلے میں پھندا ڈالنے والا قوی ترین فرد ہوگا جس کے آگے فراعنہ وقت ظالم اور جابر حکمرانوں کی آنکھ بھی اٹھ سکے گی۔

خلافت راشدہ عرب میں سب سے پہلی انسانی حکومت تھی، حضور کے عہد میں زیادہ آسمانی فیصلے چلتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں حکومت کی بنیاد اس قوت کو قرار دیا جس کے ساتھ حقوق الٰہیہ اور حقوق انسانیہ کے گرد پہرہ دیا جا سکے، سربراہ کی نظر میں ہر قوی کمزور ہو اور ہر کمزور قوی، یہاں تک کہ عدل و انصاف کے پلڑے میں ہر شخص اپنا حق لے سکے۔

چھٹا نکتہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خطبہ میں اعلان فرمایا کہ میں مطلق العنان حکمران نہ ہوں گا مجھے حضورؐ کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ نئی راہیں نہیں بنانی۔ انما انا متبع ولست بمتدع..... اس سے سبق ملا کہ مسلمانوں کو اپنے پیشواؤں پر نظر رکھنی چاہئے کہ وہ متبع سنت ہیں یا مبتدع۔ مبتدع یہ کہہ کر کہ "حرج کیا ہے" نئی راہیں قائم کرے گا اور یہ نہ سمجھے گا کہ اس سے بڑا حرج کیا ہوگا کہ انسان اپنے پہلوں کے نقش قدم پر نہ رہے۔

ساتواں نکتہ

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میں حدود احسان میں رہوں تو میری اعانت کرو اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے صحیح لائن پر لگا دو۔ اس سے پتہ چلا کہ اسلام میں حکمران کی اطاعت انہی حدود میں ہے کہ وہ حکم میں اللہ اور اس کے رسول کے مطابق رہے، اولی الامر

کی اطاعت مطلق نہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ماتحت رہیں تو ان کی اطاعت کی جائے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام میں سربراہ معصوم نہیں، معصوم ہونا صرف نبیوں کی شان ہے، حاکم کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ وہ کہاں تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تابعداری بجالا رہا ہے۔

آٹھواں نکتہ

آپ نے بتایا کہ مسلمانوں کی قومی زندگی تیغ وسنان سے ہے جب تک ان میں عمل جہاد رہے یہ ایک معزز قوم بن کر رہیں گے اور جب یہ بدکاری کی زندگی اختیار کرلیں، طاؤس ورباب کے عیش میں اپنے اصولوں کو کھودیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ہر طرف سے مصائب کے دروازے کھول دے گا، جب اس قوم میں جہاد نہ رہے گا (جیسا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول پر ہوگا) تو پھر یہ دنیا بھی باقی نہ رہے گی، یہ دنیا کا آخر ہوگا اور قیامت کی گھڑی ہوگی۔ اقبال نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
ہے تیغ وسناں اول طاؤس و رباب آخر

نواں نکتہ

آپ نے یہ جو فرمایا کہ اگر میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں، یہ اس لئے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت ہرگز روا نہیں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اسلامی سربراہ گو عوام کے انتخاب سے منتخب ہوتا ہے مگر اسے حقوق حکومت خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ملتے ہیں عوام کی طرف سے نہیں۔ باب الحقوق اور عمل حکومت میں وہ عوام کے تابع نہ ہوگا، جب تک وہ اسلام پر کاربند رہے عوام اسے حکومت سے اتار نہ سکیں گے نہ وہ اس کے لئے طاقت کا سرچشمہ ہوں گے کہ جب چاہا کسی کو لے آئے اور جب چاہا کسی کو اتار دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اسی حق حکومت پر اپنی جان قربان کی اور مغربی فکر کی جمہوریت کو جو عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیتی

ہے نظام خلافت میں گھسنے نہ دیا، جان جانِ آفرین پر قربان کی پر اسلامی اصولِ حکومت کو مغربی جمہوریت پر قربان نہ کیا۔ اس اسلامی حق حکومت کی نشاندہی پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی کی تھی۔

دسواں نکتہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبے کا آغاز خطبہ مسنونہ کے بعد لفظ ایھا الناس سے کیا ہے اے لوگو کہا ہے انسانوں کے کسی ایک طبقے کو خطاب نہیں کیا۔ یہ بھی نہیں کہا اے مسلمانو! گو اس وقت وہاں مسلمان ہی آباد تھے، لیکن مسلمان سربراہ بحیثیت حکمران اپنی تمام رعایا کا، وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سب کا نگران ہوتا ہے، وہ جس طرح مسلمانوں کی تمام ضروریاتِ زندگی کا ذمہ دار ہے غیر مسلم اقلیتوں کے جملہ حقوق کا تحفظ بھی اسی کے ذمہ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ ان کی یہ آواز ایک دن پورے عالمِ اسلام کا چارٹر بنے گی، سو آپ نے پہلے دن ہی یہ مضمون اس ایک لفظ میں لپیٹ دیا کہ اسلام میں سربراہ سب لوگوں کا ذمہ دار ہے کسی ایک طبقے کا نہیں۔

آپ نے اس خطبہ میں مہاجرین وانصار کی بھی کوئی تفریق نہ کی، خلافت پر آنے سے پہلے تو یہ باتیں قابلِ غور ہو سکتی ہیں اور ہوئیں، لیکن خلافت پر آنے کے بعد سب لوگ بحیثیت رعیت حکومت کی نظر میں ایک سے ہیں۔

پاکستان میں کوئی پیپلز پارٹی ہو یا مسلم لیگ، اگر حکومت بنائے تو اس کے وزراء اگر مسلم لیگیوں کے ہی کام آئیں اور ان کی رعیت میں دوسرے سیاسی نظریے کے لوگ اپنے بنیادی حقوق ہی نہ پاسکیں تو اس طرح کی حکومت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہرگز عادل نہ ہوگی۔ مسلم لیگی وزراء اگر کہیں کہ ہم کو ووٹ مسلم لیگیوں نے دیئے تھے اس لئے ہم انہی کے کام کریں گے اور ماتحت افسروں کو بھی انہی کی بات پورا کرنے کی ہدایات دیں گے تو ایسی حکومت حقوقِ رعیت کے مسئلہ پر ایک ظالمانہ تسلط ہوگی، انہیں کہا جائے گا کہ وزارت کا حلف اٹھانے کے بعد تم صرف اپنی پارٹی کے نہیں پورے ملک یا پورے

صوبے کے جملہ عوام کی جملہ ضروریات کے ذمہ دار ہو۔ تلک عشرۃ کاملۃ

تاریخ کے طلبہ کے لئے لمحہ فکریہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلے خطبہ خلافت کا ایک ایک لفظ آپ کے سامنے آچکا ہے، اس کے مضامین بھی آپ پر پوری طرح کھل چکے ہیں، اب آپ ذرا اس پس منظر کا تصور باندھیں جو ایک طبقے نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف درجۂ تصدیق میں قائم کر رکھا ہے۔ وہ یہ خلافت اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منصوص تھی، حضورؐ نے انہیں کھلے بندوں غدیر خم پر اپنا ولی عہد بنایا، بار باران کی خلافت کا اعلان کیا اور انہیں اپنا وصی نامزد کیا، دوسرے صحابہ نے زبردستی خلافت پر قبضہ کرلیا اور ظلم وتشدد سے حکومت کی تانیں کس لیں۔

اب آپ ذرا غور فرمائیں، ظلم وتشدد کی حکومت کا ترجمان کیا کہہ سکتا ہے کہ "اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں" کیا اس سے بڑی کوئی نافرمانی ہوسکتی ہے کہ حضورؐ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنائیں اور یہ حضرات ظلم وتشدد سے ان کی حکومت پر قبضہ کرلیں، خدارا سوچیں کہ ظالم حکمران قوم کے سامنے علم وتقویٰ کا کیا وہ تصور پیش کرسکتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیش کیا اور فرمایا سب سے بڑی دانائی اللہ کا خوف ہے اور سب سے بڑی بے وقوفی اللہ کی نافرمانی ہے۔ پھر لوگوں کا اپنا علم حکمران کے بارے میں یہ ہو کہ وہ بزور حکومت پر قابض ہے تو کیا وہ اس سربراہ سے اس قسم کی تقویٰ وطہارت کی باتیں کیا بغیر تردد اور بوجھ کے سن سکیں گے؟ ہرگز نہیں۔

اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کا تعین

حاضرین نے جس سکون وطمانیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ سنا اور جس پاکیزہ ماحول میں اس کی کرنیں پھر ساری دنیا میں پھیلیں اس سے یہ نقش پوری پختگی سے دل ودماغ میں قائم ہوتا ہے کہ آپ کی حکومت ایک عادلانہ نظام خلافت تھا،

جس میں علم وعمل اور تقویٰ وطہارت کے جملہ وجوہ واسباب قائم تھے۔ آج بھی جو حکومت اسلامی نقوش پر قائم ہونا چاہے اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس دس اصولوں کو پیشِ نظر رکھنے سے چارہ نہیں جو الٰہی حکومت کے خلافتی نشان ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں، انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھول کر بیان کر دیا، اب قیامت تک جو بھی عدل وانصاف کی حکومت بنے اور جہاں بھی ان نظریات پر بہار آئے اس کا سہرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر ہوگا جنہوں نے پہلی دفعہ اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کا یہ پورا نقشہ پیش کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں طے کرنے کے لئے سب کمیٹی تشکیل نہ دی تھی۔ نہ آپ کے سامنے کسی گروپ نے کوئی دستوری سفارشات پیش کی تھیں۔ آپ نے فی البدیہہ یہ خطبہ اور حکومت کا اسلامی چارٹر چند جملوں میں قوم کے سامنے پیش کر دیا۔ اب رہتی دنیا تک اس کی تفسیریں ہوتی رہیں گی اور دانشور اس بحر بیکراں سے موتی نکالتے رہیں گے۔

حکومتِ اسلامی کے وسیع چارٹر کو چند جملوں میں لے آنا آپ کی علمی پختگی کا پتہ دیتا ہے اور آپ کی اس پر استقامت آپ کے عزم وعمل کی خبر دیتی ہے۔ عرب پہلے سے کسی نظامِ حکومت سے آشنا نہ تھے۔ عہد نبوت کے بعد یہ پہلی حکومت ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کی گئی اور آپ کا انتخاب اچانک عمل میں آیا لیکن آپ کے علم پختہ اور عزم آہنی نے سلطنت کی ہر مشکل آپ کے آگے آسان کر دی۔

اس خطبہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس سے انکار نہیں کیا کہ مظلوم کی دادرسی حکومت کا فرض ہے۔ آپ اپنی خلافت میں اگر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ نہ ڈال سکے اور مظلوم کی دادرسی نہ کر سکے تو مجبوری حالات کا ایک اقتضاء تھا اور حالات پر قابو پانے کے لئے ایک اجتہاد تھا۔ یہ نہیں کہ آپ اسے حکومت کی ذمہ داری نہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا، تمام صحابہ اس سے حرف بحرف متفق تھے۔

واللہ اعلم باالصواب و علیہ تم واحکم فی کل باب.

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ورثہ کا مطالبہ

صحیحین میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائداد (مدینہ منورہ کے فے، فدک کے باغ اور خیبر کے خمس) سے اپنے ورثہ کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لا نورث ما ترکنا صدقة وانما یا کل ال محمد فی ھذاالمال"

یعنی ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوگا، ہم جو کچھ چھوڑیں گے، وہ صدقہ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ اس مال سے اپنی خوراک حاصل کریں گے۔"

خدا کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ کی وہ حالت تبدیل نہیں کروں گا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھی۔ اور میں اس میں وہی عمل کروں گا، جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں کرتے تھے۔ بنابریں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ دینے سے انکار کردیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوگئیں اور آخر دم تک ان سے اس سلسلہ میں کلام نہیں کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ وفات کے بعد ان کے خاوند حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے خود ہی ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں لوگ بدستور علی رضی اللہ عنہ کی عزت کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ لوگ بدل گئے ہیں پہلے کی سی ان کی خاطر و مدارات نہیں کرتے، کیونکہ اتنا عرصہ بیعت نہ کرنا عوام کے نزدیک قابلِ اعتراض تھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے صلح کرنا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا مناسب سمجھا۔ ان کو اپنے گھر بلا بھیجا، ساتھ ہی تاکید کی کہ اکیلے آئیں کسی کو ساتھ نہ لائیں۔ دراصل وہ اس معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دخل اندازی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا آپ ان کے ہاں اکیلے نہ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: میں اگر اکیلا گیا تو وہ میرا کیا بگاڑ لیں گے؟ بخدا! میں ان کے پاس تنہا ہی جاؤں گا" چنانچہ وہ ان کے ہاں آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے خطبہ مسنونہ پڑھا پھر کہا: اے ابوبکرؓ! ہم آپ کے علم وفضل کے معترف ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عزت بخشی ہے، اس کا بھی انکار نہیں، اور نہ آپ کے مرتبۂ خلافت پر کوئی حسد ہے۔ شکایت صرف یہ ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں ہمیں شریک کرنے اور ہم سے مشورہ لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ حالانکہ آں حضرت ﷺ کے قریب ترین رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ہم اس کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے ایسی تفصیلی گفتگو کی کہ حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اپنی باری میں انہوں نے کہا خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، صلہ رحمی کے سلسلہ میں آں حضرت ﷺ کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہے۔ رہا اس مال کا معاملہ جس کی وجہ سے میرے اور آپ کے درمیان اختلاف رونما ہوا ہے، تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ میں نے اس بارہ میں حق پر عمل پیرا ہونے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور وہی کیا ہے جو میں نے آنحضرت ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں وعدہ کرتا ہوں کہ ظہر کے وقت مجمع عام میں بیعت کر لوں گا۔" پھر جب حضرت ابوبکرؓ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پیچھے رہنے کا جو سبب بیان کیا تھا، اس کا ذکر کیا پھر استغفار کرنے کے بعد نیچے اتر آئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت اور عظمت بیان کی۔ اور کہا: "اتنا عرصہ میرا بیعت سے پیچھے رہنا حسد کی بنا پر نہیں تھا اور نہ حضرت ابوبکرؓ کے علم وفضل سے انکار کی وجہ سے تھا۔ ہم اس سلسلہ میں اپنا حق سمجھتے تھے، لیکن انہوں نے ہم سے مشورہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ جس کی وجہ سے ہم ناراض تھے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عوام کی خواہش کے مطابق بیعت کر لی، تو اس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحسین کی اور پہلے کی طرح ان سے قریبی روابط قائم کر لئے۔

امانت و دیانت کی چند قابل تقلید مثالیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امانت کا یہ عالم تھا کہ خود اپنے نفس پر بیت المال سے جو وظیفہ لے کر آپ نے خرچ فرمایا تھا اس کی ایک ایک پائی اپنے مرالموت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو واپس کرنے کی وصیت فرمائی نیز یہ وصیت فرمائی تھی کہ میرے پاس مسلمانوں کے بیت المال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹوں کے سوا کچھ نہیں۔ میرے مرنے کے بعد یہ چیزیں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی جائیں۔ اور دیکھنا اگر اور کوئی چیز نکل آئے تو اس کو بھی عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دینا گھر کا جائزہ لیا گیا تو کوئی اور چیز آپ کے گھر سے برآمد نہ ہو سکی۔

(الامامۃ والسیاسۃ جلد اول ص ۱۹ و اشہر مشاہیر الاسلام جلد ا ص ۷۳ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۹)

غلام اور اونٹ بیت المال میں جمع کرانے کا حکم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مزید صراحت یہ بھی کر دی کہ ہم نے بیت المال سے موٹا جھوٹا غلہ لے کر کھایا اور موٹا جھوٹا کپڑا پہنا۔ اب میرے پاس بیت المال کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ یہ غلام یہ اونٹ بیت المال بھیج دینا اور ہاں یہ چادر بھی واپس کر دینا جو میرے استعمال میں ہے۔

(سیرت عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۴۲ و اشہر مشاہیر الاسلام ص ۹۴)

ایک نجی واقعہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دیانت داری کا ایک نجی واقعہ ملاحظہ ہو۔ وفات سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ فلاں زمین سے فصل کاٹ کر بیس وسق غلہ تم حاصل کر لینا۔ جب آپ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے تم کو جو غلہ عطیہ دیا تھا اگر تم نے زمین سے غلہ کاٹ کر اپنی تحویل میں لے لیا ہو تو وہ تمہاری ملکیت ہے اور اگر تم نے اب تک نہ حاصل کیا ہو تو اب وہ مال سب ورثاء کا ہے۔ (موطا مع مسوی جلد اول ص ۳۷۸)

چادر سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دے دی

فتوحات عراق میں ایک قیمتی چادر حاصل ہوئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اہل لشکر کے مشورہ سے اس چادر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بطور تحفہ بھیجا اور لکھا کہ اسے آپ لے لیجئے آپ کے لئے روانہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اسے لینا گوارا نہیں فرمایا اور نہ اپنے رشتہ داروں کو دیا بلکہ اہل شوریٰ سے مشورہ کر کے اسے حضرت حسین کو مرحمت فرما دیا۔ اللہ اللہ قومی چیزوں کے کیسے امانت دار تھے اور خود کو ایسی چیزوں سے کس قدر دور رکھتے تھے۔ (صدیق اکبر ص ۴۴۹ بحوالہ فتوح البلدان ۱۲)

اُسوۂ رسول پر عمل اور اس کا نتیجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پورے طور پر اپنانے سے ابوبکرؓ اس حقیقت کی تہ تک بھی پہنچ گئے تھے کہ قومی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک مشکلات اور مصائب کو صبر واستقلال سے جھیلنے اور اپنے اندر ان پر قابو پانے کا ملکہ پیدا نہ کیا جائے۔ درحقیقت قوموں کی حیات وممات کا راز اسی گر کو اختیار کرنے یا ترک کر دینے میں مستور ہے۔ ہر وہ قوم جو عزت کی خواہاں اور اقوام عالم میں اپنا ایک علیحدہ وممتاز مقام پیدا کرنے کی خواہش مند ہو، جو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے کوئی ٹھوس لائحہ عمل اپنے پاس رکھتی ہو اور اسے یقین ہو کہ صرف اسی کے پیش کردہ پروگرام پر عمل کرنے میں انسانیت کی نجات اور دنیا کی فلاح وبہبود مضمر ہے اس کے لئے بے حد ضروری ہے کہ اپنے اندر قوت برداشت پیدا کرے۔ اس کے راستے میں خواہ مشکلات کے پہاڑ ہی کیوں نہ حائل ہو جائیں لیکن اسے عزم واستقلال سے ہر دم اپنا قدم آگے ہی بڑھانا چاہیے۔ مشکلات خواہ کتنی ہی ہیبت ناک اور مصائب کتنے ہی حوصلہ شکن کیوں نہ ہوں لیکن باہمت قوم کو انہیں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دینی چاہیئے اور راستے کی تمام دشواریوں اور دوائے حق کی راہ میں تمام رکاوٹوں پر نہایت جرأت مندانہ اولوالعزمانہ قابو پا کر منزل مقصود کی جانب قدم بڑھاتے رہنا چاہیئے۔

ان اسباب کی مخالفت اس وقت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ جب ان قوموں

کے لائحہ عمل اور دعوت کی بنیاد مساوات کے قیام اور ظلم وستم کی بیخ کنی پر استوار ہو۔ اکثر سلطنتوں کا قیام محض اس لئے لائحہ عمل میں اس کا کہ انہوں نے مساوات وجمہوریت کو اپنی اساس بنایا اور اسی کے سہارے استحکام حاصل کیا۔ اس کے برعکس بیشتر سلطنتیں مدت دراز تک اپنی شان وشوکت دکھانے کے بعد محض اس وجہ سے قلیل ترین عرصے میں نابود ہو گئیں کہ انہوں نے مساوات کے اہم ترین رکن کو ترک کر دیا تھا۔

انسانی مساوات پر عمل

مساوات اسلام کا بنیادی ستون ہے جس کے بغیر اس کی عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ ہی نہیں سکتی۔ اس بنا پر اسلام اصولاً ایک جمہوریت پسند مذہب ہے۔ اس حقیقت کی آج ہم نے محض اپنی عقل کے ذریعے سے معلوم کیا ہے اور ہم سے پہلے اس حقیقت تک جن لوگوں کی رسائی ہو سکی ہے۔ ان کی رہنمائی بھی ان کی عقل کے ذریعے سے ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ادراک کے باوجود نہ ہم نے اور نہ ہمارے پیش رو ہی پوری طرح اسلامی سلطنت کی حفاظت کر سکے۔ لیکن ابو بکرؓ کو اس حقیقت کا علم غور وفکر اور تدبر کے ذریعے سے نہیں بلکہ القاء ربانی کے ذریعے سے ہوا۔ وہ حق الیقین سے اس پر نہ صرف ایمان لائے بلکہ اپنے ساتھیوں کو اس نصب العین کی تکمیل کے لئے لگا بھی دیا۔

ابو بکرؓ اور مٹھی بھر مسلمانوں کی شبانہ روز جدوجہد کے نتیجے میں جو سلطنت علم وجود میں آئی اس کی بنیاد کلیۃً مساوات پر تھی۔ یہی سبب تھا کہ وہ دوسری سلطنتوں کے برعکس چندروزہ بہار دکھا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نابود نہ ہو گئی بلکہ صدیوں تک اپنی جلوہ افروزی سے دنیا کو منور کرتی رہی۔

ان کے دل میں یہ نکتہ اللہ نے ڈالا

ابو بکرؓ نے القاء کی روشنی میں معلوم کر لیا تھا کہ اسلام مساوات کا علم بردار ہے اور ذات پات اور نسل کی بنا پر بنی نوع انسان کے درمیان کسی تفریق کا حامی نہیں۔ اسی وجہ سے اس کی دعوت کسی ایک قوم کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام بنی نوع کے لئے عام ہے۔ رسولؐ

اللہ کے زمانہ مبارک میں عربوں کے علاوہ غلاموں اور عجمیوں کی ایک بری تعداد بھی اسلام میں داخل ہوئی لیکن کسی غلام اور عجمی سے نفرت یا حقارت کا برتاؤ کرنا تو کجا اسلام نے ان کی ذلت و نکبت، عزو شرف میں تبدیل کر دی اور ان کا رتبہ اس قدر بلند کر دیا کہ آج بھی ان کا ذکر آنے پر ہر مسلمان فرط عقیدت سے سر جھکا دیتا ہے۔ ان لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کے سلوک انداز ہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مسلمان فارسی آپ کے مقربین خاص میں سے تھے۔ زید بن حارث ؓ کو آپ ﷺ نے آزاد کر کے اپنا متبنی بنا لیا تھا۔ غزوہ موتہ کے وقت لشکر کا قائد بھی انہی کو بنایا۔ اس سے پہلے بھی متعدد اہم ذمہ داری کے کام ان کے سپرد کئے۔ زید کے بیٹے اسامہ کو اپنی وفات سے قبل شام پر حملہ کرنے والی فوج کا سردار مقرر کیا اور تمام بڑے بڑے مہاجرین و نصار کو جن میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی شامل تھے، ان کی ماتحتی میں دیا باذان فارسی کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا۔ ان مثالوں سے پہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محض عربی اور معزز قبیلے کا فرد ہونا کسی شخص کی فضیلت کے لئے کافی نہ تھا۔ آپ کے پیش نظر فضیلت کی کسوٹی تقویٰ اور صرف تقویٰ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے خاص مشیروں اور مقرب صحابہ پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کے محبوب صحابی بننے کا شرف صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوا جنہوں نے ایمان و اخلاص میں قابل رشک ترقی کی اور جو دینی و ملی مفاد کی خاطر اپنی جان، مال، عزت اور وقت کو قربان کرنے کے لئے ہر لحظہ مستعد رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عربوں کے دلوں سے ان کی نسبی شرافت، عزت اور فضیلت کا غرور بالکل نکال دیا تھا اور عربی، عجمی آزاد اور غلام کا فرق مٹا کر انہیں ایک سطح پر لا کر کھڑا کیا تھا ابوبکرؓ نے بھی اپنے آقا کی اس سنت پر پوری طرح عمل کیا اور وہ لوگوں کے درمیان صحیح اسلامی مساوات قائم کرنے میں آخر وقت تک کوشاں رہے۔

اسی مساوات کا اثر تھا کہ مسلمان ایک ایسی متحدہ قوت بن کر اٹھے جس کا مقابلہ کرنے سے ایرانی اور رومی افواج قاہرہ عاجز آ گئیں اور انہیں ان مٹھی بھر لیکن آہنی طاقت والے عربوں کے سامنے سے بھاگتے ہی بن پڑی۔

(مقدمہ سیرت حضرت ابوبکر صدیقؓ، از محمد حسین ہیکل)

اسلام کی عالمگیریت کا احساس

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حقیقت کا بھی پوری طرح احساس تھا کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے اور اس کی دعوت کا دائرہ صرف جزیرہ عرب تک محدود نہیں بلکہ اس کے مخاطب دنیا کے آخری کناروں تک بسنے والے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرون عرب کے بادشاہوں اور فرماں رواؤں کو کثرت سے تبلیغی خطوط اور فرامین ارسال فرمائے تھے۔

یہ امر تسلیم کرنے کے ساتھ ہی ہر مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ اس نے جس عظیم الشان نعمت سے حصہ لیا ہے اسے صرف اپنے تک محدود نہ رکھے بلکہ دوسروں کو بھی اس نعمت سے حصہ عطا کرے اور دین خدا کی اشاعت میں جان تک کی بازی لگانے سے دریغ نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیغام بلا لحاظ قوم وملت سب لوگوں تک پہنچایا تھا کناروں تک پہنچاتے اور اس راہ میں کسی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔

ابوبکرؓ نے یہی کیا اور اسلام کو اقصائے عالم تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ سعی فروگزاشت نہ کیا۔ اس راہ میں انہیں شدید مشکلات اور مہیب مصائب سے دوچار ہونا پڑا لیکن انہوں نے ابتدائے خلافت ہی سے جو عزم کر لیا تھا اس میں آخری لمحے تک مطلق کمی نہ آنے دی اور اپنی جدوجہد کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر ہی چھوڑا۔ ابوبکرؓ کو مردانہ وار کوششوں اور اولوالعزمی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی سلطنت تھوڑے ہی عرصے میں معلومہ دنیا کے اطراف تک پہنچ گئی اور صدیوں تک اسی سلطنت نے دنیا میں تہذیب وتمدن کا علم بلند اور علم وعمل کا چراغ روشن کیے رکھا۔

لمبے عرصے تک دنیا پر شان وشوکت سے حکمرانی کرنے کے بعد اسلامی سلطنت پر دوسری حکومتوں اور سلطنتوں کی طرح زوال آنا شروع ہوا اور بالآخر وہ انتہائی نکبت اور پستی کی حالت میں پہنچ گئی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس کی نکبت اور پستی کا سبب اسلام کے وہ بنیادی اصول تھے جن کا وہ علم بردار بن کر کھڑا ہوا تھا، یا ان بنیادی اصولوں کو پس پشت ڈال دینے کے باعث مسلمانوں کو اضمحلال اور کمزوری کا سامنا کرنا پڑا؟ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل

نہیں کہ ہماری پستی اور کمزوری کا اصلی سبب یہ ہے کہ ہم ان بنیادی اصولوں کو ترک کر دیا ہے جو اسلامی سلطنت کے قیام کے باعث بنے تھے۔ جو بھی شخص اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرے گا وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ اسلامی سلطنت کا زوال اس وقت سے شروع ہوا جب مسلمانوں نے اتحاد جیسی نعمت کو خیر باد کہا۔

ابتداء جزیرہ عرب میں بسنے والے مسلمانوں کے درمیان معرکے سر ہونے لگے۔ بعد ازاں عربوں اور عجمیوں کے درمیان جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا جس نے مسلمانوں کی طاقت وقوت عزوشرف، شان وشوکت اور رعب وداب کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ (سیرت حضرت ابو بکر صدیقؓ، از محمد حسین ہیکل)

آپ ﷺ کے نزدیک مشورہ کی اہمیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"لم یکن احد اکثر مشاورۃ الا صحابہ من رسول اللہ ﷺ"

یعنی آنحضرت ﷺ نے جس طرح بکثرت اپنے احباب سے مشورہ لیا ہے اس قدر کسی نے اپنے رفقاء سے مشورہ نہ لیا ہوگا۔

جب آنحضرت ﷺ نے (جن پر خطا وصواب کے اظہار کے لئے آسمان سے وحی آسکتی تھی) مشورہ کے بعد اصحاب کی رائے کا پتہ لگایا تو نبی کریم ﷺ کے خلفاء کے لئے مشوروں سے کام کرنا اور بھی اشد ضروری ہے۔ خلیفہ وامیر پر لازم ہے کہ ہر ایک کی رائے معلوم کرے جس کی رائے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ موافق نظر آئے اسے قبول کرے۔ (السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ. ص ۷۵)

الحمدللہ تمام خلفاء راشدین نے نظام خلافت میں تمام واقعات وپیش آمدہ حوادث میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنے میں اور اپنے اصحاب ورفقاء کی آراء معلوم کرنے میں ہمیشہ سعی جمیل فرمائی ہے۔ حضرت ابو بکر کا دور خلافت بھی اسی طرح شخصی جبر واستبداد سے ہرگز کوئی مسئلہ طے نہ فرماتے بلکہ اصحاب کو جمع کر کے فرماتے:

"انا فی کذا و کذا فهل علمتم ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قضی فی ذالک بقضاء الخ"

(اشہر مشاہیر الاسلام جلد اول ص ۵۷ واعلام الموقعین لابن القیم)

یعنی ایسا ایسا معاملہ درپیش ہے، کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس طرح کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی فیصلہ دیا ہے؟

خلیفہ کے فرائض

امام ماوردی نے خلیفہ کے حسب ذیل فرائض شمار کرائے ہیں۔

(۱) پہلا فرض یہ ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے۔

(۲) دوسرا فرض یہ ہے کہ انصاف کو رائج کرے، کوئی زبردست ظلم نہ کرنے پائے۔

(۳) تیسرا فرض یہ ہے کہ ملک کی حفاظت کرے تا کہ رعایا اطمینان سے معاشی کاروبار کر سکے۔

(۴) چوتھا فرض یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرح غیر مسلم رعایا ذمی وغیرہ کی جان و مال کی حفاظت کرے۔

(۵) پانچواں فرض یہ ہے کہ بیت المال کے مستحقوں کے لیے معقول وظیفے اور مشاہرے جاری کرے جو بروقت مل جایا کریں۔

(۶) چھٹا فرض یہ ہے کہ دیانت دار اور قابل اعتماد لوگوں کو کلیدی عہدے دیئے جائیں۔

(۷) ساتواں فرض یہ ہے کہ خلیفہ سلطنت کے تمام امور کی نگرانی کرے اور تمام واقعات سے باخبر رہے تا کہ صحیح طور پر ملک وملت کی حفاظت ہو سکے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یاداؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق "یعنی اے داؤد ہم نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے تا کہ تم لوگوں کے معاملات میں فیصلہ حق وصداقت کے ساتھ کرو۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ

نے خلافت کی تفویض کے ساتھ خود خلیفہ کو امور سلطنت میں عدالت وصداقت کا پابند بنایا ہے۔ (الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۶)

خلفاء راشدین کی زندگی دیکھ کر ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا جو اسوۂ حسنہ پیش فرمایا تھا اس کی اتباع بڑی حد تک ان حضرات نے کی اور آپ ہی کے نقوش قدم پر یہ حضرات گامزن رہے۔ رعایا کے معاملات کی نگرانی، حق وصداقت کا اظہار، عدل وانصاف کی ترویج واشاعت اپنی پوری زندگی میں اس طرح محتاط ہو کر فرمائی کہ ان کی دیانت وامانت اور عدالت وصداقت کو دیکھ کر تو بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ خدا کو اپنے سامنے دیکھ وسمجھ رہے ہوں کہ وہ ان کے معاملات کی خود نگرانی کر رہا ہے اور وہ ان کی غلطیوں کی باز پرس کرنے والا ہے۔ اس احساس آخرت اور استحضار قیامت کے سبب ان کی خلافت میں امانت ودیانت عدالت وصداقت کے چار چاند لگ گئے اور دنیائے انسانیت میں ان کا دور عدل وانصاف کا بہترین دور مانا گیا ہے۔

ان حضرات کے دور خلافت میں عظیم الشان فتوحات ہوئیں اور مصر وشام وجزیرہ بحرین وغیرہ پر قبضہ حاصل ہوا۔ ایران وروما کی سلطنتیں زیر نگیں ہوئیں، سواد عراق وبصرہ وکوفہ وغیرہ کے علاقے مفتوح ہوئے۔ ان کی تھوڑی سی اقلیت نے بھاری بھرکم اکثریت کو سرنگوں کیا اور خراسان، کرمان، حمص، قنسرین اور دمشق وغیرہ کو جس حسن تدبیر اور حسن عمل سے حاصل کیا اور ان پر جن جن عمال کو حاکم بنایا ایسے تمام امور سے اس مقالہ میں قطعی بحث نہیں ہے۔ میں صرف ان واقعات ومعاملات کا تذکرہ کر رہا ہوں جن سے خلق خدا کی نگرانی وپاسبانی کا تعلق ہے۔ فتوح ملکیہ وامور سیاسیہ کے لیے فتوح الشام اور اشہر مشاہیر الاسلام وغیرہ کا مطالعہ مفید ونافع ہوگا۔

خلفاء راشدین عہدوں کے طالب نہ تھے

رسول اکرم ﷺ کے ارتحال پرملال کے بعد جب سقیفہ بنی سعد میں حضرت ابوبکرؓ کے دست مبارک پر مہاجرین وانصار نے بیعت کر لی تو حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں ایک

خطبہ دیا۔اس میں ارشاد فرمایا:

واللہ ما کنت حریصا علی الامارة یومًا ولا لیلةً ولا سالتھا اللہ فی سرّ و علانیة. (البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۳۰۲)

ترجمہ:۔ ''خدا کی قسم امارت وخلافت کی مجھے ذرہ برابر حرص وطمع نہ تھی اور رات ودن کی کسی بھی ساعت میں مجھے اس کی لالچ نہیں ہوئی تھی اور یہ میں نے اس کی آرزو میں کبھی کوئی دعا خدا سے کی اور نہ خلوت وجلوت میں کبھی خلافت کے لئے کوئی چاہت کی''۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت آناً ''فاناً'' ہوگئی۔کوئی سوچی سمجھی اسکیم پہلے سے تیار نہ تھی نہ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے لئے کوئی فضا بنائی تھی۔ایک اہل ترین شخص سے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سبقت کر کے سب سے پہلے بیعت کرلی تو سب حضرات نے بلا تردد بیعت کرلی اور تمام ہنگامہ فوراً ختم ہوگیا۔

اسی طرح سے جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا''لاحاجة لی بھا'' مجھے خلافت کی ضرورت نہیں۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا''ولکن بھا الیک حاجة'' تم کو خلافت کی حاجت نہ ہو تو نہ سہی مگر خلافت کو تمہاری حاجت ہے۔اور فرمایا میں نے تم کو خلافت نہیں دی بلکہ خلافت کو تمہیں دیا ہے۔تم کو خلافت سے زینت نہیں ملے گی بلکہ تم سے خلافت کو زینت ہوگی۔

(الامامة والسیاسة جلد اول وسیرت عمر ص ۴۸)

خلفاء راشدین کے متعلق مہاتما گاندھی جی کے تاثرات

آنجہانی گاندھی جی نے ہریجن مورخہ ۲۷ رجولائی ۱۹۳۷ء کو مندرجہ ذیل الفاظ میں خلفاء راشدین کی سادہ زندگی کی تعریف وتحسین فرمائی تھی۔ہریجن میں ان کے انگریزی کلمات ملاحظہ ہوں۔

SIMPLICITY IS NOT THE MONOPOLY OF CONGRESS. ISTESIAM NOT GOING TO

SLMENTION THE NAMES OF RAMA AND KRISHNA BECAUSE THEY WERE NOT HISTORICAL PERSONALITIES I AM COMPELLED TO MENTION THE NAMES OF ABUBAKAR AND UMAR THOUGH THEY WERE MASTERS OF A VERET EMPIREYET THEY BINED THE LIFE OF POURES.

(HARIGAN. DT.27.7.37)

یعنی سادگی کانگریس کی اجارہ داری نہیں۔ میں رام اور کرشن کا حوالہ بھی اس سلسلہ میں پیش نہ کروں گا کیونکہ ان کی شخصیتیں ماقبل تاریخ کی ہیں۔ البتہ میں اس ضمن میں ابوبکرؓ وعمرؓ کا نام لینے پر مجبور ہوں کہ باوجود ایک وسیع مملکت کے حاکم ہونے کے ان لوگوں نے انتہائی فقیرانہ زندگی بسر کی۔ (ماخوذ از صدق جدید ص ۸ مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۶۰ء)

خلفائے راشدین کی سادہ زندگی

آنحضرت ﷺ کے خلفاء کی زندگی خود آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کا پرتو تھی۔ ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کا اسوہ مبارک موجود تھا۔ ایک دفعہ کھری چارپائی پر آنحضرت ﷺ آرام فرماتے اور تن مبارک پر رسیوں کے نشانات نمایاں تھے۔ حضرت عمرؓ یہ نقشہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے قیصر و کسریٰ آرام کی زندگی گزاریں اور خدا کے رسول ﷺ اس طرح عسرت و تنگی سے گذر کریں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہماری مثال اس مسافر کی سی ہے جو کسی سایہ دار درخت کے نیچے ذرا دم لینے کے لئے ٹھہر جائے تو جس طرح وہ شخص اس جگہ کو اپنی منزل نہیں سمجھتا اسی طرح ہمیں اس دنیا کو اپنی منزل نہ سمجھنا چاہئے۔ اور نہ یہاں کے آرام و راحت و اسباب تعیش کی فکر کرنی چاہئے۔ آنحضرت ﷺ کی غذا معمولی ہوتی تھی۔ جو اور گیہوں کی بن چھنی روٹیاں اور سرکہ بے تکلف استعمال کرتے۔ آنحضرت ﷺ پر ایسے دو دن نہیں گزرے جس میں دونوں دن پیٹ بھر کر کھانا ملا ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے ہمارے سامنے ایک موٹا تہبند نکالا اور اسی قسم کی ایک موٹی چادر نکالی اور فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے

ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا لباس بھی بہت ہی سادہ تھا۔ ایمن کہتے ہیں کہ میں نے جو کرتہ آپ کے استعمال میں دیکھا تھا وہ کل پانچ درہم تھا۔ پھر فرمایا لیکن آج میری لونڈی بھی گھر میں اس قسم کا کرتہ پہننے سے انکار کرتی ہے حالانکہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں میرے پاس پانچ درہم کا ایک کرتہ تھا۔ جو عورت مدینہ میں دلہن بنائی جاتی تو میرا یہی کرتہ منگنی میں جایا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

(۱) حضرت ابوبکرؓ کی تخت نشینی مسجد کی چٹائی پر، حضرت عمر فاروقؓ کی ایک پھٹے پرانے کمبل پر اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی ایک معمولی بوریئے پر ہوئی، یہی وہ سارے نمونے تھے جن کی پابندی کے لئے گاندھی جی نے وزرائے سلطنت کو نصیحت فرمائی تھی۔

غیروں کا ذکر کیا؟ رونا تو ان بے شمار مسلمان بادشاہوں کا ہے جنہوں نے اپنے اسراف وتبذیر سے خلافت راشدہ کے روشن چہرے پر اپنی عیش کوشی اور خدا فراموشی کے ناپاک ہاتھوں سے سیاہی مل دی۔ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ اور خلفائے راشدین کی سیرت سے مسلمان بادشاہوں کو سبق لینا چاہئے۔ عرب، ایران، پاکستان اور اس قسم کے تمام سلاطین کو سوچنا چاہئے کہ ان کے یہاں سادگی وپرکاری اور اعتدال پسندی کا کیا حال ہے؟ خلفائے راشدین کی سادہ زندگی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

اتنی رقم ہمارے خرچ سے زائد ہے......

(۲) ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ نے کسی میٹھی چیز کے کھانے کی خواہش ظاہر کی تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا، میرے پاس کسی میٹھی چیز کے پکانے کی رقم نہیں ہے۔ مجبوری ہے۔ اس جواب کے بعد زوجہ محترمہ روزمرہ خرچ میں سے تھوڑا تھوڑا روزانہ بچایا اور اس سے گھی اور چکر کے لئے تھوڑی سی رقم بنائی۔ جب صدیق اکبرؓ کے سامنے وہ رقم پیش ہوئی تو فرمایا یہ پیسہ کہاں سے آیا۔ انہوں نے اپنی روزمرہ کفایت شعاری ایک چٹکی روزانہ کی بچت کا ذکر فرمادیا۔ آپ نے وہ رقم ان سے لے لی اور بیت المال کے خزانچی کے پاس لے جا کر کہا "هذا الفضل عن قوتنا" اتنی رقم ہمارے خرچ سے زائد ہے اسے بیت

المال میں داخل کرو اور آئندہ ایک چٹکی کی مقدار ہمارے وظیفہ سے کم کر دو۔
(اشہر مشاہیر الاسلام جلد اول ص ۹۳)

مسعودی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے کھانے میں جس قدر خشونت تھی اور جس قدر موٹا جھوٹا کھاتے تھے اسی طرح لباس بھی بے حد معمولی اور موٹے جھوٹے کپڑے کا ہوتا۔ حالانکہ ذاتی آمدنی بھی حضرت ابوبکرؓ کے پاس کم نہ تھی۔ لیکن تواضع اور سادگی پسند تھے۔ آپ نے عہد خلافت میں بھی ایسے ہی موٹے اور معمولی لباس میں زندگی گزاری۔ عرب کے امراء اور یمن کے بادشاہ آپ سے ملنے آتے تو بہترین حلے، منقش سنہری بوٹیوں کی چادریں اور زرنگار تاج پہن کر آتے۔ یہ لوگ آپ کی سادگی اور معمولی لباس کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے اور متاثر اس قدر ہوتے کہ وہی سادگی خود اختیار کر لیتے، حمیر کا بادشاہ ذوالکلاع بڑے شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے پرتکلف لباس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ شاہی امراء کے علاوہ ایک ہزار غلام خدمت کے لئے اس کے ساتھ تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سادہ زندگی کو دیکھ کر عش عش کرنے لگا تمام شاہی لباس اتار کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رنگ میں رنگ گیا۔ (مروج الذہب للمسعودی جلد ۲ ص ۳۵۵)

کارنامہ ہائے زندگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے۔ خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ کے جو لازوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مؤرخ طبری کا بیان ہے کہ قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیانِ نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں۔ منکرینِ زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غروب ہوتے ہی شمع اسلام کے چراغ سحری بن جانے کا خطرہ تھا لیکن جانشینِ رسول نے اپنی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال

کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی مشعلِ ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ یہی ذاتِ گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے، مہماتِ امور کا فیصلہ ہوا۔ یہاں تک کہ روم وایران کے دفتر الٹ دیئے گئے۔ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافتِ الٰہیہ کی ترتیب وتنظیم کا سنگِ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گردابِ فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبر ﷛ ہی کا نام لیا جا سکتا ہے اور دراصل وہی اسکے مستحق ہیں۔ اس لئے اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ عہدِ صدیقی کی وہ کون سی داغ بیل تھی جس پر عہدِ فاروقی میں اسلام کی رفیع الشان عمارتِ تعمیر کی گئی۔

نظامِ خلافت

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے ڈالی۔ چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے انتخاب سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں کبار صحابہ رائے ومشورہ کی حیثیت سے شریک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صاحب رائے وتجربہ کار صحابہ کو بھی دارالخلافت سے جدا نہ ہونے دیا۔ حضرت اسامہ ﷛ کی مہم میں حضرت عمر ﷛ کو خود رسول اللہ ﷺ نے نامزد کیا تھا۔ لیکن انہوں نے حضرت اُسامہ ﷛ کو راضی کیا کہ حضرت عمر ﷛ کو رائے ومشورہ میں مدد دینے کیلئے چھوڑ جائیں۔

ملکی نظم ونسق

نوعیتِ حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم ونسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا، عہدوں کی تقسیم اور عہدیداروں کا صحیح انتخاب ہے۔ حضرت ابوبکر کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابھی ابتداء ہوئی تھی اس لئے ان کے دائرۂ حکومت کو صرف عرب پر محدود

سمجھنا چاہئے۔انہوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا۔چنانچہ مدینہ، مکہ، طائف، صنعا، نجران، حضر موت، بحرین، اور دومۃ الجندل علیحدہ علیحدہ صوبے تھے۔ ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا۔البتہ خاص دار الخلافہ میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کیے گئے تھے۔مثلاً حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاضی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وحضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت دربار خلافت کے کاتب تھے،ان حضرات کا الگ الگ تذکرہ کیا جارہا ہے۔

عاملوں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابوبکر نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہدِ نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے اوران سے ان ہی مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے بھی کام کر چکے تھے۔مثلاً عہدِ نبوت میں مکہ پر عتاب بن اُسیدؓ، طائف پر عثمان بن ابی العاصؓ، صنعاء پر مہاجر بن اُمیہؓ، حضر موت پر زیاد بن لبیدؓ، اور بحرین پر علاء بن الحضرمی مامور تھے۔اس لئے خلیفۂ اول نے بھی ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا۔

حکام کی نگرانی

کسی حکومت کا قانون وآئین گو کیسا ہی مرتب ومنتظم ہو،لیکن اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی اوران پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اول کو اپنی فطری نرم دلی، تساہل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر تشدد، احتساب اور نکتہ چینی سے کام لینا پڑا۔ذاتی معاملات میں رفق وملاطفت ان کا خاص شیوہ تھا لیکن انتظام ومذہب میں اس قسم کی مداہنت کو کبھی روا،نہ رکھتے تھے۔چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتی۔

تعزیر وحدود

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے، چنانچہ عہد نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے ان کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو بولے ”تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟“ اس نے کہا

نہیں۔فرمایا ''خدا سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو، خدا بھی اس کو چھپائے گا، کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے''۔اگر اس نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا۔لیکن خود دربارِ رسالت ﷺ میں آ کر اس نے متواتر چار دفعہ اقرارِ جرم کیا اور بخوشی سنگسار ہوا۔

زمانہ خلافت میں بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی۔چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعیِ نبوت تھا جب گرفتار ہو کر آیا اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اس کو رہا کر دیا بلکہ اپنی ہمشیرہ حضرت اُم فروہؓ سے اس کا نکاح کر دیا۔

لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفۂ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ انہوں نے پولیس و احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اُن کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی، البتہ اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں۔مثلاً حدِ خمر کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل مختلف تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے اپنے دورِ خلافت میں شرابی کے لئے چالیس دُرّے کی سزا لازمی کر دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے، مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ حوالیِ مدینہ میں ایک شخص علت اُبنہ میں مبتلا ہے، چونکہ اہل عرب کے لئے ایک جدید جرم تھا اور حدیث و قرآن میں اس کی کوئی سزا مقرر نہ تھی اس لئے حضرت ابوبکر ﷺ نے تمام صحابہ سے مشورہ کیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلانے کی رائے دی، اور تمام صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا۔

ان کو ملک میں امن و امان اور شاہراہوں کو محفوظ و بے خطر رکھنے کا حد درجہ خیال رہتا تھا اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا اس کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دیتے تھے۔چنانچہ اس زمانہ میں عبداللہ بن ایاس سلمی مشہور راہزن تھا، جس نے تمام ملک میں ایک غدر

برپا کر رکھا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے طریفہ بن حاجز کو بھیج کر نہایت اہتمام کے ساتھ اس کو گرفتار کرایا۔ اور آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ حدودِ شریعت سے تجاوز کسی حالت میں جائز نہیں رکھتے تھے اور ان موقعوں پر ان کا طبعی حلم وکرم صاف نمایاں ہو جاتا تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ نے جو یمامہ کے امیر تھے، دو گانے والی عورتوں کو اس جرم پر کہ ان میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی تھی اور دوسری مسلمانوں کو بُرا کہتی تھی، یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور دانت اُکھڑوا ڈالے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس سزا پر سخت برہمی فرمائی اور لکھا کہ بے شک انبیاء کا سب وشتم ایک نہایت قبیح جرم ہے اور اگر سزا میں تم عجلت نہ کرتے تو میں قتل کا حکم دیتا کیونکہ وہ اگر مدعی اسلام ہے تو گالی دینے سے مرتد ہوگئی اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلاف عہد کیا۔ لیکن دوسری جو صرف مسلمانوں کو بُرا کہتی تھی اس کو کوئی سزا نہ دینا چاہئے تھی۔ کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لئے معمولی تنبیہ وتادیب کافی تھی اور اگر ذمیہ ہے تو جب میں نے اس کے شرک سے جو سب سے بڑا گناہ ہے درگزر کیا تو مسلمانوں بُرا کہنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ بہرحال یہ تمہاری پہلی خطا نہ ہوتی تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔ دیکھو، مثلہ سے ہمیشہ محترز رہو۔ یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے۔ مجبوراً صرف قصاص میں مباح ہے۔

فوجی نظام

عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرام خود ہی شوق سے علمِ جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی یہی صورتحال باقی رہی۔ لیکن انہوں نے اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرما دیتے۔ چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا۔ یعنی قومی

حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور ان کے جھنڈے الگ الگ تھے۔ امیر الامراء کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفۂ اول کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔

دستہ بندی کا صریح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رومیوں کی باقاعدہ فوج کے مقابلہ میں اس سے بڑی مدد ملی۔ یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تعبیہ کا طریقہ ایجاد کیا اور میدانِ جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کر دیا۔ اسی طرح حالت جنگ میں کسی ترتیب و نظام کے نہ ہونے سے فوج میں اَبتری پھیل جاتی تھی اس کا سدّ باب ہو گیا۔

فوج کی اخلاقی تربیت

رسول اللہ یا خلفائے راشدین کے عہد میں جس قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب للّٰہیت اور اعلائے کلمۃ اللہ پر مبنی تھیں۔ اس لئے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصدِ عظیم کے لئے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت میں تمام دنیا کی فوجوں سے ممتاز ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی فوجی تربیت میں اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب بھی فوج کسی مہم پر روانہ ہوئی تو خود دور تک پیادہ ساتھ گئے اور امیر لشکر کو زریں نصائح کے بعد رخصت فرمایا۔ چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو سپہ سالار سے فرمایا:

"تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کیلئے وقف کر دیا ہے۔ ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدل نہ ہو جانا۔"

سامانِ جنگ کی فراہمی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سامانِ جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام فرمایا تھا

کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ سامان باربرداری اور اسلحہ کی خریداری پر صَرف فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک نے مالِ غنیمت میں، خدا، رسول اور ذوی القربیٰ کے جو حصے قرار دیئے تھے ان کو فوجی مصارف کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضروری مصارف کے بعد اس کو اسی کام میں لگاتے تھے۔

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لئے مقام بقیع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کرائی جس میں ہزاروں جانور پرورش پاتے تھے، مقامِ زبدہ میں بھی ایک چراگاہ تھی جس میں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔

فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضعف و پیری و ہجومِ افکار کے باوجود خود ہی چھاؤنیوں کا معائنہ فرماتے تھے اور سپاہیوں میں مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی ان کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مہم کے لئے مقامِ جرف میں فوجیں مجتمع ہوئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ بنی فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ انہوں نے ہر ایک کو مرحبا کہا۔ ان لوگوں نے عرض کی "یا خلیفۂ رسول اللہ ہم لوگ گھوڑوں پر خوب چڑھتے تھے اس لئے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ فرمایا "خدا تمہاری ہمت و ارادہ میں برکت دے لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا۔ کیونکہ وہ بنو عبس کے حصہ میں آ چکا ہے۔" اس پر ایک فزاری نے کھڑے ہو کر کہا: "ہم لوگ عبس سے اچھے ہیں"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ کر کہا: "چپ احمق، تجھ سے ہر ایک عبسی اچھا ہے"۔ بنو عبس بھی کچھ بولنا چاہتے تھے مگر انہیں بھی ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔ غرض اسی طرح چھاؤنیوں میں جا کر قبائل کے باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے۔

بدعات کا سدِّ باب

تمام مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصلی وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزوِ مذہب

ہو کر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہیں کہ بانیانِ مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت طرازیوں میں امتیاز و تفریق بھی دشوار ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں تاہم جب کسی بدعت کا ظہور ہوا تو انہوں نے اس کو مٹا دیا۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلہ احمس کی عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتی، انہوں نے اس کی وجہ پوچھی، لوگوں نے کہا اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آ جاؤ اور بات چیت کرو"۔ اس نے کہا آپ کون ہیں؟ بولے ابوبکر!

خدمتِ حدیث و محکمہ افتاء

ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریباً پانچ سو حدیثیں جمع فرمائی تھیں، لیکن وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلافِ واقعہ ہو تو یہ بار میرے سر رہ جائے گا۔ لیکن علامہ ذہبیؒ نے اس خیال کی تغلیط کی ہے۔ بایں ہمہ انہوں نے احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوبکر نے مسائل فقہیہ کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے افتاء کا ایک محکمہ قائم کر دیا تھا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ ابن جبل، حضرت اُبی بن کعب، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جو اپنے علم و اجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ میں منتخب تھے، اس خدمت پر مامور تھے، ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔

حضرت عمر ؓ کا بطور قاضی تقرر

مسعر سے روایت ہے کہ جب ابوبکر ؓ خلیفہ ہوئے تو ابوعبیدہ ؓ نے کہا کہ میں آپ کی طرف سے محکمہ مال کی خدمات انجام دوں گا اور عمر ؓ نے کہا میں آپ کی طرف سے عدالت کی خدمات انجام دوں گا۔ عمر ؓ دو سال تک انتظار کرتے رہے اس عرصے میں

دو آدمی بھی آپ کے پاس اپنا مقدمہ لے کے نہیں آئے اور بعض لوگوں کا بیان یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی بنا دیا تھا، عمر رضی اللہ عنہ ایک سال منتظر رہے اس عرصے میں ایک شخص بھی آپ کے پاس اپنا جھگڑا لیکر نہ آیا۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بطور کاتب

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کاتب زید بن ثابت تھے اور خبریں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لکھتے تھے اور کبھی اگر کوئی اور شخص موجود ہوتا اس سے لکھا لیتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عامل

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکے کے عامل عتاب بن اسید تھے۔ طائف کے عامل عثمان بن ابی لبید تھے۔ صنعاء کے عامل مہاجرین ابی امیہ تھے۔ حضرموت کے عامل زیاد بن لبید تھے۔ خولان کے عامل لیلیٰ بن امیہ تھے۔ زبید اور رمع کے عامل ابو موسیٰ اشعری تھے۔ جند کے عامل معاذ بن جبل تھے۔ بحرین کے عامل العلاء بن الحضرمی تھے اور عبداللہ بن ثور کو جو بنی غوث میں سے تھے آپ نے جرش کی طرف بھیجا تھا اور عیاض بن غنم فہری کو آپ نے دومتہ الجندل کی طرف بھیجا تھا اور شام میں ابوعبیدہ، شرجیل بن حسنہ، یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص مامور تھے۔ یہ سب ایک ایک لشکر کے امیر تھے اور ان سب کے امیر خالد بن الولید تھے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ سخی، نرم مزاج اور انساب عرب کے ماہر تھے۔ حیان صائغ کی روایت ہے کہ ابوبکرؓ کی مہر پر نعم القادر اللہ کندہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ابوقحافہ ابوبکرؓ کی وفات کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہے۔ انہوں نے ستانوے سال کی عمر میں محرم ۱۴ھ میں مکے میں وفات پائی۔

عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مشورہ

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض الموت کے زمانے میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب آپ نے اس کا ارادہ کیا اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا تھا۔

چنانچہ واقدی کی روایت ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے وقت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور اُن سے کہا بتلاؤ عمرؓ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا اے خلیفہ رسولؐ وہ اوروں کی بہ نسبت آپ کی رائے سے بھی افضل ہیں مگران کے مزاج میں ذرا سختی ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا یہ شدت اس وجہ سے تھی کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے تھے جب حکومت ان کے سپرد ہوگی تو وہ اس قسم کی اکثر باتیں چھوڑ دیں گے۔ اے ابومحمد میں نے ان کو بغور دیکھا ہے کہ جس وقت میں کسی وقت میں کسی شخص پر کسی معاملے میں غضبناک ہوتا تھا تو عمرؓ مجھ کو اس سے راضی ہونے کا مشورہ دیتے تھے اور جب کبھی میں کسی پر نرم ہوتا تھا تو وہ مجھ کو اس پر سختی کا مشورہ دیتے۔ اے ابومحمد یہ باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں تم ان کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا عبدالرحمٰن نے کہا بہت اچھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشورہ

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن عفان کو بلایا اور ان سے کہا اے ابوعبداللہ مجھے بتاؤ کہ عمرؓ کیسے ہیں۔ عثمانؓ نے کہا کہ آپ ان کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا ہاں اے ابوعبداللہ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ پھر آپ نے کہا بار الٰہی! میں عمرؓ کے باطن کو ان کے ظاہر سے بہتر سمجھتا ہوں۔ ہم میں ان جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔ پھر ابوبکرؓ نے کہا اے ابوعبداللہؓ اللہ تم پر رحم فرمائے ان باتوں کا تم کسی سے ذکر نہ کرنا عثمانؓ نے کہا بہت اچھا۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نے کہا اگر میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا تو تمہیں نہیں چھوڑوں گا مجھے معلوم نہیں ممکن ہے عمرؓ اس کو قبول نہ کریں۔ ان کے لئے تو یہی بہتر ہے کہ وہ تمہاری حکومت کا بار اپنے سر پر نہ لیں۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ میں تم لوگوں کے اس معاملے سے بے تعلق رہتا اور اپنے پیشرو کے طریقے کو اختیار کرتا۔ اے ابوعبداللہ میں نے جس کام کے لئے تمہیں بلایا ہے اور عمرؓ کے متعلق جو کچھ تم سے کہا ہے تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔

خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابوالسفر کی روایت

ابوالسفر کی روایت ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے گوشے سے دیکھا۔ اسماء بنت عمیس

جن کے ہاتھ گودے ہوئے تھے آپ کو پکڑے ہوئے تھیں۔ آپ نے کہا لوگو! میں جس شخص کو تم پر خلیفہ بنانا چاہتا ہوں کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کیونکہ میں نے اس کے متعلق غور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور نہ میں نے اپنے کسی رشتہ دار کا انتخاب کیا۔ میں نے عمرؓ بن الخطاب کو تمہارا خلیفہ بنایا ہے تم ان کا حکم سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ یہ سن کر سب نے کہا ہم بسر و چشم منظور کرتے ہیں اور ہم ان کی اطاعت کریں گے۔

خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کی تحریر

قیس کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب بیٹھے ہیں ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ تم اپنے خلیفہ کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے تمہاری بھلائی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اس وقت عمرؓ کے پاس ابوبکرؓ کا غلام بیٹھا ہوا تھا جس کو لوگ شدید کہتے تھے اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس میں عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حکم درج تھا۔

محمد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو تخلیے میں بلایا اور ان سے کہا لکھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ عہد نامہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے نام لکھا ہے۔ اما بعد۔ اس کے بعد ابوبکرؓ پر غشی طاری ہو گئی اور وہ بے خبر ہو گئے اس لئے عثمانؓ نے یہ لکھ دیا اما بعد میں تم پر عمرؓ بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں میں نے حتی المقدور تمہاری خیر خواہی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ پھر ابوبکرؓ ہوش میں آ گئے۔ آپ نے عثمانؓ سے کہا سناؤ تم نے کیا لکھا ہے۔ عثمانؓ نے پڑھ کر سنایا ابوبکرؓ نے تکبیر پڑھی اور کہا میں سمجھتا ہوں کہ شاید تمہیں فکر ہوا کہ اگر اس غشی میں میری روح پرواز کر گئی تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ عثمان نے کہا ہاں میں نے یہی خیال کیا تھا ابوبکرؓ نے کہا اللہ تمہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نے اس مضمون کو وہیں تک برقرار رکھا۔

ابوبکرؓ کی عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے خلافت کے متعلق گفتگو

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرض الموت

کے زمانے میں ان کے پاس گئے اوران کو کچھ غمگین پایا۔ عبدالرحمٰن نے آپ سے کہا خدا کا شکر ہے کہ آپ کی تندرستی کے ساتھ صبح ہوئی ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا تم اس بات کو دیکھ رہے ہو؟ عبدالرحمٰن نے کہا ہاں ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے تمہاری حکومت ایک ایسے شخص کے حوالے کی ہے جو میرے نزدیک تم سب سے بہتر ہے مگر اس سے تم سب کی ناکیں پھول گئیں۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ منصب خود اسے مل جائے۔ اب تم لوگوں نے دولت دنیا کو آتے دیکھ لیا ہے دنیا جب آئے گی تو اس وقت تم ریشم کے پردے اور دیباج کے گدے استعمال کروگے اور اذری اون پر لیٹے ہوئے تمہیں ایسے تکلیف ہوگی جیسے کسی کو کانٹوں پر لیٹنے سے ہوتی ہے۔ دنیا داری میں گرفتار ہونے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ حد شرعی کے بغیر تمہاری گردن اڑا دی جائے۔ تم ہی لوگوں کو سب سے پہلے گمراہ کرنے اور راہ راست سے ہٹانے والے ہوا ے راہ مستقیم دکھانے والے بلاشبہ وہ یا تو صبح کی روشنی کی طرح ہے یا ڈبونے والے سمندر کی مانند ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے کہا امیر المومنین اس قدر جوش میں نہ آئیں اس سے آپ نڈھال ہوئے جا رہے ہیں۔ لوگ دو خیال رکھتے ہیں یا تو ان کے رائے بھی وہی ہے جو آپ کی ہے تو وہ آپ کے ساتھ ہیں یا آپ صرف خیر خواہی چاہتے ہیں آپ ہمیشہ صالح اور مصلح رہے ہیں اور آپ کے دل میں دنیا کی کسی چیز کی حسرت نہیں ہے۔

تین چیزیں جو وہ نہ کرنا چاہتے تھے

ابوبکرؓ نے کہا کہ ہاں میرے دل میں دنیا کی کوئی حسرت نہیں ہے مگر تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے کی ہیں کاش میں وہ نہ کرتا اور تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے چھوڑی ہیں کاش میں ان کو کرتا اور تین چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق کاش میں رسول اللہ ﷺ سے ان کے متعلق دریافت کر لیتا۔ وہ تین چیزیں جن کو میں چھوڑ دیتا تو اچھا ہوتا یہ ہیں کہ کاش میں فاطمہ کا گھر نہ کھولتا اگرچہ وہ لوگ جنگ کے لیے اس کا دروازہ بند کرتے اور کاش میں الفجاء اسلمی کو نہ جلاتا بلکہ یا تو اس کو باندھ کر قتل کر دیتا یا آزاد چھوڑ دیتا اور کاش بنی سقیفہ کے روز میں اس خدمت کو دو میں سے کسی ایک شخص کے گلے میں ڈال دیتا۔ ابوبکر ؓ کا اشارہ عمر ؓ اور

ابوعبیدہ ﷛ کی طرف تھا دونوں میں سے کوئی ایک امیر ہوتا اور میں وزیر ہوتا۔

تین چیزوں کے کرنے کی خواہش

اور جو چیزیں مجھ سے چھوٹ گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ کاش جب اشعث میرے سامنے قید کر کے لایا گیا تھا میں اس کی گردن مار دیتا کیونکہ بعد میں میں نے دیکھا کہ جو بُرا کام اس کو نظر آتا ہے وہ اس کا مددگار بن جاتا ہے اور کاش جب میں نے خالدؓ کو مرتدین کے مقابلے کے لئے روانہ کیا تھا اس وقت میں ذی القصہ میں جا کر قیام کرتا اگر مسلمان فتح یاب ہوتے تو خیر اور اگر شکست پاتے تو میں مقابلے کے لئے تیار ہوتا یا مددگار بن جاتا اور کاش جب میں نے خالدؓ بن الولید کو شام کی طرف بھیجا تھا اس وت عمرؓ بن الخطاب کو عراق کی طرف بھیج دیتا اور اس طرح خدا کی راہ میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا۔ یہ کہہ کر ابوبکرؓ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔

تین باتیں جو رسول اکرم ﷺ سے نہ پوچھ سکا

اور کاش میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیتا کہ یہ امارت کس کو ملنی چاہئے تا کہ پھر کسی کو نزاع کا موقع نہ ملتا اور کاش میں آپ سے پوچھ لیتا کہ انصار کے لیے اس حکومت میں کچھ حصہ ہے یا نہیں۔ بھتیجی اور پھوپی کی میراث کے متعلق دریافت کر لیتا کیونکہ میرے دل میں اس کے متعلق کچھ بے اطمینانی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے روزمرہ کے معمولات

ابوبکرؓ امیر المومنین ہونے سے پہلے تجارت کرتے تھے اور اس وقت ان کا مکان سُنح میں تھا مگر پھر وہ مدینے میں منتقل ہو گئے تھے۔ عائشہؓ کی روایت ہے کہ میرے والد سُنح میں اپنی بیوی حبیبہ کے پاس رہتے تھے۔ حبیبہ کا شجرہ نسب یہ ہے حبیبہ بنت خارجہ بن زید بن ابی زہیر جو بنی الحارث بن الخزرج سے تھے۔ ابوبکرؓ نے اس مکان پر کھجور کی شاخوں سے ایک حجرہ بنایا تھا ابھی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بنا پائے تھے کہ مدینے میں اپنے مکان میں منتقل

ہو گئے۔ بیعت خلافت کے بعد چھ مہینے تک آپ سُنح ہی میں رہے اور ہر روز صبح کو پیدل مدینے آتے رہے اور کبھی کبھی گھوڑے پر جاتے تھے۔ ان کے جسم پر ایک تہمد اور ایک پُرانی چادر ہوتی تھی۔ آپ مدینے پہنچ کر لوگوں کو نماز پڑھاتے اور عشاء کی نماز پڑھا کر اپنے گھر سُنح کو واپس چلے جاتے۔ جب آپ آتے تو خود نماز پڑھاتے اور جب نہ آتے تو عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے اور جمعہ کے روز دن چڑھے تک سُنح میں رہتے۔ سر اور ڈاڑھی کو خضاب لگاتے اور جمعہ کی نماز کے وقت آ کر لوگوں کو نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تجارت

ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارت پیشہ آدمی تھے۔ آپ ہر روز صبح کو بازار جاتے خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے پاس بکریوں کا ایک ریوڑ تھا کبھی آپ خود اس کو چرانے کے لئے لے جاتے اور کبھی آپ کا یہ کام کوئی اور شخص کر دیتا تھا۔ آپ قبیلے والوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے چنانچہ جب آپ خلیفہ ہوئے تو قبیلے کی ایک لڑکی نے کہا کہ اب ہمارے گھر کی بکریاں نہیں دوہی جائیں گی۔ اس کی یہ بات ابوبکرؓ نے سن لی۔ آپ نے کہا ہاں بخدا میں تمہاری بکریاں ضرور دوہوں گا اور مجھے امید ہے کہ اس منصب سے میری سابقہ عادات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ چنانچہ خلیفہ ہو کر بھی ابوبکرؓ قبیلے کی بکریوں کا دودھ نکالتے رہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ قبیلے کی لڑکی سے پوچھتے کہ اگر تم چاہو تو تمہاری بکریاں میں چرالاؤں یا تم کہو تو ان کو کھول کر چھوڑ دوں۔ لڑکی کبھی کہتی آپ ان کو چرا لایئے اور کبھی کہتی ان کو چھوڑ دیجئے۔ چنانچہ جیسا وہ کہتی آپ اس کی مرضی کے مطابق کر دیا کرتے۔ سُنح ... قیام کے زمانے میں چھ مہینے تک آپ کا یہی طریقہ رہا۔ پھر آپ مدینے اُٹھ آئے اور ...ہیں قیام کر لیا۔ اپنے فرائض خلافت اور مسئلہ معاش پر غور کیا اور کہا بخدا لوگوں کے معاملات ...ی نگرانی کے ساتھ تجارت نہیں ہو سکتی۔ اس خدمت کے لئے فارغت اور پوری توجہ کی ...ضرورت ہے۔ ادھر میرے اہل و عیال کے لئے بھی کچھ پیشہ ہونا ضروری ہے اس لئے آپ ...نے تجارت ترک کر دی اور بیت المال سے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات کے لئے

روزانہ خرچ لینے لگے۔ لوگوں نے آپ کے ذاتی اخراجات کے لئے سالانہ چھ ہزار درہم کی رقم منظور کی تھی۔

بیت المال کے بقایا سامان کی واپسی

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا بیت المال کا جو کچھ سامان ہمارے پاس ہے وہ سب واپس کر دو کیونکہ میں اُس مال میں سے اپنے ذمے کچھ رکھنا نہیں چاہتا۔ میری وہ زمین جو فلاں مقام پر واقع ہے وہ اس رقم کے عوض دے دو جو آج تک میں نے بیت المال سے لی ہے چنانچہ وہ زمین ایک اونٹنی، ایک قلعی گر غلام اور کچھ غلہ جس کی قیمت پانچ درہم ہوگی یہ سب چیزیں عمرؓ کو دے دی گئیں۔ عمرؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ نے اپنے بعد آنے والوں کو کس قدر مشکل میں مبتلا کر دیا ہے۔

بیت المال کی کل رقم

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ حساب لگاؤ کہ جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں میں نے بیت المال کی کتنی رقم خرچ کی ہے جو جتنا میزان ہے اس کو میری جائیداد سے وصول کر لو۔ چنانچہ حساب لگایا گیا تو پورے زمانہ خلافت کی رقم آٹھ ہزار درہم نکلی۔

طلحہ رضی اللہ عنہ کا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اعتراض

اسم بنت عمیس کہتی ہیں کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا آپ نے عمرؓ کا لوگوں پر خلیفہ بنایا ہے حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو موجودگی میں لوگوں کو ان سے کیسی کیسی تکلیفیں پہنچتی رہی ہیں اب جب سب کچھ ان کے ہاتھ ہوگا تو نہ جانے کیا حالت ہوگی۔ آپ خدا کے سامنے جا رہے ہیں وہ آپ سے آپ کی رعایا کے حقوق کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ ابوبکرؓ لیٹے ہوئے تھے۔ یہ سن کر آپ نے کہا مجھے بٹھا دو۔ لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا آپ نے طلحہ سے کہا تم مجھے خدا سے ڈراتے ہو تم مجھے خدا کا خوف دلاتے ہو۔ یاد رکھو جب میں خدا کے سامنے جاؤں گا اور وہ مجھ سے باز پرس کرے گا تو میں

کہوں گا میں نے تیری مخلوق پر ان میں سے بہترین شخص کو خلیفہ بنایا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ اور لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی

شام کے علاقوں میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مارے گئے تھے، حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جذبۂ انتقام سے سرشار تھے اور اپنے والد کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ پھر جب آنحضورﷺ کی بیماری کی شدت اختیار کر گئی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے خود ہی مستثنیٰ فرما دیا۔ اسے "البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ ص ۳۰۴ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ بیماری کی شدت اور طول کی وجہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ متوقف ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ اس وقت جو مصیبت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ پر نازل ہوئی وہ اس کی نظیر سے اس سے پہلے آشنا نہ ہوئے تھے، یہ مصیبت ان کے لئے بے نظیر مصیبت تھی جس کے لئے وطن چھوڑے، گھر بار چھوڑے، جائیدادیں اور کاروبار ترک کیے، عزیز و اقارب سے کنارہ کشی اختیار کی اس کی جدائی کا صدمہ حدِ بیان سے یقیناً باہر ہے، اندریں حالات صحابہ کرام کا انتخابِ خلیفہ کے فریضہ سے عہدہ برآ ہونا ایک کرامت ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا واضح معجزہ ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق کے دستِ حق پرست پر تمام مہاجرین اور انصار بیعت کر چکے تو آپ نے سب سے پہلے لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا ارادہ کیا، اکثر صحابہ کرام نے خصوصاً حضرت عمرؓ نے عرض گذاری کی یہ وقت اتنے بڑے لشکر کی روانگی کا نہیں ہے کیونکہ مدینہ کے اردگرد کے دیہاتی سردار باغی ہو رہے ہیں اور مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مناسب ہے کہ پہلے نزدیکی خطرات کا خیال کیا جائے، پھر جب امن قائم ہو جائے تو بلقائے شام کی جانب لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا جائے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جس لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلقائے شام کے لئے تیار کیا ہے میں اس کو ہرگز نہیں روک سکتا اگرچہ اس لشکر کے روانہ ہو جانے کے بعد میری بوٹی بوٹی، ہو جائے اور پرندے اور درندے ایک ایک بوٹی کر کے کھا جائیں۔ اگر تمام مسلمان مجھے چھوڑ جائیں اور میں تنہا رہ جاؤں تو بھی میں حسب

فرمودۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ کو ادھر ہی روانہ کروں گا جدھر کا آپ نے حکم دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی سے متعلق استقامت آنکھ والے کے لئے ایک زندہ کرامت ہے۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کام بھی کرتے حضرت عمرؓ کے مشورے پر کرتے تھے اس واقعہ میں ان کے لئے عبرت کے کافی سامان موجود ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ کے روکنے پر بھی آپ نہیں رکے اور لشکرِ اسامہ کو روانہ کر کے ہی دم لیا۔ وہ نظارہ بھی قابلِ دید تھا جب مقام جرف میں خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور لشکر کو چلنے کا حکم دیا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ پاپیادہ چل رہے ہیں اور نصیحتیں ارشاد فرما رہے ہیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ اے خلیفۂ رسولؐ خدا یا آپ بھی سوار ہو جائیں اور یا میں بھی اونٹ سے اتر کر پاپیادہ چلوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا۔ نہ تم سواری سے اترو گے اور نہ ہی میں سواری پر بیٹھوں گا، بس آپ اتنی مہربانی کریں کہ عمرؓ بن خطاب کو میرے پاس رہنے کی اجازت بخشیں چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت عطا فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر بلقائے شام کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس نازک وقت میں لشکر کی روانگی سے ملک میں رعب چھا گیا۔ جہاں جہاں سے یہ لشکر گذرتا تھا لوگ آپس میں کہتے تھے کہ اگر مسلمانوں میں کچھ کمزوری ہوتی تو وہ اس وقت مدینہ منورہ سے اس قدر دور کے علاقہ میں لشکر نہ بھیجتے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس فوجی طاقت کافی ہے، اس خیال نے بہت سے قبائل کی اصلاح کر دی۔

سالارِ لشکر کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نصیحت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد لشکرِ اسامہ نے کوچ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس

دن خود جرف پہنچے اور کچھ دور تک لشکر کے ساتھ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ پیدل تھے اور اسامہؓ سوار تھے حضرت اسامہؓ نے عرض کیا' آپؓ سوار ہو جائیں ورنہ میں اتر جاؤں گا۔ اس پر ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم! نہ تم اترو گے اور نہ میں سوار ہوں گا۔ اگر میں اپنے پاؤں اللہ کی راہ میں ایک گھڑی غبار آلود کرلوں تو میرا کیا نقصان ہوگا غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس کی سات سو خطائیں معاف ہوتی ہیں اور اس کو سات سو درجات حاصل ہوتے ہیں۔

واپس ہونے لگے تو اسامہؓ سے فرمایا' اگر مناسب سمجھو تو عمر رضی اللہ عنہ کو میری مدد کے لئے چھوڑ جاؤ' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ اس کے بعد لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تم کو دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔

(۱) خیانت نہ کرنا' فریب نہ دینا' عہد شکنی نہ کرنا

(۲) بزدلی نہ دکھانا

(۳) کسی کی لاش کو نہ بگاڑنا۔

(۴) بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔

(۵) کھجوروں اور پھل لانے والے درختوں کو نہ کاٹنا۔

(۶) آبادیوں کو نہ اجاڑنا۔

(۷) بھیڑ بکری گائے یا اونٹ کو کھانے کی غرض کے سوا ذبح نہ کرنا۔

(۸) تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو دنیا کو چھوڑ کر خانقاہوں وغیرہ میں عبادت کے لئے بیٹھے ملیں گے' ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

(۹) تم ایسے لوگوں سے بھی ملو گے جو تمہارے پاس طرح طرح کے کھانے لا کر آئیں گے' جب تم اس میں سے کھاؤ تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔

(۱۰) تم کو ایک جماعت ایسی بھی ملے گی جن کے سروں پر شیطان نے گھونسلہ بنا رکھا ہے۔ ان کو تلواروں سے کاٹ دینا' اب خدا کے نام سے روانہ ہو جاؤ' وہ تمہیں دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے بچائے۔

ایک روایت یہ بھی ہے جب اسامہؓ نے دیکھا کہ ان کے خلاف چہ میگوئیاں کی جارہی ہیں تو انہوں نے عمرؓ سے کہا آپ ابوبکرؓ کے پاس جایئے اور ان سے کہیے کہ وہ لشکر کی روانگی کا حکم منسوخ کر دیں تا کہ بڑھتے ہوئے فتنوں کے مقابلے میں یہ لشکر مدومعاون ہو سکے اور مرتدین کو آسانی سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔ ادھر انصار نے عمرؓ سے کہا اگر ابوبکرؓ لشکر کو روانہ کرنے ہی پر مصر ہوں تو ہماری طرف سے ان کی خدمت میں یہ درخواست کریں کہ وہ کسی ایسے آدمی کو لشکر کا سردار مقرر فرمائیں جو عمر میں اسامہؓ سے بڑا ہو۔

حضرت عمرؓ نے جا کر سب سے پہلے اسامہؓ کا پیغام دیا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا:

"اگر جنگل کے کتے اور بھیڑیئے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں تو بھی وہ کام کرنے سے باز نہ آؤں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔"

ابوبکرؓ کی ناراضی

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انصار کا پیغام دیا۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے غضب ناک ہو کر فرمایا۔

"اے ابن خطاب! اسامہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر مقرر فرمایا ہے اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں اسے اس کے عہدے سے ہٹادوں؟"

حضرت عمرؓ پریشان ہو کر سر جھکائے واپس چلے آئے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ ابوبکرؓ نے کیا جواب دیا تو انہوں نے بڑے غصے سے کہا:

"میرے پاس سے فوراً چلے جاؤ۔ محض تمہاری بدولت مجھے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ سے جھڑکیاں کھانی پڑیں۔"

اس واقعے سے اس مسلک کی ایک جھلک ہمارے سامنے آتی ہے جس پر ابوبکرؓ ابتداء خلافت سے آخر وقت تک گامزن رہے۔ اسی جھلک کا مظاہرہ آپ نے اس وقت کیا

جب فاطمۃ الزہراؓ بنت رسول اللہ ﷺ آپ سے اپنے والد کی میراث کا مطالبہ کرنے آئی تھیں۔ آپ نے فرمایا:

''واللہ! مجھ پر یہ فرض ہے جو کام میں رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھ چکا ہوں خود بھی وہی کروں اور اس سے سرِ مو انحراف نہ کروں۔''

اور یہی نمونہ آپ نے اسامہؓ کے لشکر کو بھیجتے وقت دکھایا۔

لشکر کو روانگی کا حکم

معترضین کے اعتراضات کو رد فرمانے کے بعد ابوبکرؓ نے اسامہؓ کے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ مدینہ کا کوئی شخص جو اس لشکر میں شامل تھا، پیچھے نہ رہے بلکہ مدینہ سے نکل کر مقام جرف میں لشکر سے مل جائے۔ آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! میں تمہاری مانند ایک انسان ہوں۔ میں نہیں جانتا آیا تم مجھ پر وہ بوجھ رکھو گے جس کے اٹھانے کی طاقت صرف رسول اللہ ﷺ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں سے رسول اللہ ﷺ کو منتخب فرمایا تھا اور تمام آفات سے آپ کو محفوظ رکھا تھا۔ میں تو صرف آپ کی پیروی کرنے والا ہوں، کوئی نئی چیز تمہارے سامنے پیش کرنے والا نہیں۔ اگر میں سیدھا رہوں تو میری پیروی کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔''

یہ تھا خلیفۂ اول کا نظریۂ سیاست۔ انہوں نے واقعی اس سے کبھی انحراف نہ کیا اور سب لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیار کی۔ آپ کی زندگی میں جس قلبی تعلق کا ثبوت حضرت ابوبکرؓ نے دیا اس کا حال گزشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جو ایمان انہیں تھا اسے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی متزلزل نہ کر سکتی تھی اور آپ سے جو قلبی و روحانی تعلق تھا اس کی نظیر روئے زمین پر کوئی نہیں پائی جاتی۔

حضرت ابوبکرؓ آپ کی اطاعت کامل ایمان اور یقین سے کرتے تھے اور اس

ایمان و اخلاص میں انہوں نے جس قدر ترقی کی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی گرد کو نہ عمرؓ پہنچ سکے، نہ علیؓ اور نہ کوئی اور شخص۔

روانگی لشکر کی تیاریاں

جرف پہنچ کر جب عمرؓ نے لوگوں کو ابوبکرؓ کے جواب سے مطلع کیا تو انہیں خلیفہ کے احکام کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ابوبکرؓ بھی جرف تشریف لائے اور اپنے سامنے لشکر کو رخصت کیا۔ روانگی کے وقت لوگوں نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ اسامہؓ سوار ہیں اور خلیفہ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اسامہؓ کی تعظیم و تکریم کا جذبہ پیدا ہو اور وہ آئندہ اپنے سردار کے تمام احکام کی تعمیل بے چون وچرا کیا کریں۔

اسامہؓ کو بڑی شرم آئی کہ وہ تو گھوڑے پر سوار ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا سب سے محبوب ساتھی، خلیفۃ المسلمین اور مسلمانوں کا سب سے قابل تعظیم شخص بڑھاپے کے باوجود پیدل چل رہا ہے۔ انہوں نے کہا:

"اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ! آپ بھی سوار ہو جائیے۔ ورنہ میں اتر پڑتا ہوں۔"

ابوبکرؓ نے جواب دیا:

"واللہ! نہ تم اترو گے نہ میں سوار ہوں گا۔ کیا ہوا اگر میں نے ایک گھڑی اپنے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود کر لئے۔"

جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو انہوں نے اسامہ سے کہا:

"اگر تم چاہو تو میری مدد کے لئے عمرؓ کو چھوڑتے جاؤ۔"

اسامہ نے بڑی خوشی سے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دے دی۔

لشکر کو نصیحتیں

واپسی کے وقت ابوبکرؓ فوج کے سامنے کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی:

"اے لوگو! ٹھہر جاؤ۔ میں تمہیں دس نصیحتیں کرتا ہوں، انہیں یاد رکھو۔
خیانت نہ کرنا۔ بدعہدی نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ مقتولوں کے اعضا نہ کاٹنا۔ بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے درخت نہ کاٹنا نہ جلانا۔ پھل والے درخت نہ کاٹنا۔ کسی بھیڑ، گائے یا اونٹ کو سوا کھانے کے ذبح نہ کرنا۔ تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجاؤں میں عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے اور وہ رات دن انہی میں بیٹھے عبادت کرتے رہتے ہیں، تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ تم ایسے لوگوں کے پاس پہنچو گے جو تمہارے لئے برتنوں میں مختلف کھانے لائیں گے جب بھی کھانا شروع کرنا اس پر اللہ کا نام ضرور لے لیا کرنا۔ تم ایسے لوگوں سے ملو گے جنہوں نے سر کا درمیانی حصہ تو منڈا دیا ہوگا لیکن چاروں طرف بڑی بڑی لٹیں ہوں گی، انہیں تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا اللہ تمہیں شکست اور وبا سے محفوظ رکھے۔"

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت کی:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جو کچھ کرنے کا حکم دیا تھا وہ سب کچھ کرنا۔ جنگ کی ابتداء قضاعہ سے کرنا۔ اس کے بعد آبل جانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔"

لشکر کا بلقاء کی جانب کوچ

یہ نصیحتیں فرما کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ واپس آ گئے اور اسامہؓ شام روانہ ہو گئے۔ مئی کا مہینہ تھا اور سخت گرمی کے دن تھے۔ لشکر تپتے ہوئے صحراؤں اور جنگلوں کو قطع کرتا ہوا بیس روز بعد بلقاء پہنچ گیا۔ بلقاء کے قریب ہی جنگ موتہ ہوئی تھی جس میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد زید بن حارثہ اور ان کے دونوں ساتھی جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ

بن رواحہ شہید ہوئے تھے۔ اسامہ ؓ نے اپنے لشکر کو وہیں ٹھہرایا اور فوج کے مختلف دستوں کو آبل اور قبائل قضاعہ پر دھاوا بولنے کے لئے روانہ کیا۔ ان جنگوں میں مسلمانوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ بے شمار رومی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا اور اس طرح اسامہ ؓ اپنے والد کا انتقام لینے میں کامیاب ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسامہ کو حملہ کرنے کے متعلق جو ہدایات دی تھیں انہوں نے ان پر پوری طرح عمل کیا۔ جہاں جہاں جانے کے لئے آپ نے ارشاد فرمایا تھا وہاں گئے اور آپ کی ہدایات کے مطابق دشمن پر اس طرح اچانک حملہ کیا کہ جب تک مسلمانوں کے دستے رومیوں کے سروں پر نہ پہنچ گئے انہیں مسلمانوں کی آمد کا مطلق پتا نہ چل سکا اور فتح کے بعد فوراً مدینہ واپس آ گئے۔

اسامہ ؓ کی کامیاب واپسی

دشمن پر کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے اسامہ کی شان اور عزت و توقیر میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ وہی مہاجرین اور انصار جنہوں نے اس سے پہلے تقرر اسامہ ؓ کی مخالفت کی تھی، اب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ بڑے فخر سے اسامہ ؓ کے کارنامے بیان کرتے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بار بار دہراتے تھے:

"اسامہ امارت کے لائق ہے اور اس کا باپ بھی امارت کے لائق تھا۔"

اسامہ ؓ نے اس مہم میں صرف سرحدی جھڑپوں پر اکتفا کی۔ انہوں نے رومیوں کا تعاقب کرنے اور رومی سرحد پر بھرپور حملہ کر کے اندرونی علاقوں میں گھس کر اپنی کامیابی سے مزید فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی کیونکہ ان کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ عرب کی سرحد رومیوں کے حملے سے محفوظ رہے اور رومی مسلمانوں کو کمزور پا کر مدینہ سے یہودیوں کی جلاوطنی کا انتقام لینے کے بہانے عرب کی سرحدوں میں گھس کر اسے اپنے گھوڑوں کے سموں سے پامال نہ کرنے پائیں۔

لیکن اب حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ رومی ایک وسیع خطہ زمین پر قابض ہونے

کی وجہ سے زبردست قوت وطاقت کے مالک تھے۔ مسلمانوں کو بھی اس حقیقت کا پوری طرح علم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے تین سال قبل 7ھ میں وحیہ کلبی کو تبلیغی خط دے کر ہرقل کی جانب روانہ فرمایا۔ ہرقل کا ستارہ اس وقت عروج پر تھا اور وحیہ کلبی نے روم کے تمام حالات اور رومیوں کی قوت وطاقت کا بہ غور مطالعہ کیا۔ علاوہ بریں اسی سال یہود خیبر، فدک اور تیماء میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا کر فلسطین پہنچے تھے اور ان کے دل جوش انتقام سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے فلسطین پہنچ کر رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور یہ کہہ کر انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی کہ جب رومی ایران جیسی زبردست طاقت پر فتح یاب ہو سکتے ہیں تو مسلمانوں پر بھی ہو سکتے ہیں۔

ان حالات میں بہ ظاہر یہ زیادہ مناسب ہوتا کہ اسامہ سرحدی فتوحات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اندرون ملک میں بھی پیش قدمی کرتے اور جو کام دو سال بعد شروع ہوا اس کا آغاز اسی مہم سے کر دیتے۔

لشکر کا استقبال

جب اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے مظفر ومنصور لشکر کو لے کر مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبار مہاجرین اور انصار کے ہمراہ شہر سے بالکل باہر نکل کر بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ اس وقت سب مسلمانوں کے چہرے فرحت وانبساط سے کھلے ہوئے تھے۔ مدینہ میں داخل ہوتے ہی اسامہ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کا رخ کیا اور شکرانے کے طور پر نماز دوگانہ ادا کی۔ مدینہ کو ان کی واپسی چالیس دن اور بعض روایات کے مطابق ستر دن بعد ہوئی۔

بعض مستشرقین نے اس مہم کی اہمیت گھٹانے اور اس کا شمار معمولی جھڑپوں میں کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ مستشرق ''ذکا'' جس نے انسائیکلو پیڈیا اسلام میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مقالہ لکھا ہے، کہتا ہے۔

''جنگ ہائے ارتداد کے دوران مسلمانوں کو جن پریشانیوں کا سامنا

کرنا پڑ رہا تھا انہیں دیکھتے ہوئے اسامہ کی فتح یابی مسلمانوں کی نظروں میں زبردست اہمیت حاصل کر گئی، حالانکہ اسامہؓ کی کامیابی کو اس کے سوا اور کوئی اہمیت حاصل نہ تھی کہ وہ بعد میں پیش آنے والی شامی لڑائیوں کی ابتداء ثابت ہوئی۔ اس مہم میں اسامہؓ کا کارنامہ صرف اس حد تک ہے کہ انہوں نے بعض قبائل پر اچانک حملہ کر دیا اور کسی بڑے رومی لشکر سے مٹھ بھیڑ ہوئے بغیر مال غنیمت لے کر واپس چلے آئے۔ اس کے باوجود مسلمانوں، باغی عربوں اور رومیوں...... تینوں فریقوں پر اس کا دور رس اثر پڑا۔ جب باغی اور مرتد قبائل نے لشکر اسامہؓ کی روانگی کی خبر سنی تو وہ کہنے لگے "اس لشکر کے بھیجنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان زبردست قوت وطاقت کے مالک ہیں۔ اگر ان کے پاس قوت وطاقت نہ ہوتی تو وہ ہرگز ایسے موقع پر اس لشکر کو نہ بھیجتے جب سارا عرب ان کے خلاف متحد ہو چکا ہے۔"

ہرقل کو بھی جب اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا گیا اور اس نے ایک بڑی فوج مسلمانوں سے مقابل کے لئے بلقاء روانہ کی۔ یہ واقعات صراحتہً اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس غزوہ کے باعث رومی اور مرتد عرب قبائل، دونوں مسلمانوں کی قوت و طاقت سے مرعوب ہو گئے۔ اسی وجہ سے دومتہ الجندل کے سوا عرب کے شمالی حصے کے رہنے والوں نے مدینہ پر حملہ کرنے میں پس وپیش کیا حالانکہ اس سے قبل ان کا مصمم ارادہ تھا کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو رومی سرحدوں پر حملہ کرنے کا مزہ چکھایا جائے۔

پھر بھی شمالی عربوں کے سوا عرب کے دوسرے علاقوں کا یہ حال تھا۔ اس سے قبل تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں بغاوت کی روح کس طرح عرب قبائل میں سرایت کر گئی تھی اور کئی قبائل میں نبوت کے مدعی پیدا ہو گئے تھے۔ اگر غایت درجہ حزم واحتیاط اور مسلمانوں کی جانب سے قوت وطاقت کے مظاہروں کی وجہ سے ان قبائل اور مدعیان نبوت کو خوف وخطرہ لاحق نہ ہوتا تو آپ کی زندگی ہی میں ہر

طرف سے بغاوت کے علم بلند ہو جاتے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد باغیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے اپنے خطرناک مخفی ارادوں کا اظہار کھلم کھلا شروع کر دیا۔

اس وقت مسلمان قلت تعداد اور کثرت اعداء کی وجہ سے بے حد مضطرب تھے۔ اگر اس نازک موقع پر ابوبکر ؓ کی طرف سے بلند پایہ سیاست کا مظاہرہ نہ کیا جاتا اور مضبوط ومحکم پالیسی وضع نہ کی جاتی تو مسلمانوں کا خاتمہ عین ممکن تھا۔

....

فتنہ ارتداد میں حضرت ابوبکر ؓ کے فیصلے

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں پر بڑی مصیبت نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں'' آپ ﷺ کی وفات کے بعد عرب مرتد ہو گئے۔ یہودیت اور عیسائیت نے سر اٹھایا اور نفاق نے پر پرزے نکالے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت سردی کی رات میں بارش سے بھیگی ہوئی بکری جیسی تھی، حتیٰ کہ اللہ کی رحمت نے ان پر سایہ ڈالا اور وہ سب ابوبکر ؓ کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو اہل مکہ اسلام کے ترک کرنے پر تیار ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک وقت گورنر مکہ عتاب بن اسید کو چھپ کر جان بچانا پڑی۔ اس وقت سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی وفات کا ذکر کیا، اور کہا یہ نہ سمجھو کہ آپ کی وفات سے اسلام کمزور ہو گیا ہے۔ بلکہ اس میں استحکام پیدا ہو گیا ہے۔ جس کو ہم مشکوک پائیں گے تلوار سے اس کی گردن اڑا دیں گے، یہ سن کر لوگ اپنے ارادے سے باز آ گئے اور اسلام پر جم گئے۔ اور یہی وہ موقعہ ہے جس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر ؓ سے فرمایا تھا جب کہ انہوں نے آپ ﷺ کو مشورہ گیا تھا کہ آپ ﷺ سہیل کے سامنے کے دو دانت نکال دیں، اس کی زبان لٹک پڑے گی اور وہ کسی مجمع میں آپ ؐ کے خلاف تقریر نہیں کرے پائے گا۔ کہ ممکن ہے یہ کسی مجمع میں ایسی تقریر کرے جس سے آپ کو مسرت حاصل ہو گی۔''

معالم التنزیل میں لکھا ہے جب آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عام عرب مرتد ہو گئے تو مکہ، مدینہ اور بحرین کے لوگ اسلام پر قائم رہے۔ انکی نیز مکہ اور مدینہ کے درمیان اسلام پر صبر کرنے والے قبائل مندرجہ ذیل تھے۔

اسلم، غفار، جہینہ، مزینہ، بنوکعب اور بنوثقیف ان کے اسلام پر قائم رہنے میں ان کے گورنر عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ عدی رضی اللہ عنہ کی کوشش سے بنوطے کے سب قبائل بھی ارتداد سے بچے رہے۔ ہذیل، اہل سرات بجیلہ، خثعم اور تہامہ کے قرب وجوار میں رہنے والے ہوازن کے قبائل بنونصر، جشم، سعد بن بکر، عبدالقیس ان کے اسلام پر قائم رہنے میں جارود کی کوشش کا بڑا دخل ہے۔ عبس کے کچھ لوگ، اشجع دوس، تجیب اور ہمدان، اور درج ذیل قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ اکثر بنوتمیم، اسد، غطفان، سلیم کی کچھ جماعتیں، تمام اہل یمامہ بکر بن وائل، اہل دبا، ازدعمان، نمر بن قاسط، کلب اور ان کے پڑوس میں رہنے والے قضاعہ، فزارہ اور بنوعامر بن صعصعہ کے قبائل بعض کہتے ہیں یہ انتظار کرنے والے تھے کہ جس کو غلبہ ہوا، اس کے ساتھ مل جائیں گے۔

منکرین زکوٰۃ کی شورشیں

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور عرب کے کچھ قبائل مرتد ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا آپ لوگوں سے کس طرح لڑیں گے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہوا ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا اس نے بجز حق اسلام مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال بچا لیا، اور اس کا حساب لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا خدا کی قسم! زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا میں اس سے ضرور لڑوں گا۔ بخدا! اگر وہ مجھے ایک رسی دینے سے انکار کریں گے۔ جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے، تو میں اس کے انکار پر بھی ان سے لڑوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لڑائی کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے، اور یہی حق ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بھاری ہے۔

رزین، حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوبکرؓ سے کہا اے خلیفہ رسولؐ! لوگوں سے تالیفِ قلب کریں اور ان کے متعلق نرمی سے کام لیں۔" وہ بولے جاہلیت میں جبار تھے اور اسلام میں کمزور پڑ گئے؟ وحی ختم ہوگئی اور دین پورا ہوگیا ہے کیا وہ اب میری زندگی میں کم ہو جائے گا؟ واقدی کی کتاب میں حضرت عمرؓ کا یہ قول مذکور ہے" انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا" عربوں نے اپنے مال کے بارہ میں بخل سے کام لیا ہے، ان پر سختی کرنے سے سوائے تنفر کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لئے اگر آپ اس سال زکوٰۃ وصول نہ کریں تو خوب رہے گا"۔

یعقوب بن محمد زہری اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے تھے" ابوبکر شکر گزاروں کے امیر ہیں جو اپنے دین پر ثابت قدم رہے اور صبر کرنے والوں کے بادشاہ ہیں جنہوں نے اپنے دشمن (مرتدین) سے جہاد کرنے پر صبر کیا۔ ابوبکرؓ ہی کے مشورے سے صحابہ رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کرنے پر اتفاق کیا" عرب اپنی ردت میں متعدد فرقوں میں منقسم تھے۔ ایک جماعت نے یہ کہہ کر ارتداد اختیار کیا کہ" اگر آپؐ نبی ہوتے تو آپ کو موت نہ آتی دوسری جماعت نے کہا" آپ کی وفات سے نبوت ختم ہوگئی ہے، اس لئے ہم اب کسی کی اطاعت نہیں کریں گے"۔

اس کے متعلق حطیئہ نے کہا ہے:

اطعنا رسول اللّٰہ ماعاش بیننا
فیا لعباد اللّٰہ مالابی بکر

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں زندہ رہے ہم نے ان کی اطاعت کی اے اللہ کے بندو! تعجب ہے اب ابوبکرؓ کو کیا ہوا؟

ایورثھا بکرًا اذا مات بعدہ
فتلک وبیت اللّٰہ قاصمۃ الظھر

''کیا اپنی موت کے بعد اپنے بیٹے بکر کو اس کا وارث بنائیں گے؟ اللہ کے گھر کی قسم! یہ کمر کو توڑ دینے والی بات ہے!''

بعض نے کہا ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز بھی پڑھتے ہیں مگر اپنے مال کے بارہ میں ان کی بات نہیں مانتے'' میں کہتا ہوں، اسی جماعت کے متعلق شبہ واقع ہوا اور ان ہی کے بارہ میں حضرت ابوبکر اور عمرؓ وغیرہ کے درمیان بحث وتکرار ہوئی حضرت ابوبکرؓ نے بڑی پامردی سے ان سے مناظرہ کیا، جس کے نتیجہ میں ان کا شبہ دور ہوا، اور سب نے تسلیم کیا کہ حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح ہے اور ان سے جہاد کرنا برحق ہے۔ انتہیٰ!

لشکرِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا فیصلہ

ان ہی سے جہاد کرنے کے سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ سے ان کے ساتھیوں نے جھگڑا کیا۔ ان میں سب سے زیادہ سرگرم حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ کہتے تھے ''اب اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو نہ بھیجئے، ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے اس کا مدینہ میں ہونا ضروری ہے۔ گڑبڑ ختم ہونے تک عربوں سے نرمی کا برتاؤ کیجئے، اس کے نتائج بڑے دوررس ہیں۔ اگر عرب کا کوئی ایک قبیلہ مرتد ہوتا تو ہم مشورہ دیتے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مرتدوں سے لڑیں، مگر حالت یہ ہے کہ عرب تو تقریباً سب ہی مرتد ہوگئے ہیں، کیونکہ کچھ صراحتاً مرتد ہیں کچھ مرتدوں کی طرح زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں، کچھ توقف کرنے والے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی اور دشمن کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے؟ مگر حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ نے پورے عزم کے ساتھ کہا'' خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھے معلوم ہوا کہ اس شہر میں مجھے درندے کھا جائیں گے تب بھی میں اس لشکر کو ضرور بھیجوں گا جس کے بھیجنے کا اللہ کے رسول ﷺ حکم دیا اور میں اپنے ہاتھ سے وہ جھنڈا نہیں کھولوں گا، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے باندھا ہے'' پھر اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا'' اگر

مناسب سمجھیں تو عمر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس چھوڑ جائیں مجھے ان کے تعاون کی ضرورت ہے" اوران کو حکم دیا کہ جہاں تک آپ کو جانے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے وہاں ضرور پہنچیں حضرت ابو بکرؓ وداع کرنے کے لئے پیدل جا رہے تھے، اور اسامہ رضی اللہ عنہ سوار تھے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے انہیں قسم دی تھی کہ وہ سواری سے نہ اتریں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے اور اس کا ارتداد پر آمادہ قبائل پر بڑا خوشگوار اثر پڑا۔ انہوں نے کہا:

"اگر اہلِ اسلام میں طاقت نہ ہوتی تو یہ لشکر دشمن سے لڑنے کیلئے سرحد پر نہ آتا۔ ان کا راستہ نہ روکو اور انہیں رومیوں کے مقابلہ میں جانے دو"

انہوں نے رومیوں کو شکستِ فاش دی اور صحیح وسلامت اپنے وطن لوٹ آئے۔

مرتدوں سے لڑنے کے لئے حضرت ابو بکرؓ کا بنفسِ نفیس نکلنا

حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین کے ساتھ لڑنے میں گہری دلچسپی لی، اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی فرمائی۔ آپ ﷺ کو ان سے لڑنے کی اتنی فکر تھی کہ ایک دفعہ خود ان کے مقابلہ میں جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور خود ایک سو مہاجرین اور انصار کا لشکر لے کر اور خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو جھنڈا دے کر مدینہ سے باہر کسی مقام پر پڑاؤ کیا تاکہ لوگ جلد از جلد ان سے آملیں، اور ان کے لئے سفر پر جانے میں آسانی ہو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو جلد از جلد نکلنے پر آمادہ کریں لیکن حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ نے ان کو واپس آنے کا مشورہ دیا اور کہا:

"اے خلیفۂ رسولؐ! آپ واپس چلیں، آپ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ اور بوقتِ ضرورت ان کے معاون ہیں۔ خدانخواستہ اگر آپ کی شہادت واقع ہوگئی تو باقی ماندہ لوگ بھی مرتد ہو جائیں گے اور باطل حق پر غالب آجائے گا!"

مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں خود جانے پر مصر تھے۔ ان سے پوچھا

کہ لڑائی کی ابتداء کس سے کریں؟ انہوں نے اختلاف کیا، تو فرمایا "ہم پہلے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے والے اس کذاب طلیحہ کی طرف چلیں گے" جب صحابہ رضی اللہ عنہ کے زور دینے پر حضرت ابوبکرؓ واپس آنے پر آمادہ ہو گئے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور ان سے کہا:

"خالد! خدا کا خوف لازم پکڑیں اس پر کسی کو ترجیح نہ دیں اور اس کے راستہ میں جہاد کے لئے نکلیں میں نے آپ کو ان بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین اور انصار پر امیر مقرر کیا ہے۔"

پھر حضرت ابوبکرؓ اپنے رفقاء کے ساتھ واپس آ گئے اور خالد رضی اللہ عنہ لشکر لے کر دشمن کی طرف روانہ ہو گئے۔ بنو طے کے پہاڑوں آجا اور سلمی میں کیمپ لگایا، وہیں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی مسلمان قبائل کو ساتھ لے کر ان سے آملے۔

طلیحہ کا قبول اسلام

کچھ دن آرام کرنے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے طلیحہ پر چڑھائی کی۔ وہ اس وقت بنو اس کے پانیوں میں سے ایک پانی پر تھا۔ ان کے درمیان بڑی خونریز جنگ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ طلیحہ شکست کھانے کے بعد اپنے رفقاء سمیت شام کی طرف بھاگ گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد آ کر دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، ٹھیک ٹھاک مسلمان ثابت قدم ہوا اور نہاوند کی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کے زیر اثر مندرجہ ذیل مرتد قبائل بھی اسلام لے آئے، اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کی، وہ قبائل یہ تھے: بنو حنظلہ، بنو اس، بنو فزارہ، بنو غطفان، بنو عامر اور بنو سلیم وغیرہ۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس جو ہتھیار موجود تھے، سب لے لئے اور ان سے قسم لی کہ انہوں نے کسی قسم کے ہتھیار چھپائے نہیں جو قسم کھا لیتا اس کو چھوڑ دیتے اور جو انکار کرتا اس کو گرفتار کر لیتے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے سارے ہتھیار جمع کرا دیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ ہتھیار ان مجاہدین میں تقسیم کر دیے جن کے پاس دشمن سے

لڑنے کے لئے ہتھیار نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالد رضی اللہ عنہ کو ان پر عامل مقرر کر دیا۔ پھر ان کو واپس بلا لیا اور وہ مال غنیمت لے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلے آئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں بزاخہ کی لڑائی میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں طلیحہ پر کامیابی عطا فرمائی جب ہم کسی قبیلہ پر فتح حاصل کرتے تو ہم عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیتے اور ان کے مال آپس میں تقسیم کر لیتے۔ یزید بن شریک فزاری روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ بزاخہ سے فارغ ہوئے تو میں اسد غطفان کے وفد میں حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا بنو اسد اور بنو غطفان کے بعض لوگوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، اور بعض نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔ وہ چھپ چھپا کر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا "حرب مجلية وسلم مخزية" میں سے جسے چاہو پسند کرلو' خارجہ بن حسن نے کہا "حرب مجلیہ تو میں جانتا ہوں، سلم مخزیہ (ذلیل کن صلح) کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "سلم مخزیہ یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کرو کہ ہمارے مقتول جنت میں جائیں گے اور تمہارے مقتول جہنم میں جائیں گے اور جو کچھ تم نے ہم سے چھینا ہے، وہ واپس کرو اور جو کچھ ہم نے لیا ہے، وہ واپس نہیں کریں گے۔ نیز ہمارے مقتولین کی دیت ادا کرو۔ ہر مقتول کی دیت ایک سو اونٹ ہوگی، جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ پھر تم سے ہم جنگی سامان گھوڑے اور ہتھیار لے لیں گے، اور تم جنگلوں میں اونٹ چرا کر گزارہ کرو۔ یہ حالت اس وقت تک رہے گی، جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے بارہ میں اپنے نبیؐ کے خلیفہ اور ایمانداروں کو کوئی نئی بات نہیں سمجھاتا یا جب تک تم اس دین میں واپس نہ آجاؤ، جس کو چھوڑا ہے۔ خارجہ نے کہا "یا خلیفہ رسول اللہ! ہمیں منظور ہے" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "تم پر اللہ تعالیٰ کا عہد اور میثاق ہے کہ تم دن رات قرآن حکیم پڑھو گے، اپنے بچوں کو سکھاؤ گے اور اپنے مالوں کی زکوۃ سے انکار نہیں کرو گے۔" سب بولے "ہمیں منظور ہے" حضرت عمرؓ نے کہا "اے رسول اللہؐ کے خلیفہ رضی اللہ عنہ! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، درست ہے لیکن مسلمان مقتدیوں کی دیت کے متعلق جو کچھ کہا ہے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ

کے راستہ میں شہید ہوئے ہیں، اور شہیدوں کی دیت نہیں ہوتی۔'' اس پر سب حاضرین نے حضرت عمرؓ کی تصدیق کی پھر حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جتنے گھوڑے اور ہتھیار مل سکے، اپنے قبضہ میں لے لئے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اب ان میں اسلام پختہ ہو گیا ہے تو وہ سارا دن ان کے مالکوں کو واپس کر دیا اور جو مر گئے تھے ان کا سامان ان کے وارثوں کے حوالہ کیا۔ یہ اصل واقعہ طارق بن شہاب کی روایت سے مختصراً صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

مسیلمہ کذاب کا قتل

اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ بن ولید، مسیلمہ کذاب سے لڑنے کے لئے یمامہ کی طرف چلے۔ ان کے ساتھ دس ہزار سے کچھ ہزار زیادہ لشکر تھا جبکہ مسیلمہ کذاب کی فوج چالیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو ہلاک کیا اور اس کے دس ہزار فوجی مارے گئے۔ پہلے پہل مسلمانوں کو شکست ہوئی حتیٰ کہ مسیلمہ کے ساتھی، خالد رضی اللہ عنہ کے خیمے میں داخل ہوئے اور اپنی تلوار سے اس کو پھاڑ دیا۔ پھر مسلمانوں نے جان توڑ حملہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محکم بن طفیل کو قتل کیا، اور مسلمانوں کو فتح نصیب کی مسیلمہ کے قتل میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی اور ایک انصاری شریک ہوئے، وحشی کہا کرتا تھا تیرا رب جانتا ہے کہ ہم میں سے اس کو کس نے قتل کیا ہے اور مسلمانوں میں سے تقریباً ایک ہزار بہترین آدمی شہید ہوئے۔ ان میں سے زید بن خطاب، ثابت بن قیس، ابودجانہ، عباد بن بشر اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پھر مجاعہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دے کر قلعہ میں بند اپنی قوم کے لئے مصالحت کر لی۔ دھوکہ یہ تھا کہ اس نے قوم کو کہا بھیجا کہ تمام عورتوں اور بچوں کو ہتھیار پہنا کر قلعوں پر کھڑا کر دیں۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے کہا ہمارے مسلح جوانوں اور ان کے ہتھیاروں کو دیکھو مسلمانوں کا خیال تھا کہ اس کے لڑائی کرنے والے فوجیوں سے کوئی نہیں بچا، مگر قلعہ پر مسلح افراد کو دیکھ کر اس کو سچا سمجھا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس

سے سونے چاندی، ہتھیاروں، گھوڑوں اور آدھے قیدیوں پر صلح کر لی۔ حضرت ابوبکرؓ یمامہ کی طرف سے خبر کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے جواب میں دیکھا کہ کسی نے ان کو ہجر شہر کی کھجوریں لا کر دی ہیں۔ انہوں نے ان سے ایک کھجور کھائی۔ اس کی گٹھلی کھجور جتنی موٹی تھی۔ اس کو کچھ دیر اپنے منہ میں گھماتے رہے، پھر نکال کر باہر پھینک دی۔ انہوں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ خالد رضی اللہ عنہ کو اس جنگ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، یمامہ ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا۔ فتح کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دینے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ نے جب ان کو دیکھا تو پوچھا "ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کیا خبر لائے ہیں؟ انہوں نے کہا" اے خلیفۂ رسولؐ اللہ! میں بہت اچھی خبر لایا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یمامہ میں فتح عطا فرمائی ہے۔" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔ زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یمامہ کی لڑائی میں قریش کے ستر، انصار کے ستر اور باقی دوسرے لوگوں میں پانچ سو آدمیوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ صحیح بخاری میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ شہید انصاری ہوں گے، اور عزت بھی انصار کی سب سے زیادہ ہوگی۔ یہی قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتایا کہ احد کے دن انصار کے ستر آدمی شہید ہوئے، بئر معونہ اور جنگ یمامہ میں بھی ان کے ستر ستر آدمی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے۔ دوسرے روای یہ لفظ زیادہ بیان کرتے ہیں کہ جسر ابوعبیدہ میں بھی ان کے ستر آدمی شہید ہوئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی عراق کی طرف روانگی

جب خالد رضی اللہ عنہ اہل یمامہ مرتدین کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ بعض کہتے ہیں جب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا دوسرا سال شروع ہوا تو انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ جب آپ یمامہ کی مہم سے فارغ ہوں تو عراق کی طرف کوچ کریں، میں نے آپ کو فارس اور حیرہ کی لڑائی

کا سربراہ مقرر کردیا ہے۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ تیس سے کچھ زیادہ ہزار فوج لے کر عراق کی طرف چلے۔ عراق والوں سے صلح کی۔ پھر آگے بڑھے اور حیرہ میں جاڈیرہ لگایا۔ اس پر قبیصہ بن ایاس طائی کسریٰ کی طرف سے گورنر تھا۔ اس نے بھی ہر سال ایک لاکھ درہم دینے پر صلح کرلی اور یہ پہلا جزیہ ہے جو عراق سے وصول ہوا۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ ابلہ کی طرف چلے۔ ہرمز ایک لاکھ بیس ہزار فوج لیکر ان کے مقابلہ میں نکلا۔ دشمن نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا کسی نے کہا "تم نے دشمن کے مقابلہ میں اپنے آپ کو زنجیروں میں کیوں جکڑ رکھا ہے؟ یہ تو بری فال ہے ایسا نہ کرو۔" انہوں نے جواب دیا تم ہمیں بھاگنے کا مشورہ دے رہے ہو" پھر خالد رضی اللہ عنہ نے ان پر چڑھائی کی، سخت لڑائی کے بعد اہلِ فارس پسپا ہوئے۔ شام تک مسلمان ان کو بھاگتے ہوئے قتل کرتے رہے، ان کے ستر ہزار فوجی مارے گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہرمز کو قتل کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اس کا تاج جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی، انعام میں دے دیا۔ اس جنگ کا نام ذات السلاسل ہے۔ ادھر سے فارغ ہو کر خالد رضی اللہ عنہ نے شاہِ ایران کسریٰ کو لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ مکتوب اللہ کے بندے خالد کی طرف سے شہنشاہِ ایران کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کی طرف ہے۔ اما بعد! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تم میں اختلاف پیدا کیا اور تمہاری شان وشوکت کو توڑا۔ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ ادا کرو۔ یہ بھی منظور نہیں تو میں تمہارے پاس ایسی قوم لے کر آیا ہوں جو موت کو اس طرح دوست رکھتی ہے جس طرح تم زندگی کو دوست رکھتے ہو۔"

جب انہوں نے یہ مکتوب پڑھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ دینے پر صلح کرلی پھر خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ کا حکم ملنے پر رومیوں کا رخ کیا۔ انتہی

جیسے پہلے اشارہ ہو چکا ہے، بحرین میں ربیعہ کے قبائل مرتد ہو گئے۔ صرف جارود بن عمرو اپنے زیرِ اثر عبدالقیس کے چند قبائل کے ساتھ اسلام پر قائم رہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد سے علاء رضی اللہ عنہ، بن حضرمی بحرین کے گورنر تھے۔ اسلام سے

مرتد ہونے کے بعد مشرکوں نے بحرین کے قلعہ جواثا ئیں ان کا محاصرہ کرلیا۔ اس سے مسلمانوں کو سخت قسم کی بھوک سے دوچار ہونا پڑا حتی کہ نوبت ہلاکت تک جا پہنچی۔ ایک رات عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حذافہ ان کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکلے تو ان کو شراب نوشی کی وجہ سے مست پایا۔ انہوں نے واپس آکر مسلمانوں کو مطلع کیا۔ علا رضی اللہ عنہ بن حضرمی اور دوسرے مسلمانوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ان پر بھرپور شبخون مارا۔ ان کے بہت سے آدمی ہلاک ہوگئے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح دی، اور ان کے گھوڑے اور مال واسباب غنیمت کے طور پر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں آگئے۔

اس کے بعد علاء رضی اللہ عنہ نے شہر پر حملہ کیا۔ شدید جنگ کے بعد دشمن پسپا ہو کر شہر میں داخل ہوگئے، اور دروازے بند کر لئے۔ جب محاصرہ سے تنگ آگئے تو انہوں نے صلح کی پیش کش کی اور کہا "ہم اندرونِ شہر اپنے کل اموال کا تیسرا حصہ اور بیرون شہر سارا مال دینے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت علا رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ پیش کش منظور کرلی، اور محاصرہ اٹھالیا اور ان سے حاصل کردہ بہت سا مال حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا۔ اہلِ ردت کی سرکوبی کے بعد چودہ افراد پر مشتمل عبدالقیس کا ایک وفد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے یہ لوگ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے ان سے پوری تفصیل سننے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکرؓ سے ملے اور کہا عبدالقیس نے اپنے پڑوسی قبائل سے اسلا کی طرف پہلے سبقت کی تھی، اور اب اہلِ ردت کی سرکوبی میں بڑی جوانمردی کا مظاہرہ کیا ہے، اس لئے یہ لوگ عزت افزائی کے مستحق ہیں۔" اتنے میں اہل وفد بھی حاضر ہوگئے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ پہلے ہی موجود تھے، اہل وفد نے خلیفہ سے کچھ زمین اور آٹا پیسنے کی چکیوں کا مطالبہ کیا، جو پہلی فرصت میں منظور ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اسلام کی طرف سبقت اور اہلِ ردت کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے میں ان کا ہر مطالبہ پورا کروں گا۔ پھر ان کو ایک دستاویز بھی لکھ دی۔

اہلِ وفد جب باہر آئے تو انہوں نے یہ تحریر حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے پڑھنے کے بعد نہ صرف یہ کہ اسے ناپسند کیا، بلکہ اس میں تھوک دیا۔ اہلِ وفد واپس آئے

اور خلیفہ سے سارا ماجرا سنایا۔ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ کی اس حرکت سے بڑے مشتعل ہوئے اور کہنے لگے ”بخدا! ہم نہیں جانتے خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟“ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کیوں کیا بات ہے؟ انہوں نے بھی وہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عمرؓ نے اس کو ناپسند کیا ہے تو پھر میں اپنے فیصلے پر نظرثانی کر دوں گا۔“ اتنے میں حضرت عمر بھی آ گئے حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا آپ نے اس تحریر میں کونسی چیز ناپسند کی ہے؟ حضرت عمرؓ بولے میں نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ ساری قوم کی بجائے مراعات سے چند خاص افراد کو نوازا جائے۔ ادھر تو آپ سابقونِ اولون اور اہلِ بدر کو دوسروں پر ترجیح نہیں دیتے اور ادھر بیس ہزار روپے کی جائداد مخصوص آدمیوں کو دے رہے ہیں؟“ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، یہی بات درست ہے۔“

سجاح کا دعویٰ نبوت اور مسیلمہ کذاب سے نکاح

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بنو تمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث نے نبوت کا دعویٰ کیا بنو تمیم اور اس کے ماموں بنو تغلب وغیرہ ربیعہ کے قبائل نے اس کی اتباع کی پھر اس نے مسیلمہ کذاب سے ملاقات کی۔ اس نے اس سے کہا مجھ سے شادی کر لو۔ لوگ کہیں گے کہ ایک نبی نے نبیہ سے شادی کی ہے۔ وہ مان گئی اور اس کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئی تین دن اس کے ہاں رہنے کے بعد اپنی قوم میں واپس آ گئی۔ بالآخر اہلِ ردت کا انجام دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی اور تاحینِ حیات اسلام پر قائم رہی۔

اسود عنسی کا واقعہ اور اس کا قتل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں اسود عنسی کا واقعہ پیش آیا۔ اس کا نام عبہلہ تھا۔ یہ ایک شعبدہ باز آدمی تھا، جو جہال کو عجیب وغریب کرتب دکھایا کرتا تھا۔ پہلے اس نے اہلِ نجران سے ساز باز کی پھر وہاں سے چل کر یمن کے دارالخلافہ صنعاء پر چڑھائی کی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اس کی بیوی کو جو اس سے بے حد متنفر تھی، اپنے ساتھ ملایا۔ اسود نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ اس

نے کہا خدا کی قسم یہ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ مبغوض ہے۔ میں خود اس سے آزاد ہونا چاہتی ہوں مگر اس نے بڑے سخت حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں۔ پہلے دار ہر وقت اس کے محل کو گھیرے رہتے ہیں۔ اس پر قابو پانے کے لئے زمین دوز سرنگ تیار کرو چنانچہ اس کی ہدایت پر ایک طویل سرنگ تیار کی گئی! اس کے ذریعہ حسب وعدہ فیروز دیلمی اس کے مکان کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ جب انہوں نے اس کا گلا کاٹا تو اس سے اس طرح آواز پیدائی ہوئی جس طرح بیل ذبح کرتے وقت اس کے گلے سے آواز نکلتی ہے۔ یہ سن کر پہرہ دار دروازے کی طرف بھاگے مگر اس کی بیوی نے کہا فکر کی کوئی بات نہیں، نبی اللہ پر وحی اتر رہی ہے۔" اس طرح محل پر اسلامی فوج قابض ہو گئی۔ صبح کے وقت انہوں نے مؤذن کو اذان کہنے کا حکم دیا جس میں ابن نے کہا "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ عَبْهَلَةَ كَذَّابٌ" میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور عبہلہ کذاب ہے۔

آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ نے یہ تمام سرگزشت آپ کی طرف لکھ بھیجی مگر آپ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع مل گئی اور آپ نے اسود کے قتل کا مژدہ اپنے پاس موجود صحابہ رضی اللہ عنہ کو سنایا پھر آپ کا انتقال ہو گیا اور ہو چٹھی ابوبکرؓ کی خلافت میں مدینہ منورہ پہنچی جس سے آپ کی خبر کی تصدیق ہو گئی۔ صحیح بخاری میں ہے، عبیداللہ بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کے خواب کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک دفعہ میں سویا ہوا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ مجھے یہ بہت برے لگے اور میں نے ان کو کاٹ دیا۔ مجھے کہا گیا، ان کو پھینک دو، چنانچہ میں نے ان کو پھینک دیا اور وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ دو جھوٹے آدمی پیدا ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے۔" عبیداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ان میں سے ایک تو یہی اسود عنسی ہے جس کو فرداد یلمی نے قتل کیا اور دوسرا اسیلمہ بن کذاب ہے۔"

تدوینِ قرآن کا فیصلہ

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے اسی پہلے سال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال

ہوا اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی۔ اسی سال جب حضرت ابوبکرؓ کو یمامہ کی جنگ میں بہت سے قاریوں کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو قرآن حکیم جمع کرنے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری میں خود زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ نے مجھے بلا بھیجا۔ یہ جنگ یمامہ کا زمانہ تھا جس میں بہت سے قاری جام شہادت نوش فرما گئے تھے۔ فرمانے لگے "میرے پاس عمرؓ آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یمامہ کی جنگ میں بہت سے قاری قتل ہو گئے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ اگر مختلف جنگوں میں قاری حضرات اسی طرح قتل ہوتے رہے، تو قرآنِ حکیم کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ مناسب یہ ہے کہ آپ قرآن حکیم کے جمع کرنے کا حکم دیں۔" زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا "آپ ایک عقلمند نوجوان ہیں ہمیں آپ پر اعتماد ہے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وحی لکھا کرتے تھے اس لئے قرآنِ حکیم کی تمام آیات اور سورتوں کو تلاش کر کے کتابی صورت میں جمع کردیں زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا آپ کیسے کر سکتے ہیں؟" ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے بخدا! اس طرح کرنا بہتر ہے" وہ مجھ سے برابر تکرار کرتے رہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ سے تکرار کرتے رہے۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ کا سینہ کھولا تھا۔ چنانچہ میں نے قرانِ حکیم چھتڑوں، کھجور کی چھڑیوں، پتھروں کے ٹکروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔ مجھے باوجود تلاشِ بسیار کے سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں "لقد جاء کم رسول من انفسکم" تا آخر نہیں مل رہی تھیں۔ بالآخر مجھے یہ آیتیں خزیمہ یا ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ملیں۔ یہ لکھا ہوا قرآن حکیم تازندگی حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ ان کے بعد تازندگی حضرت عمرؓ کے پاس رہا، اور ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمرؓ کے پاس تھا۔

حضرت عثمانؓ کی طرف سے قرآنِ حکیم نقل کرنے کا حکم

ابن شہاب، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ

رضی اللہ عنہ جو اہلِ عراق کے ساتھ اہلِ شام سے جہاد میں مصروف تھے، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے "امیر المومنین امت مسلمہ کو قرآنِ حکیم کی قرأت میں یہود اور نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے سے بچایئے۔ اگر اس کا بروقت سدِ باب نہ کیا گیا تو اس کے نتائج بڑے ہولناک ہوں گے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے وہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرف بھیج دیا۔ انہوں نے اس کے نقل کرنے کا حکم دیا اور اس کی ایک ایک کاپی ہر ملک کے دار الخلافہ میں بھیج دی۔ نیز ہدایت کی کہ آئندہ ان کے مطابق قرأت کی جائے۔ اور اگر اس کے خلاف لکھا ہوا قرآن کسی کے پاس ہے تو اس کو جلا دیا جائے۔ انتہیٰ!

ذوالحج کا مہینہ آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر ﷺ کو امیر الحج مقرر کیا۔ اور انہوں نے ۱۱ھ میں لوگوں کو حج کرایا۔ حضرت عمرؓ نے اسی حج میں اپنے غلام اسلم کو خریدا۔

منکرین زکوٰۃ سے جنگ

اُسامہ ﷺ شام جاتے ہوئے ابھی راستے ہی میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر وفات سارے عرب میں پھیل گئی اور ہر طرف بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ان شعلوں کی زد میں سب سے زیادہ یمن کا علاقہ تھا، اگرچہ آگ کا بھڑکانے والا شخص عنسی قتل ہو چکا تھا۔ بنی حنیفہ میں مسیلمہ اور بنی اسد میں طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کر کے ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔

"اسد اور غطفان کے حلیف قبیلوں کا نبی ہمیں قریش کے نبی سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ محمد وفات پا چکے ہیں اور طلیحہ زندہ ہے۔"

مدینہ میں بغاوتوں کی خبر

جب ان بغاوتوں کی خبر ابوبکر ﷺ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب تک ان علاقوں کے عمال اور امراء کی طرف سے تمام واقعات کی مکمل

رپورٹیں موصول نہ ہو جائیں۔

زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ امراء کی طرف سے دھڑا دھڑ رپورٹیں پہنچنے لگیں۔ ان رپورٹوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ باغیوں کے ہاتھوں نہ صرف سلطنت کا امن خطرے میں ہے بلکہ ان لوگوں کو جانوں کو بھی سخت خطرہ ہے، جنہوں نے ارتداد کی رو میں باغیوں کا ساتھ نہیں دیا اور بہ دستور اسلام پر قائم ہیں۔ اب ابوبکر ﷺ کے لئے پوری قوت سے بغاوتوں کا مقابلہ کرنے اور باغیوں کو ہر قیمت پر زیر کر کے صورت حال کو قابو میں لانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اس ہمہ گیر شورش کے نتیجے میں بعض قبائل نے تو کلیتہً اسلام سے انحراف اختیار کر لیا تھا لیکن بعض قبائل اسلام پر تو قائم تھے البتہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

مؤخر الذکر گروہ میں سے بھی بعض لوگ تو ایسے تھے جو دل وجان سے مال و دولت پر فریفتہ تھے، اور اللہ کے راستے میں مالی قربانی کرنا ان کے لئے بے حد دشوار تھا۔ لیکن بعض لوگ اسے تاوان کہتے تھے اور ان کے خیال میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کے مقرر کردہ امیر کو ان سے زکوٰۃ یا بہ الفاظ دیگر تاوان کے مطالبے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ چنانچہ ہر دو فریق نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ نہ وہ ابوبکرؓ کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہیں اور نہ ان کے احکام کی بجا آوری کو ضروری سمجھتے ہیں۔

مدینہ کے نواحی قبائل، عبس اور ذبیان، منکرین زکوٰۃ میں شامل تھے اور مسلمانوں کے لئے ان قبائل سے عہدہ برآ ہونے کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ ان سے لڑائی چھیڑ دینا آسان کام نہ تھا کیونکہ ابوبکرؓ لشکر اسامہؓ کو شام روانہ فرما چکے تھے اور مدینہ میں بہت ہی راستے تھے۔ ایک یہ کہ منکرین زکوٰۃ کو ادائے زکوٰۃ کے لئے مجبور نہ کیا جائے اور نرمی وملائمت سے انہیں ساتھ ملا کر ان قبائل کے مقابلے میں آمادہ پیکار کیا جائے جنہوں نے کھلم کھلا اسلام سے انحراف کیا تھا۔ دوسرا یہ کہ ان سے جنگ کی جائے۔ مؤخر الذکر راستہ اختیار کرنے سے مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہو جاتی اور اسلامی لشکر کی غیر موجودگی میں بپھرے ہوئے باغی قبائل سے لڑائی چھیڑ دینا آسان کام بھی نہ تھا۔

صحابہ سے مشورہ

ابوبکرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے ان سے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ عمرؓ بن خطاب اور بیشتر مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے لوگوں سے ہرگز نہ لڑنا چاہیے بلکہ انہیں ساتھ ملا کر مرتدین کے خلاف مصروف پیکار ہونا چاہیے۔ بعض لوگ اس رائے کے مخالف بھی تھے۔ لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔

بحث طول پکڑ گئی اور بالآخر ابوبکرؓ کو خود اس میں دخل دینا پڑا۔ وہ اس رائے کے حامی تھے کہ منکرین زکوٰۃ سے جنگ کر کے بہ زور ادائے زکوٰۃ پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس امر میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بحث کرتے ہوئے پُرزور الفاظ میں فرمایا:

"واللہ! اگر منکرین زکوٰۃ مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ادا کیا کرتے تھے، تو بھی میں ان سے جنگ کروں گا۔"

یہ سن کر عمرؓ بھی...... جن کی رائے میں اس موقع پر منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنا مسلمانوں کے لئے نقصان دہ تھا...... قدرے تیزی میں آ گئے اور کہا:

"ہم ان لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے صاف فرمایا ہے کہ مجھے اس وقت تک لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہہ دیں۔ جو شخص یہ کلمہ زبان سے ادا کر دے گا اس کی حفاظت جان و مال مسلمانوں کے ذمے ہوگی البتہ جو حقوق اس پر واجب ہوں گے ان کی ادائی کا مطالبہ اس سے ضرور کیا جائے گا۔ ہاں اس کی نیت کا حساب اللہ اس سے خود لے گا۔"

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر عمر رضی اللہ عنہ کے دلائل کا اثر کچھ نہ ہوا اور انہوں نے فرمایا۔

"واللہ! میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرنیوالے لوگوں سے ضرور لڑوں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام قبول کرنیوالے لوگوں کے ذمے جو حقوق ہوں گے ان کی ادائی کا مطالبہ ان سے بہرحال کیا جائے گا۔"

عمر ﷛ کہا کرتے تھے:

"یہ جواب سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ نے منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے لئے ابوبکر ﷛ کو شرح صدر عطا کیا ہے اور حق وہی ہے جو ابوبکر ﷛ کہتے ہیں"۔

اس واقعے سے ملتا جلتا ایک دفعہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی پیش آیا تھا۔ طائف سے قبیلہ ثقیف کا وفد آپ کی خدمت میں قبول اسلام کی غرض سے حاضر ہوا لیکن ساتھ ہی یہ درخواست بھی کہ انہیں صلوٰۃ معاف کر دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں صلوٰۃ نہیں۔"

ابوبکر ﷛ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا اپنا فرض اولین خیال کرتے تھے۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا:

"واللہ! میں ان لوگوں کے ضرور لڑوں گا جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں۔"

دشمن قبائل کے وفود

باغی قبائل عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور فزارہ نے، جو مدینہ کے گرد و نواح میں آباد تھے، مسلمانوں سے لڑنے کے لئے فوجیں اکٹھی کیں اور مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ قبائل دو حصوں میں منقسم تھے۔ ایک حصہ ربذہ کے قریب مقام ابرق میں خیمہ زن تھا اور دوسرا ذی القصہ میں جو القصہ میں جو مکہ کے قریب نجد کے راستے میں واقع ہے۔ ان فوجوں کے سرداروں نے پہلے اپنے وفود مدینہ روانہ کئے جنہوں نے وہاں پہنچ کر بعض لوگوں

کے ذریعے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہیں البتہ انہیں ادائے زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا جو پہلے عمر رضی اللہ عنہ کو دے چکے تھے یعنی اگر انہوں نے زکوٰۃ کی ایک رسی بھی ادا کرنے سے انکار کیا تو میں اس رسی کی خاطر ان سے جنگ کروں گا۔

وفود کی ناکام واپسی

چنانچہ یہ وفود خائب و خاسر ہو کر واپس اپنے اپنے لشکروں میں چلے گئے لیکن قیام مدینہ کے دوران میں انہوں نے وہاں کے حالات کا بہ نظر غائر مطالعہ کر لیا تھا اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان دنوں اہل مدینہ بہت کمزور ہیں اور شہر کو بیرونی طاقت کے حملے سے بچا نہیں سکتے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایات

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دور بین آنکھ نے ان لوگوں کے ارادوں کو بھانپ لیا چنانچہ وفود کے واپس جانے کے بعد انہوں نے اہل مدینہ کو جمع کر کے فرمایا:

"تمہارے چاروں طرف دشمن ڈیرے ڈالے پڑا ہے اور اسے تمہاری کمزوریوں کا علم ہو گیا ہے۔ نہ معلوم دن اور رات کے کس حصے میں وہ لوگ تم پر چڑھ آئیں۔ وہ تم سے ایک منزل کے فاصلے پر خیمہ زن ہیں۔ ابھی تک وہ اس امید میں تھے کہ شاید تم ان کی شرائط قبول کر لو گے۔ لیکن اب ہم نے ان کی شرائط ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے وہ ضرور تم پر حملہ کرنے کی تیاریاں کریں گے۔ تم بھی اپنے آپ کو لڑائی کے لئے تیار رکھو۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت علی، زبیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو بلایا اور انہیں ایک ایک دستہ دے کر مدینہ کے بیرونی راستوں پر متعین کر دیا۔ دوسرے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مسجد نبوی میں پہنچ جائیں اور لڑائی کی تیاری کریں۔

عہد صدیقی کا پہلا معرکہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اندازہ بالکل درست نکلا۔ ابھی تین روز بھی نہ گزرے تھے کہ منکرین زکوٰۃ نے مدینہ چڑھائی کر دی اور تہیہ کر لیا کہ خلیفہ سے اپنی بات منوا کر ہی واپس جائیں گے۔

مدینہ کے اردگرد پھیلے ہوئے جاسوسوں نے منکرین زکوٰۃ کے ارادوں سے علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، ابن مسعودؓ اور دوسرے لوگوں کو مطلع کر دیا۔ انہوں نے ابوبکرؓ کے پاس خبر بھیجی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں تو ہدایت کی کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر ٹھہر کر شہر کے تمام ناکوں کی حفاظت کریں، اور خود اونٹ پر سوار ہو کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور تمام مسلمانوں کو جو وہاں جمع تھے، ساتھ لے کر ان لوگوں کے مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوئے جو بے خبری میں مسلمانوں پر شب خون مارنا چاہتے تھے۔

ان قبائل کے وہم میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان کے مقابلے میں آئے گا۔ کیونکہ انہیں اپنے وفود کے ذریعے سے اہل مدینہ کی کمزوری کا علم ہو گیا تھا۔ لیکن جب ان کی توقعات کے قطعاً برعکس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان پر اچانک حملہ کر دیا تو ان کی سراسیمگی کی انتہا نہ رہی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ مسلمانوں نے ذی حسا تک ان کا تعاقب کیا۔

جب حملہ آور قبائل مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے تو انہوں نے اس خیال سے کہ مدینہ میں ان کا مقابلہ کرنے والی کوئی طاقت موجود نہیں اپنے چیدہ بہادروں کو ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ لیکن جب قبائل شکست کھا کر بھاگے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرنا شروع کیا تو وہ لوگ جنہیں پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا، موقع کی نزاکت بھانپ کر مسلمانوں کے بالمقابل آگئے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ رات بھر لڑائی ہوتی رہی لیکن کسی بھی فریق کے حق میں فیصلہ نہ ہو سکا۔ بالآخر مخالفین نے کمندیں پھینک کر مسلمانوں کے اونٹوں کی گردنوں میں ڈالنی شروع کیں تاکہ مسلمانوں کو گرفتار کر سکیں۔ یہ اونٹ جنگی نہ تھے کہ اس

چال کو سمجھ سکتے۔ انہوں نے خوفزدہ ہو کر مدینہ کی طرف واپس بھاگنا شروع کیا اور اپنے سواروں کو لئے شہر میں داخل ہو گئے۔

عبس، ذبیان اور ان کے مددگار، مسلمانوں کے بھاگ جانے سے بڑے خوش ہوئے اور اسے اپنی فتح مندی اور مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کرتے ہوئے مقام ذی القصہ کے خیمہ زن لوگوں کو ان تمام واقعات کی اطلاع دی۔ ذی القصہ والے بھی ان کے پاس پہنچ گئے اور آپس میں صلاح مشورہ ہونے لگا..... بالآخر فیصلہ ہوا کہ وہ اس وقت تک واپس نہ جائیں جب تک مسلمانوں کو ناک چنے چبوا کر اپنی پیش کردہ شرائط قبول کرنے پر مجبور نہ کر دیں۔

ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں نے اس رات پلک تک نہ جھپکائی بلکہ دشمن سے لڑائی کی تیاریوں میں مشغول رہے۔ رات کے آخری تہائی حصے میں وہ مسلمانوں کو لے کر دوبارہ دشمن کی جانب روانہ ہوئے۔ پہلے کی طرح اب بھی انہوں نے اس امر کی کامل احتیاط کی کہ دشمن کو کانوں کان مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے۔ صبح صادق کا ظہور ہوا تو مسلمان اور ان کے دشمن قبائل ایک ہی میدان میں تھے۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ مسلمان لڑائی کے لئے پوری طرح تیار تھے اور دشمن بڑے اطمینان اور آرام سے خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا۔ انہوں نے بے دھڑک اپنی تلواریں دشمن کے سینوں میں پیوست کرنی شروع کر دیں۔ وہ لوگ اس اچانک حملے سے ہڑبڑا کر اٹھے اور نیم بیداری کی حالت میں لڑنا شروع کر دیا لیکن تابہ کے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے اپنی تلواروں کے خوب جوہر دکھائے اور ابھی سورج نے اپنا چہرہ افق عالم پر ظاہر ہی کیا تھا کہ دشمن کے لشکر نے نہایت بے ترتیبی کی حالت میں بھاگنا شروع کر دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ذی القصہ تک ان کا تعاقب کیا۔ آخر جب یہ دیکھ لیا کہ وہ دوبارہ واپس آنے کی جرأت نہ کریں گے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اس جگہ واپس آ گئے جہاں پر تھوڑی دیر قبل میدان کارزار گرم تھا اور نعمان بن مقرن، سالار میمنہ کو تھوڑی سی جمعیت کے ہمراہ اس جگہ چھوڑ کر خود مدینہ تشریف لے آئے۔

جنگ ذی القصہ اور جنگ بدر میں مشابہت

اس موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایمان و یقین، عزم وثبات اور حزم واحتیاط کا جو مظاہرہ کیا اس سے مسلمانوں کے دلوں میں عہد رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی یاد تازہ ہوگئی۔ ابوبکرؓ کے عہد کی یہ پہلی لڑائی بڑی حد تک جنگ بدر سے مشابہ ہے۔ جنگ بدر کے روز مسلمان صرف تین سو تیرہ کی قلیل تعداد میں تھے جب کہ مشرکین مکہ کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ اس موقع پر بھی مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل تھی، اس کے بالمقابل عبس، ذبیان اور غطفان کے قبائل بھاری جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جنگ بدر کے موقع پر انہیں اللہ نے مشرکین پر فتح عطا فرمائی۔ اس موقع پر ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھیوں نے ایمان کامل کا ثبوت دیا اور دشمن پر فتح حاصل کی۔ جس طرح جنگ بدر دور رس نتائج کی حامل تھی اسی طرح اس جنگ میں بھی مسلمانوں کی فتح نے اسلام کے مستقبل پر گہرا اثر ڈالا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عزم وثبات

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عزم وثبات اور ایمان وایقان کا جو مظاہرہ کیا وہ چنداں قابل تعجب نہیں کیونکہ انہوں نے آغاز اسلام ہی سے اپنا مقصد اولین یہ قرار دے رکھا تھا کہ ہر کام میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیار کریں گے اور ان کی ساری زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ انہوں نے ہر موقع پر اپنے اس عہد کو پوری طرح نباہا اور بڑی سے بڑی روک بھی انہیں ان کے بلند مقصد سے علیحدہ نہ کر سکی۔ اس صورت میں یہ کیونکر ممکن تھا وہ دشمنوں سے ایسے معاملے کے متعلق سمجھوتا کر لیتے جو سراسر احکام الٰہی کے خلاف تھا۔ جب بھی کسی جانب سے منشائے الٰہی اور تعلیمات نبوی ﷺ کے خلاف کوئی کام کرنے کے لئے ان پر زور دیا جاتا تو انہیں رسول اللہ ﷺ کا وہ فقرہ یاد آجاتا جو ابوطالب کی درخواست پر آپ نے کہا تھا۔

”واللہ! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لا کھڑا کریں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں جو مجھے اللہ کی طرف سے تفویض کیا گیا ہے تو بھی میں اس کام کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو

میں دوسروں کو بھی اپنا ہم نوا بنالوں یا اپنی کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بالکل اسی قسم کا جواب اپنے ساتھیوں کو اس وقت دیا تھا جب انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی منسوخ کرنے پر زور دیا تھا اور یہی موقف انہوں نے اس وقت اختیار کیا جب لوگوں نے انہیں منکرین زکوٰۃ سے جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ یہی وہ ایمان صادق تھا جس کے مقابلے میں انہوں نے کسی چیز کی، حتیٰ کہ موت کی بھی پروانہ کی اور یہی ایمان صادق، جس کے مقابلے میں دنیا کی تمام آسائشیں ان کی نظروں میں ہیچ تھیں اس نازک وقت میں اسلام کو تباہی و بربادی سے بچانے میں بھی سب سے بڑا ممد و معاون ثابت ہوا۔

مشورۂ صحابہ کے عدم قبول کی وجہ

سوال پیدا ہوتا ہے آخر کیا حرج تھا اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ منکرین زکوٰۃ سے جنگ نہ کرنے کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ کا مشورہ قبول کر لیتے؟ اس کا جواب بہت سہل ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عرب کے اکثر قبائل نے بہت تھوڑا عرصہ قبل بت پرستی سے نجات حاصل کی تھی اور جاہلیت کا دور ختم ہوئے نہایت قلیل عرصہ گزرا تھا۔ اگر ابوبکرؓ فرائض دینی کو ترک کر دینے کے متعلق قبائل عرب کا کوئی مطالبہ تسلیم کر کے ان سے سمجھوتا کر لیتے تو طلیحہ، مسیلمہ اور دوسرے خود ساختہ نبی فوراً یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتے کہ فرائض دینی کی بجا آوری کے متعلق اس سمجھوتے سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد ﷺ نے جو پیغام دنیا کے سامنے پیش کیا تھا وہ (نعوذ باللہ) اللہ کی طرف سے نہ تھا بلکہ آپ کا خود ساختہ تھا ورنہ ابوبکرؓ اس کے متعلق سمجھوتا کیوں کرتے۔ قبائل عرب پر اس پروپیگنڈے کا زبردست اثر ہوتا اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ مدعیان نبوت سے مل جاتے جو ابھی ان پر ایمان نہ لائے تھے اور ان کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ ذی القصہ میں شرمناک شکست کا انتقام لینے کے لئے بنی ذبیان اور بنی عبس کے مشرکین نے ان تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالا جو ان کی دسترس عقیدے میں اور پکے ہو گئے اور انہوں نے بے پس و پیش ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر زکوٰۃ پیش کرنی

شروع کر دی کیونکہ انہوں نے تمام حالات وواقعات کا مشاہدہ کر کے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ ابوبکرؓ اپنی قوت ایمانی کی بدولت ان مرتدین پر لامحالہ غالب آجائیں گے، دین حق کا بول بالا ہوگا اور وہ بزدلانہ انتقام جو ہزیمت خوردہ قبائل نے کمزور و بے کس مسلمانوں سے لیا ہے ان کی ہزیمت کے داغ کو نہ مٹا سکے گا اور ان قبائل کو اس کی بہت مہنگی قیمت دینی پڑے گی۔

کسی شک کی گنجائش بھی کہاں تھی؟ صدیق اکبرؓ نے عہد کر لیا تھا کہ ان قبائل سے غریب و بے کس مسلمانوں کے قتل کا انتقام لیا جائے گا اور کسی بھی مشرک کو، جس نے مسلمانوں کے قتل میں حصہ لیا ہے، زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ اس کام کے لئے صرف لشکر اسامہ کی واپسی کی دیر تھی۔

بیرونی مسلمانوں کی ادائے زکوٰۃ

ذی القصہ میں مسلمانوں کی فتح پر قبائل کے جو لوگ بہ دستور اسلام پر قائم تھے جوق در جوق زکوٰۃ ادا کرنے کے مدینہ آنے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے جو لوگ آئے وہ بنی تمیم کے رئیس صفوان اور زبرقان اور بنی طے کے سردار عدی بن حاتم طائی تھے۔ اہل مدینہ نے بڑی گرم جوشی سے ان لوگوں کو خیر مقدم کیا۔ لیکن اندر ہی اندر ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کہیں لوگوں کا آنا ہمارے لئے مصیبت کا باعث نہ ہو۔ مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ نہیں یہ لوگ تمہارے لئے مصیبت کا پیغام لے کر نہیں بلکہ خوش خبری لے کر آئے ہیں۔ یہ تمہارے دشمن نہیں، مددگار ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کے حوصلے بلند رکھنا بے حد ضروری تھا کیونکہ ہر جانب خطرات کے بادل منڈلاتے دیکھ کر مسلمانوں کو طبعاً مضبوط سہاروں کی ضرورت تھی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم اس مقام پر کھڑے تھے کہ اگر اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہماری مدد نہ فرماتا تو ہماری ہلاکت یقینی تھی۔ ہم سب مسلمانوں کا بالاتفاق یہ خیال تھا کہ ہم زکوٰۃ کے اونٹوں کی خاطر

دوسروں سے جنگ نہ کریں گے اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائیں گے یہاں تک کہ ہمیں کاملاً غلبہ حاصل ہو جائے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ سے لڑنے کا عزم کر لیا۔ انہوں نے منکرین کے سامنے صرف دو باتیں پیش کیں، تیسری نہیں۔ پہلی یہ کہ وہ اپنے لئے ذلت و خواری قبول کر لیں اور اگر یہ منظور نہیں تو جلاوطنی یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ اپنے لئے ذلت وخواری کی حالت قبول کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اقرار کریں کہ ان کے مقتول دوزخی اور ہمارے مقتول جنتی ہیں۔ وہ ہمیں ہمارے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں۔ ہم نے ان سے جو مال غنیمت وصول کیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں لیکن جو مال انہوں نے ہم سے لیا ہے وہ ہمیں واپس کر دیں۔ جلاوطنی کی سزا بھگتنے کا مطلب یہ ہے کہ شکست کھانے کے بعد اپنے علاقوں سے نکل جائیں اور دور دراز مقامات میں جا کر زندگی بسر کریں۔"

شام سے اسامہ رضی اللہ عنہ کی واپسی

مختلف قبائل کے مسلمان زکوٰۃ لے کر مدینہ پہنچ رہے تھے کہ اسامہ بھی سرزمین روم سے مظفر و منصور واپس آ گئے۔ ابوبکرؓ اور اکابر صحابہ نے مقام جرف میں لشکر کا استقبال کیا۔ عامۃ الناس نے بھی بڑے جوش وخروش سے اس فوج کا خیر مقدم کیا۔ جب لشکر مدینہ میں داخل ہوا تو ہر جانب سے خوشی اور مسرت کے گیتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسامہؓ سب سے پہلے مسجد نبوی میں پہنچے۔ وہ علم جو رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک سے انہیں مرحمت فرمایا تھا، مسجد میں بلند کیا اور نماز شکرانہ ادا کی۔

دوبارہ جنگ

ابوبکرؓ نے نہایت دوراندیشی سے فیصلہ کیا کہ دشمن کو تیاری کا موقع نہ دیا جائے بلکہ اس پر پے در پے حملے کر کے اس کی قوت وطاقت توڑ دی جائے۔ انہوں نے اسامہ اور

ان کے لشکر کو فی الحال آرام کرنے کا حکم دیا اور خود ان لوگوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے جو اس سے پہلے ذی القصہ کی لڑائی میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ لوگوں نے درخواست کی کہ آپ اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالیں کیونکہ اگر خوانخواستہ آپ کو کوئی ضرر پہنچ گیا تو اسلامی سلطنت کا نظام تہ و بالا ہو جائے گا، اس لئے آپ اپنی جگہ کسی اور کو لشکر کا سردار مقرر فرما دیں تا کہ اگر وہ میدان میں کام بھی آ جائے تو مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ سکے۔ لیکن ابوبکرؓ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتے تھے تو جب تک اسے پورا نہ کر لیتے، پیچھے ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ انہوں نے یہ باتیں سن کر فرمایا۔

"واللہ! میں ہرگز پیچھے نہ رہوں گا بلکہ تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری ہمتوں کو بلند رکھوں گا۔"

مدینہ سے روانہ ہو کر ابوبکرؓ ابرق پہنچے جو ذی القصہ کے قریب واقع ہے۔ وہاں بنی عبس، بنی ذبیان اور بنی بکر سے ان کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ جنگ میں مؤخر الذکر قبائل کو شکست اٹھانی پڑی اور مسلمانوں نے انہیں اس علاقے سے نکال دیا۔ ابرق بنی ذبیان کی ملکیت تھا لیکن جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہاں سے نکال دیا تو اعلان کیا کہ "اب یہ سرزمین مسلمانوں کی ملکیت ہے، آئندہ بنی ذبیان اس پر قابض نہ ہو سکیں گے۔ کیونکہ اللہ نے اسے ہمیں غنیمت میں دے دیا ہے۔" چنانچہ اس کے بعد یہ مقامات مسلمانوں ہی کی ملکیت میں رہے اور حالات معمول پر آنے کے بعد بھی بنو ثعلبہ نے اس جگہ دوبارہ آباد ہونا چاہا تو ابوبکرؓ نے اجازت نہ دی۔

اس طرح منکرین زکوٰۃ کی شکست پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ مدینہ والے بے حد خوش تھے۔ ایک تو اسامہ کا لشکر پہنچ جانے کی وجہ سے شہر پر کسی حملے کا خطرہ باقی نہ رہا تھا، دوسرے غنیمت اور زکوٰۃ کے اموال متواتر پہنچنے کے باعث مسلمانوں کی گرسنگی و تنگ دستی بھی بڑی حد تک دور ہو گئی تھی۔

شکست خوردہ قبائل کی روش

عبس، ذبیان، غطفان، بنی بکر اور مدینہ کے قریب بسنے والے دوسرے باغی

قبائل کے لئے مناسب تھا کہ وہ اپنی ہٹ دھرمی اور بغاوت سے باز آجاتے، حضرت ابوبکر ﷛ کی کامل اطاعت اور ارکان اسلام کی بجا آوری کا اقرار کرتے اور مسلمانوں سے مل کر مرتدین کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے۔ عقل کا تقاضا بھی یہی تھا اور واقعات بھی اسی کی تائید کرتے تھے۔ ابوبکرؓ کے ذریعے سے ان کا زور ٹوٹ چکا تھا، روم کی سرحدوں پر حصول کامیابی کے باعث اہل مدینہ کا رعب قائم ہو چکا تھا مسلمانوں کی قوت وطاقت بڑھ چکی تھی اور اب وہ اس کمزوری کے عالم میں نہ تھے جو جنگ بدر اور ابتدائی غزوات کے ایام میں ان پر طاری تھی۔ اب مکہ بھی ان کے ساتھ تھا اور طائف بھی اور ان دونوں شہروں کی سیادت سارے عرب پر مسلم تھی۔ پھر خود ان قبائل کے درمیان ایسے مسلمان کثرت سے موجود تھے جنہیں باغی کسی صورت ساتھ نہ ملا سکے تھے اور اس طرح ان کی پوزیشن بے حد کمزور تھی۔

مسلمانوں کی دشمنی نے ان کی آنکھیں اندھی کر دی تھیں اور سود وزیاں کا احساس دلوں سے جاتا رہا تھا۔ انہوں نے اپنے وطنوں کو چھوڑ دیا اور قبیلہ بنی اسد کے متنبی طلیحہ بن خویلد سے جا ملے۔ جو مسلمان ان کے درمیان موجود تھے وہ انہیں ان کے ارادوں سے باز نہ رکھ سکے۔ ان لوگوں کے پہنچ جانے سے طلیحہ اور مسیلمہ کی قوت وطاقت میں بہت اضافہ ہو گیا اور یمن میں بغاوت کے شعلے زور شور سے بھڑکنے لگے۔ یہ حالات دیکھ کر ابوبکرؓ نے فیصلہ کیا کہ جنگ کا سلسلہ بہ دستور جاری رکھا جائے اور اس وقت تک دم نہ لیا جائے جب تک یمن کا چپہ چپہ اسلامی حکومت کے زیر نگین نہ آجائے۔ اگر یہ قبائل عقل سے کام لیتے تو طلیحہ اور دوسرے مدعیان نبوت کو اتنا فروغ حاصل نہ ہوتا اور بہت جلد سارا عرب اسلام کی آغوش میں آجاتا۔ لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ اس نے مخالفین کو مزید مہلت دی کہ وہ اس عرصے میں اپنی جمعیت اور مضبوط کر لیں۔

اسلام سے ان قبائل کے اعتماد اور نفرت کی اصل وجہ وہی تھی جس کا ذکر ہم ابتدا میں کر آئے ہیں یعنی قبائلی عصبیت اور یہ جذبہ کہ ہم کسی طاقت کا غلبہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ جب ان قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے میں ناکامی ہوئی بلکہ اس کے برعکس انہیں اپنی بعض بستیوں ہی سے نکلنا پڑا تو بد وطبائع نے فاتح طاقت کے سامنے سر جھکانا اور اس کی سیادت قبول کرکے

اس کے ماتحت زندگی بسر کرنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ وہ اس خیال سے بنی اسد اور طلیحہ سے جا کر مل گئے کہ ممکن ہے ان کا ساتھ دینے سے وہ اپنی عبرت ناک شکست کا داغ دھو سکیں۔

کرنے کی جرأت بھی کس طرح ہو سکتی تھی جب مسلمانوں کو فتح مندی کی خبریں ہر طرف پھیل چکی تھیں، ان کا رعب سارے عرب پر چھا چکا تھا اور ان کی بہادری کا سکہ تمام قبائل پر بیٹھ چکا تھا۔

قیام مدینہ کی وجہ

ان لشکروں کو رخصت کرنے کے بعد ابوبکرؓ مدینہ واپس تشریف لے آئے اور مستقل طور پر یہیں قیام فرمایا۔ مدینہ میں قیام کی وجہ یہ تھی کہ اب یہ شہر مسلمانوں کا جنگی ہیڈ کوارٹر بن چکا تھا اور فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق تمام احکام یہیں سے صادر ہوتے تھے۔ اس لئے خلیفہ کا مستقل طور پر دارالخلافہ میں قیام نہایت ضروری تھا ورنہ فتوحات کا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا اور مسلمانوں کو مخالفین کے مقابلے میں وہ کامیابی ہرگز حاصل نہ ہوتی، جو ہوئی۔

سب سے ضروری حکم، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے سپہ سالاروں کی روانگی کے وقت دیا، یہ تھا کہ کوئی سپہ سالار مخالف پر فتح پانے کے بعد اس وقت تک کسی دوسری جانب رخ نہ کرے جب تک دربار خلافت سے اس کی اجازت حاصل نہ کر لے کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خیال میں سیاست کا تقاضا یہی تھا کہ دوران جنگ میں دارالخلافہ کی انتظامی مشینری اور جنگی قیادت میں کامل اتحاد ہونا چاہیے۔

مہاجرین کی قیادت کا سبب

اس موقع پر انصار کے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ان لشکروں کے سپہ سالار تمام تر مہاجرین ہی ہیں اور انصار میں سے کسی شخص کو قیادت کا علم سپرد نہیں کیا گیا، لیکن یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ ابوبکرؓ کا اصل منشاء یہ تھا کہ اہل مدینہ اپنے شہر کی حفاظت خود کریں کیونکہ وہ یہاں کے تمام حالات کو خوب جانتے تھے اور دوسروں کی نسبت اپنے شہر کی حفاظت اچھی طرح کر

سکتے تھے۔ ان لوگوں میں یہ خیال سراسر غلط تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کی روش دیکھتے ہوئے انہیں اس خیال کے تحت قیادت سے محروم کر دیا کہ مبادا باہر جا کر وہ بغاوت کا علم بلند کر دیں۔

یہ فوجیں مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کی گئی تھیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ انصار ایمان باللہ اور شیفتگی رسول اللہ ﷺ میں مہاجرین سے کسی طرح کم نہ تھے اس لئے انہیں انصار سے کسی قسم کا خدشہ کیونکر ہو سکتا تھا؟

اگر انصار کے متعلق یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اکابر مہاجرین مثلاً حضرت علی، طلحہ اور زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی یہی خیال کیوں درست نہیں ہو سکتا کہ ابوبکرؓ نے انہیں اس لئے مدینہ سے باہر نہ جانے دیا کہ ان کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ تھا۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ انہوں نے ان لوگوں اور عمر رضی اللہ عنہ کو اس وجہ سے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا کہ ان سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیتے رہیں اور ان کے تدبر اور مشوروں سے فائدہ اٹھا کر مرکز قیادت کو مضبوط کر سکیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے تعصبی

آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے ان لوگوں سے ڈرنے کی وجہ کیا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے خلافت اپنی مرضی اور خواہش سے حاصل نہ کی تھی بلکہ یہ گراں بار ذمہ داری صرف اس لئے قبول کی تھی کہ مدینہ کے اہل الرائے اصحاب ان کی صلاحیتوں کی بنا پر انہی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور ان کے سوا کسی کی خلافت پر راضی نہ تھے۔ اڑھائی برس کے عرصے میں جو واقعات پیش آئے انہوں نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ ابوبکرؓ نے خلافت محض اللہ کے راستے میں قربانی کرتے ہوئے قبول کی تھی۔ چنانچہ بیعت لینے کے بعد انہوں نے پہلی ہی تقریر میں فرمایا۔

''اے لوگو! مجھے خلیفہ تو بنا دیا گیا ہے لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ واللہ! میری تو دلی خواہش ہے کہ یہ بار گراں تم میں سے کوئی اور شخص

اٹھائے"۔

اسی طرح ایک بار خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"حکمران دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ بدبخت ہوتے ہیں۔"

یہ سن کر لوگوں نے حیرانی کا اظہار کیا تو فرمایا:

"لوگو! تمہیں کیا ہوا؟ تم اعتراض کرنے والے اور جلد باز ہو۔ جب کوئی شخص حکمران بنتا ہے تو چاہتا ہے کہ دوسروں کا مال بھی اس کے قبضے میں آجائے۔ لیکن اس کی حالت محض سراب کی سی ہوتی ہے۔ وہ ظاہر میں تو خوش و خرم دکھائی دیتا ہے مگر اصل میں حد درجہ غمگین شخص ہوتا ہے"۔

سخ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قیام جس مکان میں تھا وہ بہت معمولی اور دیہاتی طرز کا تھا۔ اگر وہ چاہتے تو خلافت کے بعد اس کی حالت درست کر سکتے تھے۔ لیکن خلافت کے پورے عہد میں مکان جوں کا توں رہا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آئی۔ اسی طرح مدینہ کا مکان بھی بہ دستور پہلی ہیئت پر قائم رہا۔ خلافت کے بعد چھ مہینے تک وہ روزانہ پیدل سخ سے مدینہ آتے تھے اور شاذ و نادر ہی کبھی گھوڑا استعمال کرتے تھے۔ خلافت سے پہلے وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ جب خلافت کا کام بڑھا اور سلطنت کی ذمہ داریاں زیادہ ہوئیں تو تجارت کے لئے وقت دینا مشکل ہو گیا۔ اس لئے انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ انصرام سلطنت اور تجارت کا کام ساتھ ساتھ نہیں چل سکتا۔ چونکہ رعایا کی دیکھ بھال اور اس کی خبر گیری تجارت سے زیادہ ضروری ہے اس لئے میرے اہل و عیال کے واسطے اتنا وظیفہ مقرر کر دیا جائے جو انہیں معمولی طور پر کافی ہو۔ چنانچہ بیت المال سے ان کا اتنا وظیفہ مقرر کر دیا گیا جس سے ان کا اور ان کے اہل و عیال کا گزارہ چل سکے۔ لیکن جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو حکم دیا، جو وظیفہ میں نے بیت المال سے لیا ہے وہ سارے کا سارا واپس کر دو۔ اس کی ادائیگی کے لئے میری فلاں زمین بیچ دی جائے اور آج تک میں نے مسلمانوں کا جو مال اپنے اوپر خرچ کیا ہے اس زمین کو فروخت کر کے وہ پوری کی پوری رقم ادا کر دی جائے۔ چنانچہ جب ان کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور

وہ رقم ان کے پاس پہنچی تو وہ رو پڑے اور کہا:

''ابوبکرؓ! تم نے اپنے جانشین کے سر پر بہت بھاری بوجھ ڈال دیا ہے''

جو شخص ان اعلیٰ صفات اور خصائل کا مالک ہو، اسے آخر کس چیز کا ڈر ہو سکتا تھا اور کس شخص کی مجال تھی کہ ان پر زبان طعن دراز کرتا۔ تمام مسلمانوں بلکہ سارے عرب کی عقل وخرد، اصابت رائے، صدق مقال، ایمان واخلاص اور قربانی وایثار کے بے نظیر جذبے کی وجہ سے ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ اگرچہ ان صفات حسنہ سے ان کی زندگی کا کوئی بھی دور خالی نہ رہا لیکن ان کا ظہار جس طرح خلافت کی ذمہ داریاں تفویض ہونے کے بعد ہوا، پہلے نہ ہو سکا۔ انہیں باتوں کو دیکھتے ہوئے کسی بھی شخص نے ان بلند مقاصد کے بارے میں شک نہ کیا اور کسی بھی جانب سے ان کے احکام کی بجا آوری میں کسی قسم کے تردد کا اظہار نہ کیا گیا۔

خالد بن ولیدؓ

خالدؓ بن ولید کو ابوبکرؓ نے جس لشکر کی کمان سپرد کی تھی، وہ تمام لشکروں سے زیادہ مضبوط تھا اور اس میں مہاجرین وانصار کے منتخب آدمی جمع تھے جن کا انتخاب خود خالدؓ نے کیا تھا۔ صفحات آئندہ میں آپ دیکھیں گے کہ ان لوگوں نے جنگ ہائے ارتداد میں بے نظیر کارنامے انجام دیئے اور عراق وشام کی جنگوں میں تو انہوں نے وہ معرکے سر کیے جنہیں کسی صورت فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ان فوجوں کی کامیابی کا راز خالد بن ولید کی سپہ سالاری میں مضمر تھا۔ خالد کو جو جنگی مہارت حاصل تھی اس کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں۔ سکندر اعظم، چنگیز خان، جولیس سیزر ہنی بال اور نپولین کی شخصیتیں خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ نظر آتی ہوں لیکن حق یہ ہے کہ خالدؓ کی شخصیت کے آگے وہ سب ہیچ ہیں۔ وہ اسلام کے بطل جلیل تھے اور ہر قسم کے خطرات وخدشات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں دلیرانہ گھس جانا ان کا خاص شیوہ تھا۔ فنون جنگ سے گہری واقفیت میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ دشمن کی ہر چال اور اس کا

ہر منصوبہ ان کی نگاہ میں ہوتا تھا اور مخالف کی کوئی حرکت ان سے چھپی نہ رہ سکتی تھی۔ تمام مسلمانوں کو ان کی صلاحیتوں کا علم تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے انہیں جنگ موتہ میں مسلمانوں کی قلیل التعداد فوج کو ہزار ہا رومیوں کے نرغے سے نکال لانے کی بنا پر سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ زندگی بھر انہوں نے کبھی شکست نہیں کھائی، ہمیشہ فتح یاب ہی ہوتے رہے اور اسی حالت میں وفات پائی۔

اسلام لانے سے قبل بھی حضرت خالد ﷛ کا شمار قریش کے چوٹی کے بہادروں میں ہوتا تھا۔ جنگ بدر، احد اور خندق میں وہ کفار کے دوش بہ دوش مسلمانوں سے لڑے۔ سرتاپا فوجی ہونے کی وجہ سے ان کی طبیعت میں خشونت، تندی اور تیزی آ گئی تھی۔ دشمن کو سامنے دیکھ کر ان سے مطلق صبر نہ ہو سکتا اور چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس پر ٹوٹ پڑیں۔ اللہ کا فضل ہمیشہ ان کے شامل حال رہا ورنہ ممکن تھا کہ اپنی جلد بازی کے باعث انہیں بھاری نقصان سے دوچار ہونا پڑتا۔ دشمن بڑی سے بڑی تعداد اور کثیر اسلحہ کے باوجود کبھی انہیں مرعوب نہ کر سکتا تھا۔ صلح حدیبیہ سے اگلے سال رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو خالد مسلمانوں سے حد درجہ نفرت کے باعث مکہ چھوڑ کر ہی چلے گئے۔ لیکن اچانک اللہ نے ان کے دل پر پڑے ہوئے تاریک پردے ہٹا دیئے اور انہیں حق و صداقت سے آگاہی عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ واپس تشریف لے جانے کے بعد خالد مکہ واپس آ گئے اور ایک روز انہوں نے قریش کے مجمع میں علانیہ کہہ دیا کہ اب ہر ذی عقل انسان پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ محمد ﷺ نہ جادوگر ہیں نہ شاعر۔ ان کا کلام یقیناً اللہ کی طرف سے ہے۔ اب قریش کے لئے آپ کا اتباع اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔

عمان میں فتنہ ارتداد کا بانی

عمان میں فتنہ ارتداد کا بانی ذوالتاج لقیط بن مالک ازدی تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ ابوبکر ﷛ نے حمیر کے ایک شخص حذیفہ بن محصن غلفانی کو عمان اور قبیلہ ازد کے ایک شخص عرفجہ بن ہرثمہ البارقی کو مہرہ بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ دونوں ساتھ ساتھ سفر

کریں اور جنگوں کا آغاز عمان سے کریں۔ جب عمان میں جنگ ہو تو حذیفہ قائد ہوں گے اور جب مہرہ میں جنگ پیش آئے تو عرفجہ سپہ سالاری کے فرائض انجام دیں گے۔

ابوبکرؓ نے عکرمہ بن ابوجہل کو یمامہ میں فتنہ ارتداد کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا تھا اور شرحبیل بن حسنہ کو ان کی مدد کے لئے روانہ کیا تھا۔ لیکن عکرمہ نے شرحبیل کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ کی فوجوں پر حملہ کر دیا تاکہ فتح کا فخر تنہا ان ہی کے حصے میں آئے۔ لیکن مسیلمہ نے انہیں شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ ابوبکرؓ نے ان کی جلد بازی پر ملامت کرتے ہوئے انہیں مدینہ آنے سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ عمان جا کر باغیوں کے مقابلے میں حذیفہ اور عرفجہ کی مدد کریں۔ ابوبکرؓ نے ان دونوں سرداروں کو بھی اس کی اطلاع دے دی اور حکم دیا کہ وہ کوئی کام عکرمہ سے مشورہ کئے بغیر نہ کریں۔ دونوں سرداروں کے پہنچنے سے پہلے ہی عمان پہنچ گئے۔ جب یہ تینوں قائد اکٹھے ہوئے تو باہم صلاح مشورے کے بعد طے پایا کہ جیفر اور اس کے بھائی عباد کو، جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہیں، لکھا جائے کہ وہ آ کر اسلامی لشکر سے مل جائیں۔

مسلمانوں کی کامیابی

جب لقیط کو مسلمانوں کے آنے کا پتا چلا تو وہ لشکر لے دبا میں خیمہ زن ہو گیا۔ ادھر جیفر اور عباد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑوں سے نکل کر پہلے "صحار" پہنچے اور وہاں سے چل کر اسلامی فوج سے آ کر مل گئے۔ دبا کے میدان کارزار میں دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ ابتداء میں لقیط کا پلہ بھاری تھا۔ مسلمان شدید اضطراب کی حالت میں تھے اور ان کی صفوں میں انتشار کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے۔ قریب تھا کہ انہیں شکست ہو جاتی کہ اللہ کی نصرت بنو عبدالقیس اور بحرین کے دوسرے قبائل کی جانب سے بھاری کمک کی صورت میں نمودار ہوئی جس سے جنگ کا پانسا بالکل پلٹ گیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کی قوت و طاقت میں معتدبہ اضافہ ہو گیا اور وہ بڑھ چڑھ کر لقیط کی فوج پر حملے کرنے لگے۔ اس جنگ میں انہوں نے دشمن کے دس ہزار آدمی قتل کئے، ان کی عورتوں

اور بچوں کو قیدی اور کثیر مال غنیمت پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح عمان میں بھی ارتداد کے فتنے کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی حکومت پائیدار بنیادوں پر قائم ہو گئی۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حذیفہ کو جنوبی عرب کے انتہائی مشرقی علاقے عمان میں چھوڑا تھا اور خود مہرہ کی بغاوت فرو کرنے اور ارتداد مٹانے کی غرض سے بہ جانب غرب روانہ ہو گئے تھے۔ ان کے ہمراہ مسلمانوں کی بھاری جمعیت تھی جو زیادہ تر ان قبائل کے لوگوں پر مشتمل تھی جو ارتداد سے تائب ہو کر دوبارہ اسلام کا آغوش میں آ چکے تھے۔ مہرہ پہنچ کر انہیں دو جماعتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ ہر جماعت چاہتی تھی کہ ملک کا اقتدار اسی کے ہاتھ میں رہے اور دوسری جماعت اس کے ماتحت رہ کر زندگی بسر کرے۔ یہ صورت حال دیکھ کر عکرمہ نے مناسب سمجھا کہ وہ کمزور جماعت کو ساتھ ملا کر اس کی مدد سے طاقتور جماعت پر غلبہ حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور کمزور جماعت کے ساتھ گفت وشنید کا سلسلہ کر کے اسے اسلام لانے کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر کے اپنی فوج اور اہل مہرہ کے نومسلم لوگوں کو لے کر طاقتور جماعت کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر دبا سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا جس میں انجام کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور انہیں کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فتح کی خوش خبری اور خمس ارسال کرنے کے علاوہ حلیف جماعت کے سردار کو بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا اور خود امن وامان بحال کرنے کی غرض سے کچھ عرصے کے لئے مہرہ میں ٹھہر گئے۔ جب یہاں کے حالات کے متعلق انہیں کامل اطمینان ہو گیا تو خلیفۃ المسلمین کے احکام کے مطابق بھاری فوج کے ہمراہ جس میں دیگر قبائل کے علاوہ اہل مہرہ میں شامل ہو گئے تھے۔ مہاجر بن ابی امیہ کی مدد کے لئے یمن کی جاب روانہ ہو گئے۔

عکرمہ اور مہاجر یمن میں

یمن میں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد مودت باندھا تھا اور ابوبکرؓ کے عہد میں بھی اپنے اسی معاہدے پر بہ دستور قائم رہے، باقی تمام قبائل نے عمرو بن معدی کرب کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل مہرہ سے یمن پہنچے اور اپنے لشکر کے ہمراہ مقام ابین میں فروکش ہوئے۔ دوسری جانب سے مہاجرؓ بن ابی امیہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عطا کردہ علم کے ہمراہ مکہ اور طائف سے گزرتے ہوئے جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ بیماری کے باعث ان کی روانگی یمن میں چند ماہ کی تاخیر ہوگئی تھی۔ مکہ، طائف اور نجران سے سینکڑوں آزمودہ کار اور جنگی لیاقت رکھنے والے اشخاص آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جب اہل یمن کو ان سپہ سالاروں کے آنے کی اطلاع ہوئی اور انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مہاجر بن ابی امیہ نے راستے میں اپنے ایک مدمقابل قبیلے کو کلیتہً تہ تیغ کر دیا ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کی یہ بغاوت خود انہیں کے لئے وبال جان بن جائے گی۔ اگر انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تو ہرگز تاب مقاومت نہ لاسکیں گے، سینکڑوں لوگ قتل ہو جائیں گے اور بقیۃ السیف کو مسلمان غلام بنا کر ساتھ لے جائیں گے۔

ابھی اہل یمن اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ ان کے سرداروں، قیس اور عمرو بن معدی کرب میں پھوٹ پڑ گئی اور اس امر کے باوجود کہ دونوں نے مہاجر سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا تھا دونوں در پردہ ایک دوسرے کو زک پہنچانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔

آخر عمرو بن معدی کرب نے مسلمانوں سے مل جانے کا فیصلہ کیا۔ ایک رات اس نے اپنے آدمیوں کے ساتھ قیس کی فرودگاہ پر حملہ کیا اور اسے گرفتار کر کے مہاجر کے سامنے لے جا کر پیش کر دیا۔ مہاجر نے قیس ہی کو گرفتار کرنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ ساتھ ہی عمر بن معدی کرب کو بھی گرفتار کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا کہ وہ ان کے متعلق جو چاہیں، فیصلہ صادر فرمائیں۔

ابوبکرؓ کی جانب سے معافی

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے داذویہ کے قصاص میں قیس کو قتل کرنا چاہا اور اس سے کہا:

"اے قیس! تو اللہ کے بندوں اور بے گناہ لوگوں کو ناحق قتل کرتا ہے اور مومنین کو چھوڑ کر مرتدین و مشرکین کو پناہ و امداد کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔"

قیس نے داذویہ کے قتل سے انکار کیا۔ چونکہ اس کے خلاف واضح شہادت مہیا نہ ہو سکی۔ (کیونکہ یہ قتل انتہائی راز داری سے اور لوگوں کی نظروں سے چھپا کر کیا گیا تھا) اس لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا اور قصاص میں قتل نہ کیا۔

اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن معدی کرب کی طرف توجہ فرمائی اور کہا:

"تجھے شرم نہیں آتی۔ تجھے روزانہ ذلتیں دیکھنی پڑتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تو اپنے کرتوت سے باز نہیں آتا۔ اگر تو دین اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی مساعی صرف کرتا تو اللہ بھی تجھے سربلند کر دیتا اور عزت بخشتا۔"

عمرو بن معدی کرب نے جواب دیا:

"بے شک مجھ سے قصور ہوا۔ میں آپ سے اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ مجھ سے اس قسم کی حرکات سرزد نہ ہوں گی اور میں مملکت اسلامیہ کا نیک شہری بن کر زندگی بسر کروں گا۔"

اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا اور ان دونوں کو ان کے قبیلوں میں واپس بھجوا دیا۔

یمن میں امن وامان کا قیام

ادھر مہاجر نجران سے چل کر صنعاء پہنچے اور اپنے لشکر کو ان سرکش گروہوں کی سرکوبی کا حکم دیا جو اسود عنسی کے زمانے سے اس خطہ ملک میں فتنہ وفساد برپا کر کے ملک کے امن وامان کو غارت کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے لوگوں کو یہ ہدایت بھی دی کہ ان لوگوں میں سے وہ جس پر بھی قابو پائیں، اسے بے دریغ قتل کر ڈالیں تاکہ فتنے کی جڑ کٹ سکے اور لوگوں میں دوبارہ فساد کے جراثیم نہ پھیل سکیں۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنا قیام جنوبی یمن ہی میں رکھا اور وہاں قبائل نخع اور حمیر کی سرکوبی

میں معروف رہے۔ شمالی یمن کی طرف بڑھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

ان دونوں سرداروں کی پیہم مساعی سے سارے یمن میں کاملاً امن وامان قائم ہو گیا اور یہاں کے باشندوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اب سارے جزیرہ عرب میں حضر موت اور کندہ کے سوا کسی جگہ مرتدین کا نام ونشان نہ رہا۔

مسلمانوں سے اشعث کی جنگ

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیلا اور اس کے شعلے حضر موت اور کندہ تک بھی پہنچنے لگے تو زیاد نے اس فتنے کے جڑ پکڑنے سے پہلے ہی اس کی بیخ کنی ضروری سمجھی۔ چنانچہ انہوں نے ان قبائل کو اپنے ساتھ ملایا جو بہ دستور اسلام پر قائم تھے۔ اور غفلت کی حالت میں بنو عمرو بن معاویہ پر حملہ کر کے ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں کو غلام بنالیا۔ قیدی عورتیں اور مال غنیمت لے کر وہ اس راستے سے واپس ہوئے جو اشعث بن قیس رئیس کندہ کے قبیلے کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔ ان عورتوں میں بعض نہایت معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ جب یہ قافلہ اشعث کے قبیلے کے پاس سے گزرا تو انہوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا:

"اے اشعث! تیری خالاؤں کی عزتیں خطرے میں ہیں۔ تیرا فرض ہے کہ انہیں ذلت ورسوائی سے بچائے۔"

یہ فریاد سن کر اشعث کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس نے قسم کھالی کہ یا تو وہ ان عورتوں کو مسلمانوں کے پنجے سے چھڑا لے گا یا خود لڑ کر جان دے دے گا۔

اشعث بن قیس اپنی قوم کا محبوب اور بلند مرتبہ سردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری زمانے میں وہ آپ کی خدمت میں بنی کندہ کے 80 آدمیوں کے ہمراہ مدینہ آیا جو سب کے سب قیمتی ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اشعث نے اسلام قبول کیا اور ابوبکرؓ کی بیٹی ام فروہ (ام فروہ ابوبکر صدیقؓ کی بہن تھیں، نہ کہ بیٹی) کے لئے شادی کا پیغام دیا۔ ابوبکرؓ نے یہ پیغام قبول کر لیا اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے

کردی۔

عورتوں کی فریاد سن کر اشعث نے زبردست اثر و رسوخ سے فوراً ساری قوم کو اکٹھا کرلیا۔ وہ سب مسلمانوں سے مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور اپنی عورتوں کو مسلمانوں کی قید سے چھڑا کر ہی دم لیا۔

کندہ کو عکرمہ و مہاجر کی روانگی

اس دن سے اشعث نے کندہ اور حضرموت میں بغاوت کی آگ بھڑکانی شروع کی اور بیشتر قبائل کو ساتھ ملالیا۔ یہ حال دیکھ کر زیاد بہت گھبرائے اور انہوں نے مہاجر بن ابی امیہ کو فوراً کندہ پہنچنے کے لئے لکھا۔ مہاجر اور عکرمہ اس وقت یمن کی بغاوت فرو کر چکے تھے۔ اس لئے وہ دونوں فوراً زیاد کی مدد کو روانہ ہو گئے۔ مہاجر صنعاء سے روانہ ہوئے اور عکرمہ عدن سے۔ تارب میں دونوں قائد مل گئے اور "صہید" کا ریگستان قطع کرتے ہوئے کندہ کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ مہاجر کو زیاد کی حالت کا بہ خوبی علم تھا۔ انہوں نے عکرمہ کو تو لشکر کے ساتھ چھوڑا اور خود ایک مختصر دستہ لے کر تیزی سے سفر کرتے ہوئے بہت قلیل عرصے میں زیاد کے پاس پہنچ گئے۔ جاتے ہی اشعث کی فوجوں پر حملہ کر کے اسے شکست فاش دی۔ اشعث بھاگ گیا اور اس نے اپنے لشکر کے دیگر مفرورین کے ہمراہ قلعہ نجیر میں پناہ لی۔

قلعہ نجیر کا محاصرہ

نجیر ایک مضبوط قلعہ تھا اور اس پر حملہ کرنا آسان نہ تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے تین راستے تھے۔ ایک راستے پر تو زیاد نے قبضہ کرلیا، دوسرے راستے کی ناکہ بندی مہاجر نے کی تیسرا راستہ کھلا تھا۔ اس کے ذریعے سے قلعے والوں کو سامان رسد اور فوجی مدد برابر پہنچتی رہتی تھی۔

آخر عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوج کے ہمراہ آپہنچے اور انہوں نے اس تیسرے راستے پر قبضہ کرلیا جس سے قلعے والوں تک مدد پہنچنی بند ہو گئی اور وہ مکمل طور پر محصور ہو کر رہ گئے۔ عکرمہ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے شہسواروں کو کندہ سے ساحل بحر تک پھیلا دیا اور حکم

دے دیا کہ انہیں جو بھی باغی ملے، اسے بے دریغ قتل کر ڈالیں۔ بخیر میں محصور لوگوں نے اپنی قوم کی تباہی آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔ اب خود ان کے سامنے بھی موت گردش کر رہی تھی انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ بعض لوگوں نے کہا:

''تمہاری موجودہ حالت سے موت بہر حال بہتر ہے۔ تم اپنی پیشانیوں کے بال کاٹ ڈالو اور اس طرح یہ ظاہر کرو کہ تم نے اپنی جانوں کو اللہ کے حضور پیش کر دیا ہے۔''

شاید تمام لوگوں نے اپنی پیشانیوں کے بال کاٹ ڈالے اور عہد کیا کہ کوئی بھی شخص اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار نہ کرے گا۔

اپنے قبیلے سے اشعث کی بدعہدی

صبح ہونے پر وہ لوگ تینوں راستوں سے باہر نکلے اور مسلمانوں سے جنگ شروع کر دی۔ ان لوگوں کی تعداد صرف چھ سو تھی۔ اس کے بالمقابل مہاجر اور عکرمہ کے لشکر کا شمار ہی نہ تھا۔ جب اہل بخیر نے دیکھا کہ مسلمان بھاری تعداد میں ان کے مقابلے کے لئے موجود ہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کسی صورت فتح حاصل نہیں کر سکتے۔ مایوسی نے ان پر غلبہ پا لیا اور وہ زندگی سے بالکل ناامید ہو گئے۔ اس وقت ان کے سرداروں کو اپنی جانیں بچانے کی سوجھی۔ اشعث، عکرمہ کے پاس آیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ مہاجر سے کہہ کر اس کی اور اس کے نو ساتھیوں کی جان بخشی کرا دیں۔ اس کے بدلے وہ قلعے کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دے گا۔

مہاجر نے اشعث کی درخواست منظور کر لی اور اسے ہدایت کی کہ وہ ان لوگوں کے نام، جن کی وہ جان بخشی کرانا چاہتا ہے، ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے حوالے کر دے۔ اشعث نے اپنے اہل و عیال اور بھائیوں کے نام تو لکھ دیئے لیکن اپنا نام لکھنا بھول گیا اور اسی طرح وہ کاغذ مہر لگا کر مہاجر کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ان نو آدمیوں کو قلعے سے نکال لیا اور اس کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے۔ مسلمانوں نے قلعے میں

داخل ہو کر ہر اس شخص کو قتل کر دیا جس نے لڑائی میں حصہ لیا تھا اور ان کی عورتوں کو، جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی، قیدی بنا لیا۔ پھر اشعث کو ان پر نگران مقرر کر کے اموال خمس کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

زمانہ کے تصرفات بھی کس قدر عجیب ہوتے ہیں۔ اشعث جو محض اپنی جان بچانے کی خاطر بدترین بدعہدی اور خیانت کا مرتکب ہوا تھا اور جس نے اپنی قوم کو تلواروں کی دھاروں اور ایک ہزار عورتوں کو لونڈیاں بننے کے لئے مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا، وہی اشعث تھا جو بنی عمرو بن معاویہ کی عورتوں کی اس فریاد کی تاب نہ لا سکا تھا، کہ اے اشعث تیری خالاؤں کی عزتیں خطرے میں ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی اس کا خون کھول اٹھا اور اس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک ان میں سے ایک ایک عورت کو مسلمانوں کے ہاتھوں چھڑا نہ لیا۔ پھر یہی اشعث تھا کہ وہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو اس کی وجاہت اور اپنی قوم میں ہردلعزیزی کی وجہ سے مسلمانوں نے اس کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا لیکن جب اس سے یہ شرمناک فعل صادر ہوا تو مسلمان تو علیحدہ رہے خود اس کی قیدی عورتوں نے اس پر لعنت بھیجی اور اس کا نام عرف النار رکھ دیا جس کے معنی یمن زبان میں غدار کے ہیں۔ لیکن جب موت کا خوف کسی شخص کو لاحق ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بچ جانے کی غرض سے ہر قسم کی ذلت برداشت کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور محض اپنی جان کی سلامتی کی خاطر ذلیل سے ذلیل ہتھکنڈے اختیار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

اشعث کی روانگی مدینہ

مہاجر نے ان لوگوں کو جن کے نام اشعث نے کاغذ پر لکھے تھے، بلایا اور انہیں رہا کر دیا۔ لیکن اشعث کا اپنا نام چونکہ اس فہرست میں نہ تھا...... یہ دیکھ کر مہاجر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اے اشعث! اے دشمن خدا، شکر ہے کہ تیرا مقدر تجھ سے بگڑ گیا۔ میری تمنا تھی کہ خدا تجھے ذلیل کرے۔ یہ کہہ کر مہاجر نے اس کی مشکیں کسوا دیں اور قتل کا ارادہ کیا مگر عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ذرا توقف فرمایئے اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج

دیں۔اس کے معاملے میں وہی کوئی فیصلہ فرما سکتے ہیں کیونکہ صلح کی گفتگو خود اسکے ذریعے سے ہوئی ہے اگر اس فہرست میں یہ اپنا نام لکھنا بھول گیا ہے تو اس سے امان باطل نہیں ہو سکتی۔مہاجر نے کہا اگرچہ اس کا معاملہ بالکل صاف ہے مگر میں تمہارے مشورے پر عمل کرنے کو ترجیح دیتا ہوں۔اس لیے مہاجر نے اس وقت اسے قتل نہیں کیا بلکہ اور قیدیوں کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔راستے بھر مسلمان اور خود اس کی قوم کے قیدی اس کو لعنت ملامت کرتے رہے اور اس کی ہم قوم عورتیں اس کو دوزخ کا کندہ اور غدار کہتی تھیں۔

مہاجر کے پاس جب مغیرہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو منشائے الٰہی کا یہ تماشا دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دشمنوں کی لاشیں خون میں لتھڑی پڑی ہیں، قیدی گرفتار ہو چکے ہیں اور جانوروں پر سوار کر کے ان کو مدینے روانہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اشعث کے بارے میں رائے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فتح کی اطلاع ملی۔اسیران جنگ خدمت میں پیش ہوئے۔آپؓ نے اشعث کو طلب کیا اور فرمایا تو بنو ولید کے دھوکہ میں آ گیا مگر وہ تیرے فریب میں نہیں آئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تو اس کام کے قابل نہیں ہے۔وہ خود بھی ہلاک ہوئے اور تجھے بھی تباہ کیا۔تجھے اس بات کا بھی خوف نہیں ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کچھ نہ کچھ تجھے پہنچی ہوتی تب میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتا؟ اشعث نے کہا مجھے کیا معلوم آپ اپنی رائے کو خود بہتر جانتے ہیں۔آپؓ نے فرمایا کہ میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔اس نے کہا کہ مسلمانوں سے اپنے دس آدمیوں کی جاں بخشی کا تصفیہ خود میں نے کرایا ہے، میرا قتل کیسے درست ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا حق انتخاب تم کو دیا گیا تھا؟ اس نے کہا، جی ہاں! آپ نے کہا جب تم تحریر لکھ کر لائے تو کیا اسلام کے سپہ سالار نے اس پر مہر ثبت کر دی؟ اس نے کہا، جی ہاں! آپؓ نے فرمایا کہ تحریر پر جب مہر ہو گئی تو وہ انہی لوگوں کے لیے سند ہو سکتی ہے جن کے نام میں درج ہیں اور تیری مصالحت کنندہ کی حیثیت

اس سے قبل تک تھی۔

اشعث اور اس کی قوم کی رہائی

اشعث کو خوف پیدا ہوا کہ اب جان گئی۔ اس نے عرض کیا آپ مجھ سے آئندہ کسی بھلائی کی توقع کر سکتے ہیں تو مہربانی کر کے ان قیدیوں کو آزاد کر دیجئے، میرا قصور معاف فرمائیے اور میرا اسلام قبول کر لیجئے اور میرے ساتھ وہی سلوک کیجئے جو مجھ جیسے دوسروں کے ساتھ آپ کیا کرتے ہیں اور میری بیوی کو میرے حوالے فرمائیے۔ اس واقعہ سے قبل جب اشعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس نے اُم فروہ بنت ابی قحافہ کو پیغام دیا تھا۔ ابو قحافہ نے اپنی لڑکی اس کے نکاح میں دے دی تھی اور رخصت کو اشعث کی دوبارہ آمد پر اٹھا رکھا تھا۔ اس عرصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے اور اشعث کے اعمال آپ سن چکے ہیں اس لیے اُسے فکر ہوا کہ اس کی بیوی اس کے حوالے نہیں کی جائے گی، اس لئے اس نے عرض کیا کہ آپ دیکھیں گے کہ میں اپنے علاقے والوں میں اسلام کا بہترین خادم ثابت ہوں گا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی جاں بخشی فرما دی۔ اس کے اسلام کو قبول کیا اور اس کی بیوی اس کے حوالے کر دی اور فرمایا جاؤ آئندہ مجھے تمہارے متعلق اچھی خبریں ملنی چاہئیں۔ آپ نے تمام قیدیوں کو بھی آزاد فرما دی اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خمس مال غنیمت لوگوں کو تقسیم فرمایا اور بقیہ چار خمس فوج نے آپس میں تقسیم کر لیے۔

اشعث کے متعلق دوسری روایت

ایک بیان یہ ہے کہ جب اشعث کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر کیا گیا اور آپ نے اس کی بدکرداریوں کو اس پر ظاہر فرما کر پوچھا کہ بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں تو اس نے عرض کیا مجھ پر رحم کیجئے میرے طوق وسلاسل کھلوا دیجئے اور اپنی بہن سے میری شادی کر دیجئے کیونکہ میں توبہ کرتا ہوں اور اسلام لاتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اچھا منظور اور ام فروہ بنت ابی قحافہ کو اس کے نکاح میں دے دیا۔ اس کے بعد اشعث

فتح عراق تک مدینے میں قیام پذیر رہا۔

عرب قیدیوں کی رہائی

جب حضرت عمر ﷺ خلیفہ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ بڑی غلط بات ہے کہ عرب عرب کی غلامی میں قید رہیں حالانکہ خدا نے اپنے فضل سے مملکت اسلامی کو کافی وسیع اور عجمیوں کو ہمارے ماتحت کر دیا ہے۔ آپ نے دور جاہلیت اور دور اسلام کے تمام عرب قیدیوں کے لئے سب کے مشورے سے چھ اونٹ اور سات اونٹ کا فدیہ مقرر فرمایا مگر ام ولد کو فدیے سے معاف رکھا۔ نیز قبیلہ حنیفہ اور کندہ کے لئے قدرے کمی فرمادی کیونکہ ان کے اکثر مرد قتل ہو چکے تھے۔ اہل دبا اور دوسرے غریبوں کو بھی آپ نے فدیے سے مستثنیٰ فرمادیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اپنی اپنی عورتوں کو گھر گھر میں تلاش کرتے پھرنے لگے۔ اس طرح اشعث کو بنو نہد اور بنو غطیف میں عورتیں ملیں۔ ہوا یہ کہ اشعث ان قبائل میں جا کر پوچھنے لگا کہ کوے اور گدھ کہاں ہیں؟ کوے، بھیڑیے اور کتے ہماری عورتوں کو اٹھا لے گئے تھے۔ بنو غطیف نے کہا کوا تو یہ ہے۔ اشعث نے کہا اس کو تمہارے یہاں کیا حیثیت حاصل ہے؟ بنو غطیف نے کہا وہ ہماری حفاظت میں ہے۔ اشعث نے کہا بہت اچھا، اور چلا گیا۔

بنت نعمان بن جون کا معاملہ

جب حضرت عمر ﷺ کی رائے پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا اور آپؓ نے اعلان فرمادیا کہ آج سے کوئی عربی کسی کی ملکیت میں نہ ہے تو مہاجر نے اس عورت کے معاملے میں غور کیا جس کا باپ نعمان بن جون تھا۔ اس عورت کا قصہ یہ ہے کہ اس کے باپ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا تھا اور اس کی خوبی بتائی تھی کہ یہ آج تک بیمار نہیں ہوئی۔ پہلے تو آپ نے اس کو اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دے دی مگر یہ بات سن کر فرمایا کہ اس کو یہاں سے ہٹا دو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں خدا کے نزدیک کوئی بھلائی ہوتی تو یہ ضرور کبھی بیمار ہوتی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بنت نعمان کے متعلق رائے

مہاجر نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم نے اس سے کب شادی کی تھی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ جند میں میرے پاس لائی گئی تھی مارب کے سفر میں یہ میرے ساتھ تھی پھر میں اس کو چھاؤنی میں لے آیا۔ بعض نے عکرمہ کو مشورہ دیا کہ اس کو چھوڑ دو یہ محبت کے قابل نہیں ہے اور بعض نے کہا مت چھوڑو۔ مہاجر نے اس کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ کر سوال کیا تو آپ نے جواب میں یہ تو لکھا کہ اس کا باپ نعمان بن جون اس کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا اور اس کو آپ کے لئے آراستہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر اس میں خدا کے نزدیک کوئی خیر ہوتی تو ضرور کبھی بیمار ہوتی۔ چونکہ آپ نے اس عورت کو پسند نہیں کیا تھا لہٰذا تم لوگ بھی اسے پسند نہ کرو اور چھوڑ دو۔

یمن اور حضرموت پر عاملوں کا تقرر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجر کو لکھا کہ تم یمن اور حضرموت میں سے کسی ایک ملک کی حکومت پسند کر لو۔ انہوں نے یمن کو پسند کیا۔ اس طرح یمن پر دو حاکم مقرر ہوئے فیروز اور مہاجر اور حضرموت پر دو مقرر ہوئے۔ عبیدہ بن سعد کندہ اور سکاسک پر، اور زیاد بن لبید کو حضرموت پر جس علاقے میں ارتداد ہوا تھا۔ اس کے حکام کے نام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم بھیجا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ حکومت میں صرف انہی لوگوں کو شریک کریں جن کا دامن ارتداد کے داغ سے پاک ہو۔ آپ سب اس پر عمل کریں اور اسی کو دوسروں کے لیے مثال بنائیں۔ فوج میں جو لوگ واپس جانے کے خواہاں ہوں ان کو واپسی کی اجازت دے دی جائے اور دشمن سے جہاد کرنے میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہ لی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا

مہاجر کے سامنے دو گانے والی عورتوں کے مقدمات پیش ہوئے۔ ایک نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالیوں کے اشعار گائے تھے۔ مہاجر نے اس کی سزا میں اس کا ایک ہاتھ کٹوا دیا اور سامنے کے دو دانت تڑوا دیے۔ حضرت ابوبکر کو اس کی خبر ملی تو آپ نے مہاجر کو

لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالیوں کے اشعار گانے بجانے والی عورت کو جو سزا تم نے دی ہے مجھے اس کا حال معلوم ہوا۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو میں تمہیں اسے قتل کرنے کا حکم دیتا کیونکہ حدِ انبیاء اور لوگوں کی حد کے مثل نہیں ہے۔ پس اگر کسی مسلمان سے یہ گستاخی سرزد ہو تو وہ مرتد ہے اور ذمی اس کا ارتکاب کرے تو وہ باغی ہے اور جس عورت نے مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گائے تھے اس کے متعلق امیر المومنین نے مہاجر کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اس کے ہاتھ کاٹنے اور دو دانت توڑنے کی سزا دی ہے۔ اگر وہ عورت مسلمان تھی اس کو تادیب اور تنبیہہ کرنا کافی تھا نہ کہ اس کے اعضاء کاٹنا اور اگر غیر مسلم تھی تو بخدا اس کے جس جرم سے تم نے اب تک درگذر کیا وہ اس سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ اگر میں اس قسم کی باتوں پر تمہاری گرفت کروں تو ممکن ہے کوئی بُری صورت پیش آجائے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ایسا طرز عمل اختیار کرو جس سے امن رہے۔ کبھی کسی کو اعضاء کاٹنے کی سزا نہ دو کیونکہ یہ گناہ ہے اور اس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے البتہ قصاص کی صورت میں اور بات ہے۔

مرتدین کی سرکوبی کیلئے اسلامی افواج کی تشکیل

مورخ طبری کے مطابق، قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب اسامہ اور ان کی فوج نے اپنی سواریوں کو آرام دے لیا وہ تازہ دم ہو گئیں اور اسی زمانے میں اس قدر صدقات مدینے میں موصول ہوئے جو مسلمانوں کی ضرورت سے بچ گئے تو ابوبکرؓ نے مہاتی فوجیں تیار کیں اور گیارہ جماعتیں مقرر کر کے ان کو گیارہ امیروں کی قیادت میں گیارہ نشانوں کے ساتھ مرتدین کے مقابلے کے لئے روانہ کیا ان کی تفصیل اس طرح تھی۔

(۱) ایک نشان خالدؓ بن ولید کو دیا اور ان کو حکم دیا گیا کہ وہ پہلے طلحہ بن خویلد کے مقابلے پر جائیں اس سے فارغ ہو کر بطاح میں مالک بن نویرہ سے اگر وہ اس وقت تک ان کے مقابلے پر جما ہوا ہو، لڑیں۔

(۲) ایک نشان عکرمہ بن ابی جہل کو دیا گیا اور ان کو مسیلمہ کے مقابلے کا حکم دیا گیا۔

(۳) ایک نشان مہاجر بن ابی امیہ کو دیا گیا۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ وہ عنسی کی فوجوں کا

مقابہ کریں۔ نیز قیس بن مکشوح اور ان دوسرے اہل یمن کے مقابلے میں جو ابناء سے برسرپیکار تھے، ان کی امداد کریں اور اس سے فارغ ہو کر کندہ کے مقابلے کے لئے حضرموت چلے جائیں۔

(۴) ایک نشان سعید بن العاص کو دیا گیا جو اسی زمانے میں یمن سے اپنی خدمت چھوڑ کر آئے تھے اور ان کو تمقتین بھیجا جو شام کی سرحد پر ہے۔

(۵) ایک نشان عمروؓ بن العاص کو دیا اور ان کو قضاعہ، ودیعہ اور ارث کی جماعتوں کے مقابلے پر جانے کا حکم دیا۔

(۶) ایک نشان حیفہ بن محصن الغلفانی کو دیا اور ان کو دیا کے لوگوں سے مقابلے پر بھیجا

(۷) ایک نشان عرفجہ بن ہرثمہ کو دیا اور ان کو مہرہ جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ یہ دونوں مہرہ میں ایک جگہ جمع ہو جائیں مگر جو جو علاقے ان کے سپرد کئے گئے ہیں ان میں وہ ایک دوسرے پر امیر رہیں گے۔

(۸) ابوبکرؓ نے شرحبیلؓ بن حسنہ کو عکرمہؓ بن ابی جہل کے پیچھے روانہ کیا اور حکم دیا کہ یمامہ سے فارغ ہو کر تم قضاعہ کے مقابلے پر جانا اور مرتدین سے جنگ کے موقع پر تم ہی اپنے لشکر کے آزادامیر ہو گے۔

(۹) ایک نشان طریفہ بن حاجز کو دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ بنی سلیم اور ان کے ساتھی ہوازن کا مقابلہ کریں۔

(۱۰) ایک نشان سوید بن مقرن کو دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ یمن کے علاقہ تہامہ کی طرف جائیں۔

(۱۱) ایک نشان علاء بن الحضرمی کو دیکر ان کو بحرین جانے کا حکم دیا۔ یہ امراء ذی القصہ سے اپنی اپنی سمت روانہ ہو گئے۔ ہر سردار کی فوج اس سے جا ملی۔

مرتدین کے نام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تحریری پیغام

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام مرتدین کے نام پیغام بھی بھیجا جو کہ خط کی صورت میں

تھا۔ عبدالرحمان بن کعب بن مالک سے، (جن کو ابوبکرؓ نے اس خط کی تحریر میں تقدم کے ساتھ شریک کیا تھا) مروی ہے کہ تمام مرتدین کے نام ایک ہی خط تھا جو ابوبکرؓ نے لکھا تھا پھر اس کی نقلیں کروا کر تمام علاقوں میں روانہ کی گئیں، وہ حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط ابوبکر خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان تمام عام اور خاص لوگوں کے نام ہے جن کو یہ موصول ہو، چاہے وہ اسلام پر قائم ہوں یا اس سے مرتد ہو گئے ہوں۔ سلامتی ہو ان پر جنہوں نے راہ راست کی اتباع کی اور ہدایت کے بعد ضلالت اور گمراہی اختیار نہیں کی۔ میں تمہارے سامنے اس معبود حقیقی کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے تعریف کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ واحد لاشریک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اللہ کا پیغام وہ ہمارے لئے لائے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور جو اس سے انکار کرے ہم اسے کافر سمجھتے ہیں۔ ہم اس سے جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو واقعی اپنی جانب سے اپنی مخلوق کیلئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی جانب سے اسکے حکم سے دعوت دینے والا اور ایک شمع روشن بنا کر مبعوث فرمایا تا کہ وہ زندہ دل لوگوں کو اللہ کا خوف دلائیں اور اس طرح منکرین کے بر خلاف بات پکی ہو جائے۔ جس نے ان کی بات مانی اللہ نے اسے راہ راست دکھا دیا اور جس نے ان سے انکار کیا، رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اسے اچھی طرح سزا دی یہاں تک کہ وہ خوشی سے یا بادل ناخواستہ اسلام لے آیا۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا مگر وہ اللہ کے حکم کو پوری طرح نافذ کر چکے تھے اور اس کی مخلوق کے ساتھ مخلصانہ خیر خواہی کر چکے تھے۔ اللہ نے ان کی موت کی صاف اطلاع خود رسول اللہ ﷺ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی نازل کردہ کتاب میں پہلے سے دیدی تھی اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"انک میت وانھم میتون"

بے شک تم مرنے والے ہو اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

" وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افاِنْ مِتَّ فهم الخالدون"

ہم نے تم سے پہلے کسی انسان کو ہمیشہ کے لئے زندہ نہیں رکھا تو کیا اگر تم مر گئے تو وہ ہمیشہ جیتے رہیں گے

پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے

" وما محمد اِلاّ رَسولٌ ط قد خلت من قبله الرسل ط افاِنْ مات اَوْ قُتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئاًط وسیجزی الله الشاکرین "

محمد ﷺ بھی ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں کیا اگر وہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم اپنے پچھلوں پیروں پلٹ جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ ضرور اپنے شکر گذار بندوں کو جزائے خیر دے گا۔

اس لئے جو لوگ محمد ﷺ کے رب کی عبادت کرتے تھے ان کو اطمینان رکھنا چاہئے کہ اللہ ان کا نگران ہے وہ زندہ جاوید ہے نہ اسے موت ہے نہ اسے اونگھ اور نیند آتی ہے وہ اپنی بات کا محافظ ہے اپنے دشمن سے پورا پورا انتقام لینے والا ہے۔

میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس طرح اپنا حصہ اس سے حاصل کرو اور تمہارے نبی جو اللہ کا پیغام تمہارے پاس لائے ہیں اس سے بہرہ ور رہو۔ اور اللہ کی ہدایت پر گامزن رہو۔ اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو جسے اللہ ہدایت نہ دے وہ گمراہ ہے اور جسے اللہ معاف نہ کرے وہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ جس کی اللہ مدد نہ کرے وہ ذلیل اور ناکام ہے۔ جس کو ہدایت اللہ نے کی وہ واقعی راہ

راست پر گامزن ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا وہ بالکل گمراہ ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"من یھد اللہ فھو المھتد، ومن یضلل اللہ فلن تجدلہ ولیا مرشدا"

جسے اللہ نے ہدایت دی وہ واقعی کامیاب ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا تو اس کے بعد پھر ہرگز اسے کوئی صحیح اور خیر خواہ رہبر نہیں مل سکتا۔

اور جب تک کوئی انسان دین الٰہی کا اقرار نہ کرے دنیا میں اس کا کوئی عمل مقبول ہوگا اور نہ آخرت میں اسے کوئی بدلہ یا معاوضہ دیا جائے گا۔

مجھے معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ اسلام لانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس سے مرتد ہو گئے ہیں ان کو یہ ہمت اس لئے ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے متعلق غلط اندازہ قائم کیا ہے اور اس کے طریقہ کار سے وہ واقف نہیں اور انہوں نے شیطان کے گمراہ کرنے کو قبول کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لِآدم فسجدوآ اِلّا ابلیس کان من الجن ففسق عن امرِ رَبّہٖ افتتخذونہٗ و ذریتہ اولیآء من دونی وھم لکم عدوٌّ بئس للظالمین بدلا"

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کہ وہ جن تھا اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی تو اب کیا تم اسے اور اس کی جماعت کو میرے سوا اپنا مالک بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں راہ راست سے ہٹنے والوں کو یہ بہت برا معاوضہ ملا،

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"ان الشیطان لکم عدوٌّ فاتخذوہ عدوًّا انما یدعوا حزبہ

لیکونوا من اصحاب السعیر"
بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اس کی جماعت تم کو اس لئے اغوا کرتی ہے کہ تم دوزخ میں جاؤ۔
میں نے فلاں شخص کو مہاجرین، انصار اور پہلے تابعین کی جماعت کے ساتھ تمہارے پاس بھیجا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اللہ کا پیغام تم تک نہ پہنچا دیں نہ کسی سے جنگ کریں اور نہ کسی کو قتل کریں۔ لہٰذا جو اس دعوت کو قبولکر کے اس کا اقرار کرلے اپنے موجودہ طرز عمل سے باز آجائے اور عملِ صالح کرنے لگے اس کے اقرار اور عمل کو قبول کر کے اس پر بقاء اور قیام کے لئے اس شخص کی اعانت کی جائے اور جو اس پیام کو رد کردے اسکے متعلق میں نے حکم دیا ہے کہ محض انکار کی وجہ سے اس سے جنگ کی جائے اور پھر جس پر قابو چلے اس کے ساتھ ذرا بھی رحم نہ کیا جائے ان کو جلا دیا جائے اور بری طرح قتل کر دیا جائے ان کے اہل و عیال کو لونڈی اور غلام بنالیا جائے اسلام کے علاوہ کسی بات کو ان سے قبول نہ کیا جائے جو اسلام کی اتباع کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے اور جو اس سے انکار کرے اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتا۔ میں نے اپنے قاصد کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس خط کو ہر مجمع میں پڑھ کر سنا دیں اور ہمارا شعار اذان ہے لہٰذا جب مسلمان اذان دیں اور مرتدین بھی اذان دیں تو خاموشی اختیار کی جائے اور اگر وہ اذان نہ دیں فوراً ان کی خبر لی جائے اور اذان دینے کے بعد بھی ان سے دریافت کیا جائے کہ وہ لوگ کس مسلک پر ہیں اگر وہ اسلام سے انکار کریں فوراً ان سے جنگ شروع کردی جائے اور اگر وہ اسلام کا اقرار کرلیں ان کی بات کو قبول کر کے ان پر اسلام کے احکام عائد کئے جائیں۔
(تاریخ طبری اردو جلد دوم حصہ دوم صفحہ ۲۸۲)

ہدایت کی کوشش

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قاصدوں کے ہاتھ یہ خطوط عرب کے گوشے گوشے میں بھیج دیئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس طرح متزلزل لوگوں کو غور وفکر کی مہلت مل جائے کیونکہ لوگ محض اس خدشے کے باعث مرتدین کے ساتھ ہو گئے تھے کہ اگر وہ اسلام پر قائم رہے تو انہیں مرتدین کے ہاتھوں سخت مظالم برداشت کرنے پڑیں گے۔ لیکن اب کہ انہوں نے اپنے آپ کو دو قوتوں کے درمیان گھرا ہوا دیکھا تو دوبارہ اسلام لانے کا اعلان کر دیا یا کم از کم مرتدین کے سرداروں کی حمایت سے دست کشی اختیار کر لی۔ اس وجہ سے ان کی جانیں بچ گئیں۔

یہ خطوط سن کر کثیر التعداد مرتدین کی ہمتیں بھی پست ہو گئیں اور انہوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ غرض ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی سے مسلمانوں کو زبردست فائدہ پہنچا۔ پھر بھی اس پالیسی سے کسی کمزوری کا اظہار مطلق نہ ہوتا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا منشا یہ نہ تھا کہ پہلے تو مرتدین کو بہلا پھسلا کر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کریں لیکن اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئیں تو مصالحت کی کوئی اور راہ اختیار کریں۔ اس کے برعکس انہوں نے اپنے خطوط کا لفظ لفظ نہایت سنجیدگی سے تحریر کیا تھا۔ جو دھمکیاں خطوط میں دی گئی تھیں وہ خالی خولی نہ تھیں بلکہ وہ انہیں لباسِ عمل پہنانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں لکھ دیا تھا، امرائے عساکر کو حکم دے دیا گیا کہ وہ پہلے مرتد لوگوں کو دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں، اگر وہ اسے قبول کر لیں تو ان سے درگزر کریں لیکن انکار کی صورت میں ان سے جنگ کریں اور اس وقت تک جنگ کریں کہ وہ اسلام لانے کا اقرار کر لیں، اسلام کا اقرار کر لینے کے بعد وہ انہیں ان حقوق سے آگاہ کریں جو ان پر عائد ہوتے ہیں اور ان حقوق سے بھی باخبر کریں جو حکومت کے ذمے عائد ہوتے ہیں پھر ان سے جو لینا ہو، وہ لیں اور انہیں جو دینا ہو وہ دیں، انہیں مہلت قطعاً نہ دیں۔ جو شخص یہ دعوت قبول کر لے اس پر کسی شخص کو دست درازی کرنے کا حق نہیں۔ اگر وہ اپنے دل میں ان باتوں سے مختلف باتیں چھپائے جو اس نے اپنی زبان سے ادا کی ہیں تو اس کا

حساب لینا صرف اللہ کا کام ہے۔ لیکن جو شخص قبولِ دعوت سے انکار کر دے تو اس سے، جہاں کہیں وہ ہو، جنگ کی جائے اور اسے قتل کیا جائے۔ اس سے اسلام کے سوا کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔ قتل کرنے کے لئے تلوار اور آگ دونوں استعمال کی جائیں۔

بہترین سیاست کا کرشمہ

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جو پالیسی اختیار کی وہ بہترین سیاست کا کرشمہ تھی۔ بعض لوگ اس امر پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت نرم دل ہونے کے باوجود اس قدر سخت رویہ کیوں اختیار کیا؟ لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کامل ایمان تھا اس کے باعث انہیں دین کے معاملے میں نرمی برتنے کا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ یہ درست ہے کہ نرم دل لوگ سختی اور تندی کو پسند نہیں کرتے لیکن اگر کسی جانب سے ان کے عقائد پر زد پڑے تو ان کی سختی کی انتہا نہیں رہتی۔ انسانی فطرت میں ایک خاص حد تک سختی اور نرمی کا مادہ رکھا گیا ہے مگر بعض اوقات جب معاملات اس مقرر حد سے بڑھ جائیں تو اس کا ردِ عمل بالکل الٹ ہوتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی طبائع پر سختی غالب ہوتی ہے، انہیں دیکھ کر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کبھی نرمی بھی برت سکتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر نرمی نے پوری طرح قابو پا لیا ہوتا ہے اور انہیں دیکھ کر یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ کبھی سختی پر بھی اُتر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس قسم کے نظارے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں کہ جن لوگوں سے سختی کی توقع نہیں کی جا سکتی وہ انتہائی سختی پر اُتر آتے ہیں اور جن سے نرمی کی توقع نہیں کی جا سکتی وہ انتہائی نرمی برتنے لگتے ہیں۔ وجہ وہی ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ سختی اور نرمی دونوں کی حدود مقرر ہیں۔ بعض واقعات کے نتیجے میں جب یہ حدود ٹوٹ جاتی ہیں تو ان کا ردِ عمل بھی اتنا ہی شدید ہوتا ہے۔

کیا کوئی شخص خیال کر سکتا تھا کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کو شام بھیجتے وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ رویہ اختیار کریں گے جو اکابر مہاجرین و انصار صحابہ کی رائے کے بالکل خلاف تھا؟ یا

منکرین زکوٰۃ کے مقابلے میں اس قدر سختی برتیں گے کہ اسلامی لشکر کے مدینہ سے غیر حاضر ہونے کے باوجود چند آدمی لے کران کے مقابلے کو نکل آئیں گے؟ انہی واقعات پر بس نہیں بلکہ بعد کے واقعات نے بھی بتا دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جن کی سرشت میں نرم دلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، مخالفین کے مقابلے میں نہایت سخت دل واقع ہوئے۔ اس کی وجہ، جیسا کہ بیان کی جا چکی ہے، یہی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان تھا اور انہیں وثوق تھا کہ انہوں نے جو چیز قبول کی ہے وہی حق ہے۔ اس لئے جب بعض لوگ اس چیز کے مقابلے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے مطلق صبر نہ ہو سکا اور وہ پورے عزم اور عدیم النظیر ہمت سے دین میں رخنہ اندازی کرنے والے لوگوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں گے جب تک منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کو حق کی طرف نہ لے آئیں یا ان کا قلع قمع نہ کر لیں اور اگر اس غرض کے لئے انہیں تنہا بھی لڑنا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

جنگ ہائے ارتداد کی اہمیت

مرتدین سے جو جنگیں پیش آئیں ان کا شمار زمانہ اسلام کی فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا ہے۔ اگر ان جنگوں میں مسلمان فتح یاب نہ ہوتے تو تھوڑے ہی عرصے میں عرب دوبارہ اسی پرانی جاہلیت کا شکار ہو جاتے جسے فنا کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ لیکن اللہ نے مقدر کر دیا تھا کہ اس کا دین غالب رہے گا۔ اس غرض سے اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چنا۔ انہوں نے انتہائی پامردی سے تمام دشمنان اسلام کا مقابلہ کر کے انہیں دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہونے پر مجبور کر دیا۔ پوری تاریخ اسلام میں کہیں بھی ایسی نظیر نہیں ملتی جہاں ایسے محکم ایمان کا مظاہرہ کیا گیا ہو جیسا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا اور عزم واستقلال کا ایسا ثبوت دیا گیا ہو جیسا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا۔

طلیحہ اور جنگ بزاخہ

قبائل عبس، ذبیان، بنو بکر اور ان کے وہ مددگار جنہوں نے مدینہ پر چڑھائی میں

حصہ لیا تھا، داغ ہزیمت دھونے کیلئے طلیحہ بن خویلد اسدی سے جا کر مل گئے تھے۔ مزید برآں طی، غطفان، سلیم اور وہ بدوی قبائل بھی جو مدینہ کے مشرق اور شمال مشرق میں آباد تھے طلیحہ کے حامی بن گئے تھے۔ یہ سب قبائل عیینہ بن حصن فزاری کی طرح کہتے تھے "حلیف قبائل (اسد اور غطفان) کا نبی ہمیں قریش کے نبی سے زیادہ محبوب ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وفات پا چکے ہیں لیکن طلیحہ زندہ ہے۔"

ان قبائل کو خوب معلوم تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان پر ضرور حملہ کر دیں گے لیکن انہوں نے مطلق پرواہ نہ کی اور برابر لڑائی کی تیاریوں میں مصروف رہے۔ طلیحہ کی متابعت انہوں نے اس ضد میں آ کر اختیار کی تھی کہ وہ اپنے اوپر مدینہ کی حکومت کیوں تسلیم کریں؟ اپنی آزادی ہاتھ سے کیوں جانے دیں اور زکوٰۃ جو ایک قسم کا تاوان ہے، کیوں ادا کریں؟

طلیحہ پہل سمیراء میں مقیم تھا وہاں سے بزاخہ آ گیا کیونکہ اس کے خیال میں لڑائی کے لئے بزاخہ نسبتاً زیادہ مناسب اور محفوظ جگہ تھی۔

عیینہ اور مسیلمہ کا الحاق

طلیحہ کی قوت و طاقت میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب عبس اور ذبیان کے علاوہ بعض دوسرے قبائل بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ واقعہ یہ ہوا کہ بنو اسد، غطفان اور طی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایک دوسرے کے حلیف تھے لیکن بعض رنجشوں کی بناء پر اسد اور غطفان، قبیلہ طی کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے طی کے لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ اس واقعے کا اثر اتنا ہی نہ ہوا کہ اسد و غطفان اور طی کے درمیان رنجش پیدا ہو گئی بلکہ بنی اسد اور غطفان میں دوستی کا جو معاہدہ تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عیینہ بن حصن فزاری نے غطفان کو جمع کر کے کہا کہ جب سے ہمارے اور بنی اسد کے درمیان اختلاف برپا ہوا ہے، ہمیں برابر نقصان ہی پہنچ رہا ہے۔ میں اب دوستی کے پرانے معاہدے کی تجدید اور طلیحہ کی فرمانبرداری کا اقرار کرتا ہوں۔ واللہ! اپنے حلیف قبیلے کے نبی کی اطاعت کرنا ہمارے لئے قریش کے نبی کی اطاعت

کرنے سے بہتر ہے۔ پھر محمد (ﷺ) تو وفات پا چکے ہیں اور طلیحہ زندہ ہے۔

عیینہ کی قوم نے اس کی بات تسلیم کر لی اور طلیحہ کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ اس طرح مرتدین کی شان و شوکت بڑھ گئی اور ان قبائل میں جو مسلمان آباد تھے وہ بھاگ کر مدینہ پہنچ گئے۔

مرتدین کو ابوبکر ؓ کی دھمکی

مذکورہ بالا قبائل نے بزاخہ میں جمع ہو کر ارتداد کا اعلان کیا اور مدینہ کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرے قبائل کی طرح ان سے بھی جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور انہیں ایک خط بھیج کر دھمکی دی کہ اگر وہ دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تو ان سے جنگ کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ خالد ؓ کو طلیحہ اور اس کے بعد مالک بن نویرہ سے جنگ کرنے کا حکم ملا تھا، چنانچہ وہ ان بستیوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ اسی اثناء میں قبیلہ طی کے ایک سردار عدی بن حاتم زکوٰۃ لے کر مدینہ آئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور ہدایت کی کہ وہ اپنے قبیلے میں جائیں اور مرتدین کو ڈرائیں کہ اگر وہ حالت ارتداد پر قائم رہے تو ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ ادھر خالد رضی اللہ عنہ نے فی الفور بزاخہ کا قصد نہ کیا بلکہ اجاء کی طرف مڑ گئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ خیبر کی جانب جا رہے ہیں اور وہاں سے مزید کمک لے کر پھر بزاخہ کی طرف کوچ کریں گے۔

عدی کی سعی و جہد

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق عدی نے اپنے قبیلے میں پہنچ کر لوگوں کو سمجھایا بجھایا اور انہیں دوبارہ اسلام لانے کی تلقین کی لیکن لوگوں نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا اور کہا: ''ہم ابوالفصیل کی اطاعت کبھی نہ کریں گے۔''

اس پر عدی نے ان سے کہا:

''تمہاری جانب ایک ایسا لشکر بڑھا چلا آ رہا ہے جو تم پر ہرگز رحم نہ کرے گا اور قتل و غارت کا بازار اس طرح گرم کرے گا کہ کسی بھی شخص کو امان نہ

مل سکے گی۔ میں نے تمہیں سمجھا دیا ہے، آگے تم جانو تمہارا کام"۔

عدی نے مسلمانوں کی قوت و طاقت اور بہادری کا ذکر تفصیل سے کیا اور انہیں سمجھایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مخالفین کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کا تہیہ کر لیا ہے اس لئے تم اصرار سے باز آ جاؤ اور اسلام قبول کر لو ورنہ تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا۔

عدی کی باتوں پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ وہ لوگ مشاہدہ کر چکے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلامی لشکر نے مدینہ سے سینکڑوں میل دور سرحد روم پر ہونے کے باوجود عبس، ذبیان اور ان کے مددگار قبائل کو بُری طرح شکست دی تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بہادری اور تندی و سختی میں ضرب المثل ہیں اور وہ ان کا مقابلہ کسی صورت بھی نہ کر سکیں گے۔

بنی طی کا دوبارہ قبولِ اسلام

عدی کی یہ باتیں سن کر بنو طی نے باہم مشورہ کیا اور بالآخر طے پایا کہ عدی جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے اور انہیں دوبارہ اسلام لانے کی دعوت دینے سے ان کا مقصد ذاتی فائدہ حاصل کرنا نہیں بلکہ اپنی قوم کی خیر خواہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے عدی سے کہا:

> "ہم آپ کا مشورہ قبول کرتے ہیں۔ آپ خالد بن ولید ﷛ کے پاس جائیں اور انہیں ہم پر حملہ کرنے سے روک دیں۔ اس عرصے میں ہم اپنے ان بھائیوں کو بلانے کی کوشش کریں گے جو بزاخہ میں طلیحہ کے لشکر میں موجود ہیں کیونکہ ہمیں ڈر ہے، اگر ہم نے کھلم کھلا طلیحہ کی مخالفت کی تو وہ ہمارے ان بھائیوں کو قتل کروا دے گا۔"

عدی اپنی قوم کی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئے، وہ فی الفور سخ پہنچے اور خالد رضی اللہ عنہ سے معاملات طے کئے، چنانچہ قبیلۂ بنی طے کو دوبارہ اسلام کی سعادت نصیب ہوگئی۔

لشکروں کے امراء کے نام صدیق اکبر ﷛ کا پیغام

فوجوں سے پہلے حضرت ابوبکر ﷛ کے قاصد اس خط کو لے کر اپنی اپنی سمت روانہ

ہوئے ان کے بعد لشکروں کے امراء ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حسب ذیل فرمان کے ساتھ اپنی سمتوں کی طرف روانہ ہو گئے:

"یہ فرمان ابوبکر خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے لکھا گیا ہے جب انہوں نے اسے مسلمانوں کی فوج کے ساتھ مرتدین سے لڑنے کے لئے روانہ کیا ہم نے ان امراء کو اس شرط پر منصب دیا ہے کہ وہ دل میں اور اعلانیہ جہاں تک ہو سکے گا اللہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہیں گے اور مرتدین کے مقابلے میں خلوص نیت کے ساتھ پوری کوشش کریں گے اور ان سے اللہ کے لئے لڑیں گے ہاں مگر اس سے پہلے وہ ان کو اپنی اصلاح کا موقع دیں گے اور اسلام کی دعوت دیں گے تاکہ اگر وہ اسے قبول کرلیں تو ان سے کوئی تعارض نہ کیا جائے اور اگر انکار کریں تو فوراً ان پر حملہ کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ پھر اسلام لے آئیں تب ان کو ان کے حقوق اور فرائض بتائے جائیں جو ان پر واجب الاداء ہو، وہ وصول کیا جائے اور جس کے وہ مستحق ہوں وہ ان کو دیا جائے اس معاملے میں ان کو ہرگز مہلت نہ دی جائے اور جب تک یہ مقاصد حاصل نہ ہو جائیں مسلمانوں کو جہاد سے واپس نہ لایا جائے۔ جو شخص اللہ عزوجل کی بات تسلیم کر کے اس کا اقرار کرلے اس کے ایمان کو قبول کر کے دین کے احیاء کے لئے اس کی مدد کی جائے۔

ان لوگوں سے بھی جہاد کیا جائے جو ایک طرف اللہ کے پیغام کا اقرار کرتے ہیں اور پھر اللہ کے حکم سے انکار کرتے ہیں البتہ اگر وہ ہماری دعوت کو قبول کرلیں تو ان سے کوئی تعارض نہ کیا جائے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ آخرت میں ان سے حساب لے لے گا۔ اگر انہوں نے نفاق سے کام لیا ہو گا البتہ جو علانیہ طور پر اللہ کی دعوت کو رد کر دے اسے جہاں اور جس طرح ہو سکے ذلت سے قتل کر دیا جائے اور اسلام لانے کے علاوہ ان کی کوئی دوسری شرط قبول نہ کی جائے جو اسلام کا اقرار کرے اسے مسلمان سمجھا جائے اور اس سے مسلمانوں

جیسا سلوک کیا جائے اور جو اسلام لانے سے انکار کرے اس سے جنگ کی جائے۔ اللہ فتح دے۔ مرتدین کو تلوار اور آگ سے بری طرح ہلاک کر دیا جائے اور جو مال غنیمت دستیاب ہو اس میں سے پانچواں حصہ علیحدہ کر کے باقی کو شرکائے جہاد میں تقسیم کر دیا جائے اور پانچوں حصہ ہمیں بھیج دیا جائے امیر پر لازم ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے اور جب تک کسی دوسرے آدمی کی صلاحیت کا پورا علم نہ ہو جائے شامل نہ ہونے دے ہو سکتا ہے وہ دشمن کا جاسوس ہو اور اس طرح بے خبری میں مسلمانوں پر کوئی حملہ ہو جائے سفر اور قیام میں مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور نیامہ روی اختیار کرے ان کی خبر گیری کرتا رہے اور ایسا نہ ہو کہ ایک جماعت کو دوسری سے پہلے دشمن کے مقابلے پر لڑادے اور مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ اور گفتار میں ہمیشہ خوش اخلاق اور نرم لہجہ اختیار کرے۔''

طلیحہ اور غطفان کے دیگر واقعات

قاسم بن محمد، بدر بن الخلیل اور ہشام بن عروہ سے مذکور ہے کہ جب عبس، ذبیان اور ان کے ساتھی بزاخہ میں جمع ہو گئے طلیحہ نے بنی جدیلہ اور غوث کو کہلا کر بھیجا کہ تم فوراً میرے پاس آجاؤ، ان قبائل کے کچھ لوگ تو فوراً ہی اس کے پاس پہنچ گئے اور دوسرے اپنی قوم والوں کو انہوں نے ہدایت کی کہ وہ بھی ان سے آملیں اور وہ بھی طلیحہ کے پاس آگئے۔

خالدؓ بن ولید کی ذی القصہ اور دیگر مقامات کی طرف روانگی

اس سے پہلے کہ ابوبکرؓ خالدؓ بن ولید کو ذی القصہ سے روانہ کریں انہوں نے عدی سے کہا کہ تم فوراً اپنی قوم کے پاس جاؤ ایسا نہ ہو کہ اس ہنگامے میں وہ برباد ہو جائیں عدی اپنی قوم کے پاس آئے اور ذروہ اور غارب میں انہوں نے ان کو روک لیا۔ ان کے بعد خالدؓ روانہ ہوئے اور ان کو حکم دیا تھا کہ پہلے اکناف کے مقام پر قبیلہ طے سے مقابلہ شروع کریں۔ اور پھر بزاخہ کریں اور وہاں سے آخر میں بطاح جائیں اور جب وہ دشمن سے فارغ

ہو جائیں تو جب تک ان کو جدید احکام نہ ملیں وہ کوئی اور ارادہ نہ کریں ابوبکرؓ نے یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ خیبر جا رہے ہیں اور پھر وہاں سے مڑ کر وہ خالدؓ سے سلمی کے اکناف پر آملیں گے۔ خالدؓ روانہ ہو گئے بزاخہ سے انہوں نے کنائی کاٹ کا رخ کیا اور یہ ظاہر کیا کہ اب تو وہ خیبر آ رہے ہیں پھر وہاں سے ان کے مقابلے پر پلٹیں گے اس خیال سے قبیلہ طے کے لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہے طلیحہ کے پاس نہیں گئے۔ عدی بھی طے کے پاس آئے اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابوالفضل کی ہرگز کبھی بیعت نہیں کریں گے۔ عدی نے کہا کہ تمہارے مقابلے پر ایسی فوج آ رہی ہے کہ تمہارے گھربار کو لوٹ کر برباد کر دے گی اور اس وقت تم ابوبکر کو ابوالفحل الاکبر کی کنیت سے یاد کرو گے۔ میری بات نہیں مانتے تو تم جانو اس شخص سے نمٹ لو۔ طے نے کہا اچھا تم اس حملہ آور جوف سے جا کر ملو اور اسے ہم پر حملہ کرنے سے روکو تا کہ اس دوران ہم اپنے ان ہم قوم لوگوں کو بلا لیں جو بزاخہ میں ہیں اور یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر اب ہم طلیحہ کی مخالفت کا اعلان کر دیں جبکہ ہمارے لوگ ان کے قبضے میں آئیں۔ تو وہ یا تو ان سب کو قتل کر دے گا اور یا ان کو یرغمال کی حیثیت سے قید بنا رکھے گا۔

عدی کی طرف سے خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے پاس قوم کی سفارش

قوم سے اس گفتگو کے بعد عدی خالدؓ کے پاس آئے جواب سخ آ چکے تھے۔ عدی نے خالدؓ سے کہا کہ مہربانی فرما کر آپ مجھے تین دن کی مہلت دیں اور میری قوم کے خلاف کوئی کارروائی شروع نہ کریں۔ پانچ سو جنگجو تمہارے ساتھ ہو جائیں گے جن کے ساتھ تم دشمن کا مقابلہ کرنا اور یہ بات اس سے بہتر ہے کہ تم ابھی ان سے جنگ کرو اور ان کو جہنم واصل کرو۔ خالدؓ نے ان کی تجویز مان لی عدی اپنی قوم کے پاس آئے اس سے پہلے وہ بزاخہ سے اپنی قوم والوں کو واپس بلانے کے لئے اپنے آدمی بھیج چکے تھے۔ چنانچہ اب وہ دیکھنے کے لئے بطور کمک اپنی قوم کے پاس آ گئے۔ اگر یہ ترکیب نہ کی جاتی تو ان کی واپسی نہ ہو سکتی اور مرتدین ان کو واپس نہ جانے دیتے، ان کو مسلمان بنا کر عدی نے خالدؓ سے آ کر ان کے اسلام

لے آنے کی اطلاع دی اب خالدؓ نے یہاں سے جدیلہ کے مقابلے کے خیال سے النسر کی طرف سفر شروع کیا۔ عدی نے ان سے کہا کہ طے کی مثال ایک پرندہ کی ہے جدیلہ طے کے دو بازوؤں میں سے بمنزلہ ایک بازو کے ہیں آپ مجھے چند روز کی مہلت دیں شاید اللہ ان کو بھی راہ راست پر لے آئے جس طرح اس نے غوث کو گمراہی سے نکال لیا۔ خالدؓ نے ان کی بات مان لی۔ عدی جدیلہ کے پاس آئے اور جب تک انہوں نے عدی کی بیعت نہیں کی عدی نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا ان کے اسلام لے آنے کی بشارت عدی نے خالدؓ کو آ کر دی اور اس قبیلے کے ایک ہزار اونٹ سوار جان دینے کے لئے مسلمانوں کے پاس آ گئے اس طرح عدی سے زیادہ بابرکت اور موجب سعادت شخص طے میں کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔

مذکورہ واقعہ سے متعلق دوسری روایت

اس سلسلے میں ہشام بن الکلبی کہتے ہیں کہ جب اسامہ اور ان کی تمام فوج واپس آ گئی ابوبکر نے مرتدین کے خلاف تیز تر کوششیں شروع کر دیں۔ وہ سب کے ساتھ مدینے سے چل کر ذی القصہ (جو نجد کی سمت مدینے سے ایک منزل ڈاک کی مسافت پر ہے) آئے یہاں انہوں نے اپنی فوجوں کو مرتب کیا اور پھر خالدؓ بن ولید کو سب کا سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔ ثابت بن قیس کو انصار کا امیر مقرر کر کے خالدؓ کے ماتحت کیا اور خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ طلیحہ اور عیینہ بن حصن کے مقابلے پر جائیں جو بنی اسد کے پانی کے ایک چشمہ پر ٹھہرے ہوئے تھے اس موقع پر ابوبکرؓ نے یہ چال بھی چلی کہ ظاہر یہ کیا کہ خود میں بھی اپنی تمام فوج کے ساتھ بہت جلد خیبر ہوتا ہوا تم سے آملوں گا حالانکہ تقریباً تمام فوج وہ خالدؓ کے ساتھ کر چکے تھے مگر اس بات کو انہوں نے اس لئے ظاہر کیا تاکہ دشمن کو یہ خبر پہنچے اور وہ مرعوب رہے۔ اس انتظام کے بعد ابوبکر مدینے چلے آئے اور خالدؓ اپنی راہ پر چل پڑے۔

ثابت اور عکاشہ کی شہادت

جب دشمن قریب آ گیا تو انہوں نے عکاشہ بن محصن اور بنی العجلان کے ثابت بن اقرام انصار کے حلیف کو دشمن کی خبر گیری کے لئے روانہ کیا۔ جب یہ دشمن کے قریب

پہنچے طلیحہ اور اسکا بھائی سلمہ ان کو دیکھنے کے لئے اور دریافت حال کے لئے باہر نکلے۔ سلمہ نے تو آتے ہی ثابت کو شہید کر ڈالا اور طلیحہ نے جب دیکھا کہ اس کا بھائی اپنے مقابلے سے فارغ ہو چکا ہے تو اس نے سے اپنے مقابل میں مدد کے لئے پکارا کہ آؤ میری مدد کرو ورنہ یہ شخص مجھے کھا جائے گا۔ چنانچہ اب ان دونوں نے عکشہ کو شہید کر ڈالا اور اپنی قیام گاہ پلٹ گیئے۔ اب خالدؓ اپنی فوج کے ساتھ اس مقام پر آئے جہاں ثابت مقتول پڑے تھے کسی کو ان کی خبر نہ تھی کہ اچانک کسی اونٹ کا پاؤں ان کے جسم پر پڑ گیا اور ان کو مقتول دیکھ کر مسلمان مرعوب ہو گئے اب پھر جو غور سے دیکھا کہ عکاشہ بن محصن بھی مقتول پڑے ہوئے ملے اس سے وہ اور بھی مرعوب ہوئے اور کہنے لگے کہ مسلمانوں کے دو بڑے سردار اور بہادر امیر مارے گئے یہ حالت دیکھ کر اس وقت خالدؓ طے کے پاس پلٹ آئے۔

ہشام کہتے ہیں کہ خود عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں نے خالدؓ بن ولید کو حکم بھیجا کہ تم میرے پاس آکر چند روز قیام کرو میں طے کے تمام قبائل کے پاس آدمی بھیجتا ہوں اور جو مسلمان اس وقت تمہارے ساتھ ہیں ان سے کہیں زیادہ فوج تمہارے پاس جمع کئے دیتا ہوں اور پھر میں خود تمہارے دشمن کے مقابلے میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

خالدؓ بن ولید لشکر سمیت قبیلہ طے میں

ایک انصاری سے مروی ہے کہ ثابت اور عکاشہ کے شہید ہونے کے بعد جب خالدؓ نے دیکھا کہ ان کی فوج والوں پر اس واقعے کا بہت برا اثر پڑا ہے انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو میں تم کو عرب کے ایک ایسے بڑے قبیلے کے پاس لئے چلتا ہوں جن کی تعداد اور شان و شوکت بہت زیادہ ہے اور جن کا ایک شخص بھی مرتد نہیں ہوا ہے، مسلمانوں نے خالدؓ سے پوچھا اس سے کونسا قبیلہ مراد ہے اگر ایسا ہے تو اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ خالدؓ نے کہا طے، مسلمانوں نے کہا بے شک آپ صحیح فرماتے ہیں اور آپ کی رائے مناسب ہے چنانچہ خالدؓ سب مسلمانوں کو لے کر طے میں ٹھہر گیے۔

مروی ہے کہ خالد ؓعلی کے قصبہ ارک میں ٹھہرے ہوئے تھے مگر دوسری روایت

یہ ہے کہ وہ آجاناگی پہاڑی پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہاں سے انہوں نے طلیحہ کے مقابلے کے لئے اپنی فوج کو مرتب کیا اور بزاخہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا اس اثناء میں تمام بنی عامر اپنے امراء اور عوام کے ساتھ اس جھگڑے سے علیحدہ ہو کر قریب ہی اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ دیکھیں کس کو شکست ہوتی ہے تب کسی فریق میں شرکت کا فیصلہ کریں۔

بنو اسد اور بنو خزارہ سے مقابلہ

سعدؓ بن مجاہد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کے بزرگوں سے یہ بات سنی جو کہتے تھے کہ ہم نے خالدؓ سے کہا ہم قیس سے نمٹ لیتے ہیں بنی اسد ہمارے حلیف ہیں ان کے مقابلے سے ہم کو معاف کر دیا جائے۔ خالدؓ نے کہا کہ قیس بھی کچھ طاقتور نہیں ہیں لہٰذا دونوں قبیلوں میں سے جس کے مقابلے پر جانا چاہو جاؤ۔ اس پر عدی نے کہا کہ اگر اسلام میری قوم میں سے میرے قریب تر سے قریب خاندان نے چھوڑا ہوتا تو میں ان سے جہاد کرتا، محض اس وجہ سے کہ بنی اسد ہمارے حلیف ہیں ہم ان سے نہ لڑیں میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں خالدؓ نے کہا دونوں فریقوں سے جہاد کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہے لہٰذا اس معاملے میں تم اپنے ساتھیوں کی مخالفت نہ کرو کسی ایک کے مقابلے پر جاؤ بہتر یہ ہے کہ اس فریق کے مقابلے پر جاؤ جس سے لڑنے کے لئے وہ زیادہ شوق رکھتے ہوں۔

عبدالسلام بن سوید سے مروی ہے کہ خالدؓ کے آنے سے پہلے بنی اسد اور بنی فزارہ کے لشکر طے کے مقابلے میں آتے اور محض آمنا سامنا ہونے کے بعد بغیر لڑے واپس ہو جاتے اور کہتے کہ ہم ہرگز کبھی ابوالفضل (ابوبکر) کی بیعت نہیں کریں گے اس کے جواب میں طے کے سوار کہتے ہیں کہ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ابوبکر تمہاری اس طرح خبر لیں گے کہ پھر تم ان کو ابوالفحل الاکبر کہو گے۔

لڑائی کا آغاز

اب لڑائی شروع ہوئی۔ عیینہ نے بنی فزارہ کے ساتھ سو افراد کے ساتھ طلیحہ کی جماعت میں خوب بہادری سے مقابلہ کیا اس وقت طلیحہ اپنے اونی خیمے کے صحن میں چادر اوڑھے نبی بنا ہوا بیٹھا تھا اور باہر میدان میں نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی جب عیینہ کو لڑائی

میں تکلیف اٹھانا پڑی اور اس کا شدید نقصان ہوا وہ میدان کارزار سے پلٹ کر طلیحہ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کیا جبرئیل تمہارے پاس آئے۔ اس نے کہا اب تک نہیں آئے عیینہ معرکے میں آ کر پھر لڑائی میں معروف ہو گیا اور جب اس کو دوبارہ جنگ کی شدت نے پریشان کر دیا وہ پھر طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ بتاؤ کہ اب بھی جبرئیل نہیں آئے۔ اس نے کہا نہیں۔ عیینہ نے کہا اب کب آئیں گے ہمارا تو کام تمام ہوا۔ یہ کہہ کر وہ پھر میدان جنگ میں پلٹ کر لڑنے لگا اور اب جب پھر اسے ناکامی ہوئی تو طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا اب بھی جبرئیل نہیں آئے اس نے کہا ہاں۔ آئے ہیں، عیینہ نے پوچھا انہوں نے کیا بات بتائی۔ طلیحہ نے کہا انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ یہ لڑائی تمہارے لئے اسی طرح چکی کا پاٹ ثابت ہو گی جیسے عیینہ کے لئے اور یہ ایک ایسا واقعہ ہو گا جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔

عیینہ نے اپنے دل میں کہا واقعی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ایک ناقابل فراموش واقعہ بات ہو گی۔ اے بنی فزارہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اب یہاں سے بھاگو، بخدا طلیحہ کذاب ہے تمام بنی فزارہ اپنے امیر کے حکم پر لڑائی سے کنارہ کش ہو گئے ان کے جاتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا تمام مرتدین بھاگے طلیحہ کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کیا حکم ہے؟ اس سے پہلے ہی اس نے اپنے اور اپنی بیوی نوار کے لئے دو گھوڑے سفر کے لئے سازو سامان کے ساتھ تیار رکھے تھے جب اس کی مفرور فوج نے اسے آ کر گھیرا اور پوچھا کہ اب کیا حکم ہوتا ہے وہ لپک کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا دوسرے پر اس نے اپنی بیوی کو سوار کیا اور اسے لے کر بھاگا اپنے ساتھیوں سے بھی اس نے کہا کہ جو میری طرح بھاگ کر جان بچا سکتا ہے وہ بھاگ جائے طلیحہ نے حوشیہ کی راہ اختیار کی وہاں سے شام چلا گیا اس کی جماعت بالکل پراگندہ ہو گئی بہت سے مارے گئے۔ بنی عامر اپنے خاص و عام افراد کے ساتھ یہاں اس کے قریب بیٹھے ہوئے جنگ کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے اور ان قبائل سلیم اور ہوازن کا بھی یہی حال تھا کہ اللہ نے بنی فزارہ اور طلیحہ کو بری طرح شکست دی اور برباد کر دیا تو پھر دوسرے قبائل خود آئے اور کہنے لگے کہ جس دین کو ہم نے چھوڑا تھا ہم پھر اس میں داخل ہوتے ہیں۔ ہم اللہ اور اسکے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے مال اور جان کے

متعلق اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں۔

(تاریخ طبری جلد دوم حصہ دوم)

مرتدین کے ابوبکرؓ سے ناکام مذاکرات

بنی اسد، غطفان، ہوازن اور طے کے وفد ابوبکر کے پاس آئے۔قضاعہ کے وفد سے اسامہ بن زیدؓ کی ملاقات ہوگئی اسامہؓ ان کو بھی ابوبکرؓ کے پاس لے آئے یہ تمام وفد مدینے میں جمع ہوئے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دسویں دن یہ تمام وفد مدینے آئے اور مسلمانوں کے سرداروں کے ہاں مہمان ہوئے انہوں نے یہ شرط لگائی کہ ہم نماز پڑھنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ زکوٰۃ معاف کردی جائے۔جن لوگوں کے پاس یہ وفد ٹھہرے ہوئے تھے وہ سب ان کی اس شرط کو ماننے پر تیار ہو گئے تھے اور قریب تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔عباسؓ کے سوا مسلمان عمائد میں کوئی اور ایسا نہ تھا جس کے یہاں کوئی وفد مقیم نہ ہوا۔اپنی اپنی جگہ اس بات کو طے کر کے یہ سب ابوبکرؓ کے پاس آئے اور اس سمجھوتے کی اطلاع دی مگر ابوبکرؓ نے ان کی شرط کو تسلیم نہ فرمایا اور کہا کہ میں وہی زکوٰۃ برابر وصول کرونگا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے،اسے ان لوگوں نے نہ مانا وہ لوگ مقصد حاصل کئے بغیر واپس ہوگئے۔ابوبکرؓ نے ایک دن رات کی ان کو مہلت دی وہ بہت تیزی سے اپنے قبائل کو روانہ ہوگئے۔

قبیلہ عک کے اخابث کے بارے میں آپؓ کا فیصلہ

قبیلہ عک کی بغاوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تہامہ میں سب سے پہلے عک اور اشعریوں نے حکومت سے بغاوت کی۔اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی ان کے قبیلہ طخار کے لوگ بغاوت کے لیے جمع ہوئے۔اشعرین اور خصم بند کے جو طخار پر تھے وہ بھی اس جماعت سے آ ملے۔انہوں نے سمندر کے ساحل پر

مقام اعلاب میں اپنا پڑاؤ کیا۔ان کے ساتھ کچھ چھٹی پر گئے وہ سپاہی بھی جن کا کوئی سردار نہ تھا وہ بھی ان سے آ ملے۔

طاہر بن ابی ہالہ نے ان کے اکٹھے ہونے کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی اور وہ خود ان کو کچلنے کیلئے روانہ ہوئے۔اس غرض سے اپنی روانگی کی اطلاع بھی انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔طاہر کے ساتھ مسروق العکی بھی تھے۔انہوں نے اعلاب آ کر ان باغیوں کا مقابلہ کیا۔شدید جنگ کے بعد اللہ نے باغیوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کو ایسا بے تحاشا قتل کیا کہ شاید بیان میں سے کوئی بچ سکا ہو۔اُن تمام راستوں میں ان مقتولین کی بدبو پھیل گئی۔اللہ نے ان باغیوں کو ہلاک کر کے مسلمانوں کو ایک شاندار فتح عطا فرمائی۔قبل اس کے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس طاہر کی فتح کی خوشخبری دینے والا خط پہنچے انہوں نے طاہر کے پہلے خط کے جواب میں ان کو لکھا ''مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے اپنے اعلاب میں اخابث کے مقابلے پر جانے اور مسروق اور ان کی قوم کو اپنی مدد کیلئے ساتھ لے جانے کی اطلاع دی ہے،تمہاری یہ کارروائی مناسب ہے۔اس معرکہ میں ان باغیوں کو بغیر کسی پر رحم کھائے ایسی سزا دو جو دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔ان کا صفایا کر کے تم میرے آئندہ حکم کے آنے تک اعلاب ہی میں ٹھہرے رہنا تا کہ ان خبیثوں کے راستے مسافروں کے لئے محفوظ ہو جائیں۔

اخابث کہنے کا اثر

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان باغیوں کو اخابث لکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب تک عک کی یہ جماعت اور دوسرے قبائل والے جو بغاوت میں اس کے شریک ہو گئے تھے اخابث کے نام سے موسوم ہیں اور وہ راستے جہاں انہوں نے جنگ کی تھی اخابث کے راستوں کے نام سے مشہور ہیں۔

لڑائی کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے بعد جب طاہر بن ابی ہالہ جن کے ساتھ مسروق قبیلہ عک کے ساتھ تھے اخابث کے راستے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دوسرے حکم

کے انتظار میں مقیم رہے۔

اہل نجران کا واقعہ

اہل نجران کے معاہدہ کی تجدید

جب اہل نجران کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع ملی جن میں اس وقت بنی الافعی جو بنی الحارث سے قبل وہاں کے متوطن تھے چالیس ہزار جنگجو تھے انہوں نے تجدید معاہدہ کے لئے اپنا ایک وفد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ یہ وفد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہوں نے حسب ذیل فرمان ان کو لکھ دیا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرمان

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ فرمان عبداللہ ابی بکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل نجران کے لئے لکھا جاتا ہے۔ میں نے ان کو اپنی اور اپنی فوج کی طرف سے پناہ دی اور جو فرمان معافی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دیا تھا میں بھی اُسے تسلیم کرتا ہوں اور اس کی توثیق کرتا ہوں۔ سوائے ان باتوں کے جن سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے ان کے بارے میں رجوع کیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ نہ صرف ان کے علاقے میں بلکہ تمام عرب میں دو مذہب کے پیروکار سکونت پذیر نہیں رہ سکتے۔ اس کے علاوہ وہ ان کو ان کی جان مذہب، املاک، حاشیہ، متعلقین چاہے وہ اس وقت نجران میں ہوں یا کہیں باہر ہوں اس علاقے کے پادری۔ راہب اور گرجا جہاں وہ بنے ہوئے ہیں اور تھوڑی یا زیادہ جس قدر ان کی املاک ہیں ان سب کو ان کے حق میں رہنے دیتے ہیں بشرطیکہ جو سرکاری لگان مقرر ہے وہ ادا کرتے رہیں اور جب وہ اپنے واجبات پورے کر دیں تو پھر نہ ان کو وہاں سے نکالا جائے نہ ان سے عشر لیا جائے نہ کسی پادری کو اس کے حلقے سے بدلا جائے اور نہ کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے نکالا جائے۔ جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا ہے اس

کے پورا کرنے کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت اور تمام مسلمانوں کی نگہبانی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اہل نجران کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور وفادار رہیں۔" شعر ابن عمرو اور عمرو مولیٰ ابوبکرؓ نے اس تحریر پر اپنی گواہی ثبت کی۔

جریر بن عبداللہ کو خثعم پر حملے کا حکم

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ کو حکم دیا کہ تم اپنی کارروائی پر واپس جاؤ اور اپنے ان ہم قوم لوگوں کو جو اسلام پر ثابت قدم ہوں دین کی مدد کرنے کی دعوت دو اور جو اُن میں سے تندرست اور صاحب استطاعت ہوں ان کو جہاد کے لیے تیار کرو اور ان کے ساتھ مل کر مشرکوں سے جہاد کرو۔ پہلے خثعم پر حملہ کرنا جو ذی الخلطعہ کی حمایت کے لیے باہر نکلے ہوئے ہوں ان سے لڑنا نیز ان کا مقابلہ کرنا جو تمہارا مقابلہ کریں۔ اُن کا بالکل صفایا کر دینا۔ نیز ان کے شریک لوگوں کا بھی خاتمہ کر دینا۔ اس سے فارغ ہو کر تم نجران جانا اور وہاں میرے دوسرے حکم کے آنے تک ٹھہرے رہنا۔

جریر اپنی خدمت پر روانہ ہوئے۔ جو احکام ان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیئے تھے اس کی انہوں نے پوری پوری تعمیل کی مگر سوائے ایک چھوٹی سی جماعت کے کسی نے ان کا مقابلہ نہیں کیا۔ اس جماعت نے مقابلہ کیا مگر وہ بُری طرح قتل کر دیے گئے۔

(تاریخ طبری واقعات ۱۱ھ)

طلیحہ کا قبول اسلام

ایک انصاری سے جو بزاخہ کے واقعہ میں شریک تھے مروی ہے کہ اس واقعہ میں خالد رضی اللہ عنہ کو کسی ایک شخص کے بیوی بچے بھی ہاتھ نہ آسکے کیونکہ بنی اسد کے تمام اہل وعیال محفوظ مقامات میں رکھے گئے تھے۔ اس کے متعلق ابویعقوب سے مروی ہے کہ بنی اسد کے بیوی بچے مثقب اور فلج کے درمیان محفوظ تھے اور قیس کے اہل وعیال فلج اور واسطہ کے درمیان محفوظ تھے، خالد رضی اللہ عنہ کے بڑھتے ہی انہوں نے شکست کھائی اور اپنے بچوں کی

ہلاکت کے خوف سے سب اسلام لے آئے اور خالدؓ سے ان کے لئے امن کی درخواست کی اوران کو پیچھا کرنے سے باز رکھا۔

طلیحہ میدان جنگ سے بھاگ کر نقع میں بنی کلب کے پاس فروکش ہو گیا اور اسلام لے آیا۔ یہ ابوبکرؓ کی وفات تک وہیں مقیم رہا اس کے اسلام لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب اسے اطلاع ملی کہ تمام اسد، غطفان اور عامر مسلمان ہو چکے ہیں وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ ابوبکرؓ کی امارت ہی میں وہ عمرہ کرنے مکے روانہ ہوا، مدینے کے قریب سے گذرا، ابوبکرؓ سے کہا گیا کہ طلیحہ موجود ہے انہوں نے کہا کہ اب میں اس کے ساتھ کیا کروں جانے دو اللہ نے اسے اسلام کی ہدایت دیدی، طلیحہ نے مکے آ کر عمرہ ادا کیا اور پھر عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد ان کی بیعت کرنے آیا۔ عمرؓ نے اس سے کہا تم عکاشہ اور ثابت کے قاتل ہو بخدا میں کبھی تم کو پسند نہیں کر سکتا۔ طلیحہ نے کہا امیر المومنین آپ ان دو شخصوں کا کیا غم کرتے ہیں جن کو اللہ نے میرے ہاتھوں شہادت کی کرامت عطا فرمائی اور مجھے ان کے ہاتھوں ذلیل نہیں کیا۔ عمرؓ نے اس سے بیعت لے لی اور کہا اے مکار! اب بھی کچھ کہانت کی قوت باقی ہے؟ اس نے کہا اب میں بوڑھا ہو گیا اب کچھ قوت باقی نہیں رہی۔ ان کے پاس سے وہ اپنی قوم کی قیام گاہ کی طرف آیا اور پھر وہاں عراق جانے تک مقیم رہا۔

ھوازن، سلیم اور عامر کا ارتداد

سہیل اور عبداللہ سے مروی ہے کہ بنی عامر اس سوچ میں تھے کہ اس فتنہ ارتداد میں کیا طریقہ اختیار کریں اور اس انتظار میں کہ اسد اور غطفان کیا کرتے ہیں؟ جب ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تو اس وقت بنی عامر اپنے عام اور خواص کے ساتھ علیحدہ ہو کر یہ تماشہ دیکھ رہے تھے، قرۃ بن ہبیرہ بنی کعب اور ان کے متعلقین کے ساتھ اور علقمہ بن علاثہ بنی کلاب اور ان کے متعلقین کے ساتھ مورچہ زن تھے، علقمہ کا واقعہ یہ ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اسلام لا کر مرتد ہو گیا تھا اور طائف کے فتح ہو جانے کے بعد شام چلا گیا تھا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ بہت تیزی سے عرب واپس آیا اور بنی

کعب میں اس نے مقابلے کے لئے چھاؤنی قائم کی مگر اب تک وہ مذبذب تھا کہ کیا کرے۔ اس کی اطلاع ابو بکرؓ کو ملی انہوں نے قعقاع بن عمرو کی امارت میں ایک لشکر اس کے مقابلے پر روانہ کیا اور قعقاع سے کہا کہ تم جا کر علقمہ بن علاشہ پر اچانک حملہ کر دو تم اسکو زندہ گرفتار کر کے میرے پاس لانا قتل کر دینا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر کپڑا پھٹ جائے تو اس کی اصلاح یہ ہے کہ اسے اچھی طرح سی دیا جائے لہٰذا اس مہم کو کامیاب بنانے میں جو تم سے ہو سکے وہ کرنا۔

علقمہ کا قبول اسلام

قعقاع اپنی مہم کے ساتھ چلے اور انہوں نے علقمہ پر اچانک حملہ کر دیا جبکہ وہ پانی کے ایک چشمے پر مقیم تھا۔ علقمہ کے احتیاط کی یہ حالت تھی کہ وہ ہر وقت ایک پاؤں پر کھڑا رہتا تھا اس لئے حملہ ہوتے ہی وہ اپنے گھوڑے کی طرف لپکا، حملہ آور بھی اسی کے پیچھے دوڑے مگر وہ ان کے ہاتھ نہ آسکا اس کے اہل وعیال نے اطاعت قبول کر لی، اس کی بیوی، بیٹیاں دوسری عورتیں او وہ مرد جو وہیں رہ گئے تھے، بالکل بدل گئے اور انہوں نے قعقاع سے اسلام کی وجہ سے اپنے آپ کو بچا لیا۔ قعقاع ان کو ابو بکرؓ کے پاس لے آئے اس کے بیٹے اور بیوی نے کہا کہ ہم نے علقمہ کو نہیں بلایا ہم تو اپنے وطن میں مقیم تھے اور ہم نے اسے کوئی اطلاع بھی نہیں بھیجی اس نے جو کچھ کیا ہم اس کے کسی بھی طرح ذمہ دار نہیں ہیں۔ ابو بکرؓ نے ان کو چھوڑ دیا۔ پھر خود علقمہ بھی اسلام لے آیا اور ابو بکرؓ نے اس کے اسلام کو تسلیم کر لیا۔

اہل بزاخہ کا دوبارہ اسلام میں داخل ہونا

اہل بزاخہ کے بعد عامر نے کہا کہ ہم پھر اس دین میں داخل ہو جاتے ہیں جس کو ہم نے چھوڑ دیا تھا۔ خالدؓ نے ان سے بھی انہیں شرائط پر بیعت لی جو انہوں نے اہل بزاخہ سے جس میں اسد، غطفان اور طے شامل تھے بیعت لی سب پر یہ شرط لازم کی کہ وہ ان تمام لوگوں کو جنہوں نے ارتداد کے زمانے میں اپنے علاقے کے مسلمانوں کو جلایا تھا اور ان کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا اور مظالم کئے تھے ان کے حوالے کر دیں اس معاملے میں

انہوں نے کسی عذر کو نہیں مانا، ان قبائل نے اپنے ان تمام لوگوں کو خالدؓ کے حوالے کر دیا۔

مسلمانوں پر مظالم ڈھانے والوں سے بدلہ

خالد رضی اللہ عنہ نے ان قبائل کے اسلام کو قبول کر کے ان کو چھوڑ دیا البتہ انہوں نے قرۃ بن ہبیرہ اور اس کے چند ساتھیوں کو قید کر لیا۔ اور جن لوگوں نے مسلمانوں پر مظالم کیے تھے انکے اعضا قطع کروائے ان کو جلایا۔ سنگسار کیا اور بعض کو پہاڑوں پر سے گرا دیا اور بعض کو کنوؤں میں ڈال کر تیروں سے چھلنی کر دیا۔ قرۃ اور دوسرے قیدیوں کو خالدؓ نے ابوبکرؓ کے پاس روانہ کیا اور کہا کہ بنی عامر اسلام سے روگردانی اور انتظار کے بعد پھر اسلام میں داخل ہو گئے ہیں جن قبائل سے میری جنگ ہوئی یا جن سے جنگ کے بغیر مصالحت ہوئی میں نے ان سب پر یہ شرط لازم کی ہے کہ جب تک وہ ان تمام لوگوں کو میرے حوالے نہ کر دیں جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم کیے تھے، اس وقت تک میں ان سے صلح نہیں کرونگا۔ انہوں نے میری شرط مان لی اور ایسے تمام مجرموں کو میرے حوالے کر دیا، میں نے ان کو مختلف قسم کا عذاب دے کر قتل کر ڈالا۔ البتہ قرۃ اور اس کے ساتھیوں کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔

(تاریخ طبری اردو جلد دوم حصہ دوم)

دوسرے مرتد قبائل کا استیصال

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں خالدؓ نے چشمہ بزاخہ پر کامل ایک مہینہ قیام فرمایا۔ اس دوران میں وہ ان بقیہ قبائل کی سرکوبی میں مصروف رہے جو ابھی تک ارتداد اور سرکشی پر قائم تھے اور ام زمل سے مل کر مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں کر رہے تھے انہوں نے ایسے لوگوں کو چن چن کر قتل کرا دیا جن کے ہاتھ بے گناہ مسلمانوں کے خون سے آلودہ تھے اور مرتدین کے متعدد سربرآوردہ اشخاص کو' جو اسلامی فوجوں کے مقابلے کو نکلے تھے' گرفتار کر کے مدینہ بھجوا دیا۔ ان لوگوں میں سے مشہور شخص یہ تھے! قرہ بن ہبیرہ فجاءۃ السلمی' ابو شجرہ بن عبدالعزیٰ السلمی وغیرہ یہ لوگ اس وقت تک حالت اسیری میں رہے جب تک ابوبکرؓ نے ان کے متعلق فیصلہ نہ سنا دیا۔

ام زمل اور طلیحہ کے لشکر کے مفرورین کا حال بیان کرنے سے قبل اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ ان لوگوں کا کیا بنا جو طلیحہ کی قوم بنی اسد کی طرح دوبارہ اسلام میں داخل نہ ہوئے؟ کیا ان کی عقل یہ تقاضا نہ کرتی تھی کہ جب طلیحہ کا کذب ان پر ظاہر ہو گیا تھا تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آتے؟ بات یہ ہے کہ اگرچہ سارے عرب کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑا لیکن درحقیقت وہ لوگ صدق دل سے آپ پر ایمان نہ لائے تھے۔ ان میں بہت سے لوگوں کو بتوں کی عبادت فضول معلوم ہوئی تو وہ ان کی پرستش چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن اس عبادت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جو دوسرے فرائض عائد کر دیئے وہ ان کے لئے بڑے تکلیف دہ تھے اور ان کی آزاد طبائع ان فرائض کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھیں۔ اسی لئے انہوں نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔ جب ابوبکرؓ کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کر دیا کیونکہ مال کی محبت ان کے دلوں میں ہر چیز سے زیادہ رچی ہوئی تھی۔ اسی طرح وہ نماز اور دوسرے فرائض اسلام سے بھی نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ طلیحہ مسیلمہ اور دوسرے مدعیان نبوت کی پیروی انہوں نے اسی لئے اختیار کی تھی کہ اپنی گردنوں سے وہ طوق اتار کر پھینک سکیں جو فرائض اور ارکان اسلام کی شکل میں ان کی گردنوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ چنانچہ طلیحہ کے فرار ہوتے کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی اطاعت کرنے پر آمادہ نہ کر سکے اور دوسری جگہ جا کر خالد سے دوبارہ جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی کیونکہ ان کا خیال تھا، وہ بالآخر ضرور فتح یاب ہوں گے اور ابوبکرؓ کو مجبور کر سکیں گے کہ فرائض اسلام کی بجا آوری میں ان پر اتنی سختی نہ کریں جتنی وہ اب کر رہے ہیں۔

لڑائی کے لئے دوبارہ تیار ہو جانے کا ایک سبب اور بھی تھا اور اس کا تعلق بدوؤں کی نفسیات سے ہے۔ ان قبائل اور مہاجرین وانصار کے درمیان پرانے جھگڑے چلے آ رہے تھے جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر غلبہ پالیا تو انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور آپ کے احکام کی بجا آوری پر بہ ظاہر رضا مند ہو گئے۔ لیکن یہ سب کچھ انہوں نے بہ حالت مجبوری اپنی مرضی کے خلاف محض اس لئے کیا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہو چکے

تھے۔ جونہی انہیں کچھ مہلت اور آزادی ملی' وہ مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک لمحہ بھی سوچ بچار میں ضائع نہ کیا۔ انہیں جنگ خندق کا واقعہ یاد تھا جب قریب تھا کہ مدینہ اپنے دروازے کفار کے لئے کھول دیتا اگر ایک سخت آندھی کافروں کے تمام منصوبے تہ و بالا کر کے نہ رکھ دیتی۔

بہ ظاہر مسلمان ہونے کے بعد یہ لوگ چپکے ہو رہے اور دیکھتے رہے کہ کیا ہونے والا ہے' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی پھر کیا تھا' یہ لوگ مرتد ہو گئے اور انہوں نے سارے ملک میں فساد برپا کر دیا۔ جب تک اسلامی فوجیں ان کی سرکوبی کے لئے پہنچیں' انہوں نے اس وقفے سے فائدہ اٹھا کر اپنی جمعیت کو مضبوط تر کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ قسمت ضرور ان کا ساتھ دے گی اور وہ دوبارہ اس آزادی و خود مختاری سے بہرہ ور ہو سکیں گے جس سے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں محروم ہو چکے تھے اگر تمام قبائل اپنے اس موقف پر مضبوطی سے قائم رہتے تو یقیناً خالدؓ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ آسانی سے مرتدین پر فتح نہ پا سکتے لیکن عدی بن حاتم کی کوششوں سے قبیلہ طئی کی دونوں شاخیں طلیحہ سے الگ ہو کر مسلمانوں سے مل گئیں۔ یہ دیکھ کر طلیحہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ یہی گھبراہٹ اور پریشانی اس کی شکست اور فرار کا موجب بنی۔

طلیحہ کے فرار ہونے کے بعد عیینہ بھی اپنے قبیلے میں جا کر بیٹھ رہا۔ اس دوران میں بنو عامر' جو طلیحہ کے طرف داروں میں سے تھے اور بزاخہ سے کچھ فاصلے پر آباد تھے' اس انتظار میں رہے کہ دیکھیں کس فریق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے؟ جب خالدؓ نے بنو اسد اور قیس کو شکست فاش دے دی تو بنو عامر نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ اب ان کے لئے مسلمان ہو جانا ہی بہتر رہے گا۔ چنانچہ وہ بھی اسد' غطفان اور طئی کی طرح خالدؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔

قاتلوں پر خالد رضی اللہ عنہ کی سختی

خالدؓ نے غطفان' ہوازن' سلیم اور طئی کے لوگوں کی جان بخشی اس شرط پر کی تھی کہ وہ ان کو ان کے حوالے کر دیں جنہوں نے ان غریب مسلمانوں کو قتل کیا تھا جو زمانہ ارتداد کے چنگل میں پھنس گئے تھے۔ چنانچہ جب یہ لوگ ان کے سامنے پیش کئے گئے تو انہوں نے

دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے ان کے سرداروں کے سوا باقی سب کو قتل کر دیا اور ان کی لاشیں آگ میں جلا دیں۔ اس کے بعد قرہ بن ہبیرہ، عیینہ بن حصن اور دوسرے سرداروں کو بیڑیاں پہنا کر ابو بکرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور ساتھ ہی حسب ذیل مضمون کا ایک خط بھی ارسال کیا:

"بنو عامر ارتداد کے بعد اسلام لے آئے لیکن میں نے ان کی جان بخشی اس وقت تک نہ کی جب تک انہوں نے ان لوگوں کو میرے حوالے نہ کر دیا۔ جنہوں نے غریب و بے کس مسلمانوں پر سخت ظلم ڈھائے تھے۔ میں نے ایسے تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس خط کے ساتھ قرہ بن ہبیرہ اور اس کے ساتھیوں کو روانہ کر رہا ہوں"

خالد رضی اللہ عنہ کی روش پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خوشنودی

خالدؓ نے جن لوگوں کو قتل مسلمانان کی پاداش میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا تھا' ان کی طرف سے ابو بکر کے دل میں قطعاً رحم پیدا نہ ہوا بلکہ انہوں نے ان دشمنان اسلام اور دشمنان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سزا کا قرار واقعی مستحق سمجھا اور خالدؓ کو جواب میں لکھا:

"اللہ تمہیں اپنے انعامات سے بہرہ ور کرتا رہے۔ میری یہ نصیحت ہے کہ تم اپنے معاملات میں ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ تقویٰ کی راہ چلو کیونکہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے اور اس کے بندوں پر احسان کرتے ہیں۔ اللہ کے راستے میں بڑھ چڑھ کر کام کرو اور کبھی سستی نہ برتو۔ ہر شخص کو' جس نے مسلمانوں کو قتل کیا ہو' قابو پانے کے بعد قتل کر دو۔ دوسرے لوگوں کے متعلق بھی' جنہوں نے اللہ سے دشمنی اور سرکشی اختیار کر کے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی' اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ ان کا قتل کر دینا مناسب ہے تو تمہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے۔"

"ابو بکرؓ کا یہ خط خالدؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے مرتدین کو مرعوب کرنے کی

پالیسی پر اور زور شور سے عمل شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک مہینے تک وہ بزاخہ کے چشمے پر مقیم رہ کر مرتدین کا قافیہ تنگ کرتے رہے۔"

مرتد قیدیوں کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معافی

لیکن خالدؓ کے برعکس ابوبکرؓ نے ان قیدیوں پر سختی نہ کی جو میدان جنگ سے پابجولاں مدینہ پہنچے تھے۔ عیینہ بن حصن مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور طلیحہ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے جنگ کر چکا تھا۔ وہ قرہ بن ہبیرہ کے ساتھ قید ہو کر مدینہ آیا۔ اس کے ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ مدینہ کے لڑکے اسے کھجور کی شاخوں سے مارتے اور کہتے تھے:

"اے اللہ کے دشمن! تو ہی ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا؟"

عیینہ جواب دیتا:

"میں تو کبھی اللہ پر ایمان نہیں لایا۔"

لیکن اس کے باوجود ابوبکرؓ نے اس کی جاں بخشی کر دی اور اسے کچھ نہ کہا۔

اگرچہ یہ واقعات پہلے بھی بیان ہوئے لیکن ان پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

قرۃ بن ہبیرہ

قرہ بن ہبیرہ بنو عامر سے تعلق رکھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عمرو بن عاص عمان سے مدینہ آتے ہوئے راستے میں اس کے پاس ٹھہرے تھے۔ اس وقت بنو عامر ارتداد کے لیے پر تول رہے تھے جب عمروؓ بن عاص نے وہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا تو قرہ نے علیحدگی میں ان سے مل کر کہا:

"عرب تمہیں تاوان (زکوۃ) دینے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ اگر تم ان کے اموال انہیں کے پاس رہنے دو اور ان پر زکوۃ عائد نہ کرو تو وہ تمہاری باتیں ماننے اور اطاعت قبول کرنے پر رضامند ہو جائیں گے۔ لیکن اگر تم نے انکار کیا تو پھر وہ ضرور تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص نے جواب دیا:

"اے قرہ! کیا تو کافر ہو گیا ہے اور ہمیں عربوں کا خوف دلاتا ہے؟"

جب قرہ اسیر ہو کر مدینہ آیا اور ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو اس نے کہا۔

"اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ! میں تو مسلمان ہوں اور میرے اسلام پر عمرو بن عاص گواہ ہیں۔ وہ مدینہ آتے ہوئے ہمارے قبیلے میں سے گزرے تھے۔ میں نے انہیں اپنے پاس ٹھہرایا تھا اور بڑی خاطر تواضع کی تھی۔"

ابوبکرؓ نے عمروؓ بن عاص کو بلایا اور ان سے قرہ کی باتوں کی تصدیق چاہی۔ عمرو بن عاص نے سارا واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔ جب وہ زکوۃ کی بات پر پہنچے تو قرہ کہنے لگا:

"عمرؓو بن عاص! اس بات کو جانے دو۔"

عمرؓو بن عاص نے کہا:

"کیوں؟ واللہ! میں تو سارا حال بیان کروں گا۔"

جب وہ بات ختم کر چکے تو ابوبکرؓ مسکرائے اور قرہ کی جان بخشی کر دی۔

علقمہ بن علاثہ

عفو و درگزر کی یہ پالیسی ابوبکرؓ کی جانب سے کمزوری کی آئینہ دار نہ تھی بلکہ اس سے صرف وہ جوش و خروش اس انداز سے سرد کرنا مقصود تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہو۔ لیکن جہاں معاملہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت تک پہنچتا تھا وہاں ابوبکرؓ کسی قسم کی نرمی ہرگز گوارا نہ کر سکتے تھے۔ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے چند مثالیں کافی ہوں گی۔

بنی کلب کے ایک شخص علقمہ بن علاثہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا لیکن آپ کی زندگی ہی میں مرتد ہو گیا اور شام چلا گیا۔ آپ کی وفات کے بعد وہ اپنے قبیلے میں واپس آیا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ ابوبکرؓ نے خبر پا کر قعقاع بن عمرو کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا لیکن مقابلے کی نوبت آنے سے پیشتر ہی علقمہ فرار ہو گیا۔ اس کی بیوی' بیٹیاں اور دوسرے ساتھی اسلام لے آئے اور اس کے ساتھ

جانے سے انکار کر دیا۔ بعد میں علقمہ بھی تائب ہو کر ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اس کی توبہ قبول کر لی اور جان بخشی کر دی کیونکہ اس نے نہ مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور نہ کسی مسلمان کو قتل کیا تھا۔

فجاۃ ایاس

لیکن اس کے مقابل انہوں نے فجاۃ ایاس بن عبد یالیل کے عذرات قبول نہ کئے اور نہ اس کی جان بخشی ہی کی۔ یہ شخص ابوبکرؓ کے پاس آیا اور ان سے عرض کی کہ آپ مجھے کچھ ہتھیار دیجئے، میں جس مرتد قبیلے سے آپ چاہیں گے، لڑنے کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے اسے ہتھیار دے کر ایک قبیلے سے لڑنے کا حکم دیا۔ لیکن فجاۃ نے وہ ہتھیار قبیلہ سلیم، عامر اور ہوازن کے مسلمانوں اور مرتدین دونوں کے خلاف استعمال کئے اور کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا اس پر ابوبکرؓ نے طریفہ بن حاجز کو ایک دستے کے ہمراہ فجاۃ کی جانب بھیجا۔ لڑائی میں فجاۃ گرفتار ہوا اور طریفہ اسے اپنے ہمراہ مدینہ لے آئے۔ ابوبکرؓ نے اسے جلا دینے کا حکم دیا۔ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر فجاۃ مسلمانوں کو قتل نہ کرتا تو اسے اتنی ہولناک سزا نہ دی جاتی جس پر بعد میں ابوبکرؓ کو افسوس بھی ہوا۔

ابو شجرہ

اس ضمن میں ابو شجرہ بن عبد العزیٰ کا واقعہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ واقعہ عیینہ، قرہ اور علقمہ کے واقعات سے بڑی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔ ابو شجرہ، مشہور شاعرہ خنسا کا بیٹا تھا جس نے اپنے بھائی صخر کی یاد میں بڑے دل دوز مرثیے کہے ہیں ابو شجرہ بھی اپنی والدہ کی طرح شاعر تھا۔ وہ مرتدین سے مل گیا اور ایسے شعر کہنے لگا جن میں اپنے ساتھیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جاتا تھا اور ان سے لڑنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔

چنانچہ منجملہ اور اشعار کے اس کا ایک شعر یہ بھی تھا:

فرویت رمحی من کتیبة خالد

والی لا رجو بعلها ان اعمرا

اس کے بعد انہوں نے اسے درے مارنے کا حکم دیا مگر وہ بھاگ کر اونٹنی پر سوار ہو کر اپنی قوم بنو سلیم میں آ گیا۔

ام زمل کا خروج

جب لوگوں میں یہ خبریں مشہور ہوئیں کہ ابوبکرؓ بالعموم ایسے لوگوں کے متعلق عفو درگزر سے کام لے رہے ہیں جو مرتد ہونے کے بعد اسلام لے آتے ہیں تو ان قبائل کا جوش و خروش ٹھنڈا ہو گیا جنہوں نے طلیحہ کی مدد کی تھی اور وہ بھی رفتہ رفتہ اسلام میں داخل ہو گئے لیکن غطفان، طئ، سلیم اور ہوازن کے بعض لوگ جنہیں نے بزاخہ میں خالدؓ کے ہاتھ شکست کھائی تھی۔ بھاگ کر ام زمل سلمیٰ بنت مالک کے پاس پہنچے اور وعدہ کیا کہ اس کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور جانیں قربان کر دیں گے لیکن پیچھے نہ ہٹیں گے لاریب یہ مفرورین اتنے آتش زیر پا تھے، کہ مسلمانوں کے خلاف ان کا جوش و خروش نہ ان کی عبرت ناک شکست ٹھنڈا کر سکی اور نہ ابوبکرؓ کا عفو درگزر ان پر کچھ اثر کر سکا اور وہ ایک بار پھر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جمع ہو گئے۔ اگر مسلمانوں سے ان کی نفرت اور ان کے خلاف سخت غیظ و غضب کا جذبہ ان کے دلوں میں موجزن نہ ہوتا تو طلیحہ کے بزدلانہ فرار اور اس کے کذب و افتراء کا حال ظاہر ہو جانے کے بعد وہ ضرور خالدؓ کی اطاعت قبول کر لیتے۔

ام زمل بھی مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھی تھی اور اس کے دل پر ایک ایسا چرکا لگا ہوا تھا جو مرور زمانہ کے باوجود مندمل نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے طبعی امر تھا کہ بزاخہ کا شکست خوردہ لشکر ام زمل کے پاس جمع ہوتا اور اپنے مقتولین کا انتقام لینے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتا۔

ام زمل ام قرفہ کی بیٹی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قتل کر دی گئی تھی۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ زید بن حارثہ بنی فزارہ کی جانب گئے۔ وادی القریٰ میں ان کا سامنا بنی فزارہ کے چند لوگوں سے ہوا۔ انہوں نے زید کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور خود انہیں گہرا زخم پہنچایا۔ وہ اسی حالت میں مدینہ پہنچے۔ ان کے زخم مندمل ہونے پر رسول اللہ ﷺ

نے انہیں ایک لشکر کے ہمراہ دوبارہ بنی فزارہ کی جانب روانہ فرمایا۔ اس مرتبہ زید کے لشکر کو کامیابی ہوئی۔ بنی فزارہ کے اکثر آدمی قتل یا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ان قیدیوں میں ام قرفہ فاطمہ بنت بدر بھی تھی۔ چونکہ اس نے اپنی قوم کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر انہیں مقابلے کے لئے تیار کیا تھا اس لئے اس جرم کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا اور اس کی بیٹی ام زمل کو لونڈی بنا لیا گیا۔ یہ عائشہؓ کے حصے میں آئی لیکن انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ کچھ عرصے تک تو یہ عائشہؓ ہی کے پاس رہی پھر اپنے قبیلے میں واپس چلی آئی۔ والدہ کے قتل نے اس کے دل میں انتقام کی آگ بڑھکا دی تھی۔ چنانچہ وہ اس انتظار میں رہی کہ موقع ملنے پر مسلمانوں سے اس قتل کا بدلہ لے۔ فتنہ ارتداد نے اس کے لئے یہ موقع جلد بہم پہنچا دیا اور وہ بزاخہ کے ہزیمت خوردہ لشکر کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے بالمقابل میدان میں نکل آئی۔

اس کی والدہ ام قرفہ اپنی قوم میں بڑی عزت اور شان کی مالک تھی۔ وہ عیینہ بن حصن کی چچی اور مالک بن حذیفہ کی بیوی تھی۔ اس کے بیٹوں کا شمار بھی بنی فزارہ کے معزز ترین افراد میں ہوتا تھا۔ اس کے پاس ایک جنگی اونٹ تھا جس پر سوار ہو کر وہ دوسرے قبائل سے لڑنے کے لئے اپنی قوم کے آگے چلا کرتی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد یہ اونٹ ام زمل کے حصے میں آیا۔

عزت و افتخار میں ام زمل بھی اپنی والدہ کی ہم پلہ تھی اور اس کا مرتبہ اپنی قوم میں وہی تھا جو اس کی والدہ کا تھا۔ جب ابوبکرؓ اور خالدؓ کے مقابلے میں شکست کھانے والے مفرورین ام زمل کے گرد جمع ہوئے تو اس نے ان کی ہمت بندھا کر انہیں ایک بار پھر خالدؓ کی فوج سے ٹکر لینے کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اور لوگ بھی اس کے گرد جمع ہوتے گئے اور ان کی قوت و طاقت میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ جب خالد کو اس کا پتا چلا تو وہ بزاخہ سے اس لشکر کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔

ام زمل کی شکست

دونوں فوجیں میدان جنگ میں آمنے سامنے ہوئیں اور لڑائی شروع ہو گئی ام زمل

اونٹ پر سوار اشتعال انگیز تقریروں سے برابر فوج کو جوش دلا رہی تھی۔ مرتدین بھی بڑی بہادری سے جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ ام زمل کے اونٹ کے گرد سو اونٹ اور تھے جن پر بڑے بڑے بہادر سوار تھے اور بڑی پامردی سے ام زمل کی حفاظت کر رہے تھے۔

مسلمان شہسواروں نے ام زمل کے پاس پہنچنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن اس کے محافظوں نے ہر بار انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ پورے سو آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد مسلمان ام زمل کے اونٹ سے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور ام زمل کو نیچے گرا کر قتل کر ڈالا۔ اس کے ساتھیوں نے جب اس کے اونٹ کو گرتے اور اسے قتل ہوتے دیکھا تو ان کی ہمت نے جواب دے دیا اور بدحواس ہو کر بے تحاشا میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ اس طرح اس فتنے کی آگ ٹھنڈی ہو گئی اور جزیرہ نمائے عرب کے شمالی مشرقی حصے میں ارتداد کا خاتمہ ہو گیا۔

جنوبی حصے کے مرتدین

ابوبکرؓ نے جس اولوالعزمی سے شمال مشرقی عرب کی بغاوتوں کو فرو کیا تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ باقی حصے اس سے عبرت حاصل کرتے اور اسلامی حکومت کی مخالفت سے باز آ جاتے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ابوبکرؓ کے بھیجے ہوئے لشکر انتہائی نامساعد حالات میں بھی دارالخلافہ سے سینکڑوں میل دور جانے اور دشمن کو زیر کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ انہیں خالدؓ بن ولید کی فتح یابی اور طلیحہ کے انجام کی بھی تمام خبریں معلوم ہو چکی تھیں۔ لیکن ان سب امور کے باوجود انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اصل میں یہ ان کا خیال تھا کہ اگر قریش کا ایک شخص نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل کر سکتا ہے تو دوسرے قبائل کے لوگ کیوں نہیں کر سکتے۔ لیکن ان قبائل اور مدعیان نبوت نے یہ حقیقت فراموش کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد اولیں اپنی قوم کو توحید کی طرف بلانا تھا' اپنے لئے اقتدار حاصل کرنا اور کسی صلے یا انعام کا مطالبہ کرنا نہ تھا۔ توحید کی تبلیغ کے نتیجے میں تیس سال تک آپ کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ مکہ والوں نے آپ سے دشمنی کا برتاؤ کرنے میں

کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کا بائیکاٹ کیا گیا' آپ کو قتل کرنے کے مشورے کئے گئے اور بالآخر آپ کو مکہ سے نکل کر مدینہ کی جانب ہجرت کرنی پڑی۔ وہاں بھی مکہ والوں نے آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور بار بار مدینہ پر فوج کشی کی۔ انتہائی جدوجہد کے بعد آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی بار آور ہوئیں اور عرب کثرت سے آپ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہونے لگے۔ لیکن مدعیان نبوت کی نظروں سے یہ تمام حقائق اوجھل ہو گئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ اگر محمد ﷺ اپنی قوم کی سخت مخالفت کے باوجود کامیاب ہو سکتے ہیں تو وہ کیوں نہیں ہو سکتے جب ان کی قوم پوری طرح ان کے ساتھ ہے مگر انہیں یہ یاد نہ رہا کہ محمد ﷺ لوگوں کو دین حق کی تبلیغ کرتے تھے اور ان مدعیان نبوت کا سارا کاروبار ہی کذب وافتراء کی بنیادوں پر قائم تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس حالت میں کیونکر کامیاب ہو سکتے تھے؟

شمالی حصے سے فراغت حاصل کرنے بعد ابوبکرؓ نے جنوبی حصے پر توجہ مبذول کی جہاں کے لوگ بہ دستور حالت ارتداد پر قائم تھے اور کسی طرح بھی اسلام قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان لوگوں سے عہدہ برآ ہونے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے ابوبکرؓ نے خالدؓ کو بزاخہ سے بطاح اور وہاں سے یمامہ جانے کا حکم دیا۔

(ابوبکر صدیق اکبر از محمد حسین ہیکل)

سجاح اور مالک بن نویرہ

بنو عامر اور ان کے مسکن

عرب کے جنوبی حصے میں بنی تمیم کے قبائل بنی عامر کے قریب ہی آباد تھے۔ یہ قبائل مدینہ سے جانب شرق خلیج فارس تک پھیلتے چلے گئے تھے اور شمال مشرق میں ان کی حدود دریائے فرات کے دہانے تک تھیں۔ بنو تمیم کو عہد جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں قبائل عرب کے درمیان خاص مقام حاصل تھا۔ یہاں کے لوگ شجاعت اور سخاوت میں مشہور تھے اور شاعری اور فصاحت و بلاغت میں بھی یہ دوسرے قبائل سے کسی طرح کم نہ

تھے۔ چنانچہ اب تک تاریخ اور ادب کی کتابیں میں اس قبیلے کی شاخوں: بنی حنظلہ، دام بنی مالک اور بنی یربوع کے کارناموں کا ذکر محفوظ چلا آتا ہے۔

ادائے زکوٰۃ سے انکار

چونکہ یہ قبائل دریائے فرات اور خلیج تک آباد تھے اس لئے ایرانیوں سے بھی ان کا تعلق تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر قبر پرست تھے اگرچہ ان میں سے بہت سے عیسائی بھی ہو گئے تھے۔ دوسرے قبائل کی طرح یہ بھی مسلمانوں کی بالادستی قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے محصلین کو ان قبائل سے جزیہ وصول کرنے ،غرض سے بھیجا تو سب سے پہلے بنو تمیم نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور بنو العنبر تو تلواریں اور نیزے لے کر محصل کا استقبال کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن کو ان کی طرف بھیجا جنہوں نے ان قبائل کو بہ زور مطیع کیا اور کئی لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے آئے۔ اس پر ان کا ایک وفد مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ ان لوگوں نے بہ آواز بلند اپنی شرافت، عزت اور حسب ونسب کا واسطہ دے کر اور جنگ حنین کے واقعات کا ذکر کر کے اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی آوازیں سن کر باہر تشریف لے آئے۔ انہوں نے کہا "ہم آپ سے فخر ومباہات میں مقابلہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔" لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا خطیب ان کے خطیب سے زیادہ فصیح وبلیغ مسلمانوں کا شاعر ان کے شاعر سے زیادہ سحر بیان اور مسلمانوں کی گفتگو ان کی گفتگو سے زیادہ شیریں ہے تو یہ لوگ اسلام لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیدی رہا کر دیئے اور یہ انہیں اپنے ہمراہ لے کر خوشی خوشی واپس چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے بنی تمیم کی مختلف شاخوں کے لئے مختلف امیر مقرر فرمائے تھے ان میں مالک بن نویرہ بھی تھا جو بنی یربوع کا سردار تھا۔ جب ان عمال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سنی تو ان میں اختلاف پیدا ہوا کہ آیا ابوبکرؓ کی خدمت میں

زکوۃ بھیجی جائے یا خاموشی اختیار کی جائے۔ اس اختلاف نے یہاں تک شدت اختیار کی کہ آپس ہی میں سخت لڑائی ہونے لگی۔ ایک فریق مدینہ کا تسلط قبول کرنے کو تیار تھا لیکن دوسرے فریق کو اس سے انکار تھا اور وہ ابوبکرؓ کو زکوۃ بھیجنے پر آمادہ نہ تھا۔ مالک بن نویرہ موخرالذکر فریق سے تعلق رکھتا تھا۔

تمیم میں سجاح کا ورود

ابھی ان عمال میں یہ اختلاف برپا ہی تھا کہ سجاح بنت حارث عراق کے علاقے الجزیرہ سے اپنے قبیلے تغلب کے ہمراہ وہاں پہنچی۔ تغلب کے علاوہ اسکے ساتھ ربیعہ، نمع، ایاد اور شیبان کے لوگوں پر مشتمل ایک لشکر بھی تھا۔ سجاح اصل میں بنی تمیم کی شاخ بنو یربوع سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن ان کی ننھیال عراق کے قبیلہ تغلب میں تھی۔ اس کی شادی بھی بنو تغلب ہی میں ہوئی تھی اور یہ وہیں رہتی تھی۔ یہ بڑی ذکی اور فہیم عورت تھی اور اسے کہانت کا دعویٰ بھی تھا۔ لوگوں کی قیادت اور رہبری کا فن اسے خوب آتا تھا۔ جب اسے رسول اللہ ﷺ کی خبر وفات ملی تو اس نے نواحی قبائل کا دورہ کیا اور انہیں مدینہ پر حملہ بولنے کے لئے آمادہ کرنے لگی۔

سجاح کے آنے کی غرض

بعض مورخین کہتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ درست کہتے ہیں کہ سجاح کسی ذاتی لالچ اور کہانت کا کاروبار وسیع کرنے کے لئے شمالی عراق سے سرزمین عرب میں وارد نہ ہوئی تھی بلکہ اصل میں وہ عراق کے ایرانی عمال کی انگیخت پر یہاں آئی تھی تاکہ فتنہ وفساد پھیلا سکے اور اس شورش سے فائدہ اٹھا کر اہل ایران اپنے روبہ انحطاط اقتدار کو سنبھالا دے سکیں جو یمن میں دربار ایران کے مقرر کردہ ایک عامل "باذان" کے اسلام لانے کے بعد سے گرنا شروع ہو گیا تھا۔

مذکورہ بالا مورخین اپنی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سجاح واحد عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس جیسی ہوشیار اور ذکی و فہیم عورتیں ہی اکثر اوقات جاسوسی

اور لوگوں کو ورغلانے اور پھسلانے کے کام پر مامور کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ یہ عرب میں اس وقت تک ٹھہری رہی جب تک اس کی کوششوں سے فتنہ و فساد اور بغاوت کی آگ پورے زور سے نہ بھڑک اٹھی۔ جب اس کا مقصد پورا ہو گیا تو یہ عراق واپس چلی آئی اور بقیہ عمر سکون و اطمینان سے بسر کی۔

ایرانیوں کی سرشکست کو دیکھتے ہوئے کوئی تعجب نہیں کہ انہوں نے اسے بلادِ عرب میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے لئے آلہ کار بنایا ہو اور یہ خیال کیا ہو بجائے اس کے کہ عرب پر چڑھائی کرنے کے لئے ایرانی فوج روانہ کی جائے' اس ہوشیار عورت کے ذریعے سے خود عربوں کو ایک دوسرے سے بھڑا کر ان کی طاقت ختم کر دی جائے تاکہ کسی محنت و مشقت کے بغیر جزیرہ نما پر دوبارہ تسلط بٹھا سکیں۔

بنی تمیم کا طرزِ عمل

سجاح ان عوامل سے متاثر ہو کر جزیرہ عرب میں داخل ہوئی۔ یہ طبعی امر تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنی قوم بنو تمیم میں پہنچی۔ بنی تمیم کا اس وقت جو حال تھا۔ وہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ایک گروہ زکوٰۃ ادا کرنے اور خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے پر آمادہ تھا لیکن دوسرا فریق اس کی سخت مخالفت کر رہا تھا ایک تیسرا فریق تھا جس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے' اور کیا نہ کرے۔

اس اختلاف نے اتنی شدت اختیار کی کہ بنو تمیم نے آپس ہی میں لڑنا اور جدال و قتال کرنا شروع کر دیا۔ اسی اثناء میں ان قبائل نے سجاح کے آنے کی خبر سنی اور انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سجاح مدینہ پہنچ کر ابوبکر﷜ کی فوجوں سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے پھر تو اس اختلاف نے مزید وسعت اختیار کر لی۔

سجاح اس ارادے سے بڑھی چلی آ رہی تھی کہ وہ اپنے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ اچانک بنو تمیم میں پہنچ جائے گی اور اپنی نبوت کا اعلان کر کے انہیں اپنے آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی۔ سارا قبیلہ بالاتفاق اس کے ساتھ ہو جائے گا اور عیینہ کی طرح بنو تمیم بھی اس

کے متعلق یہ کہنا شروع کر دیں گے کہ بنو یربوع کی نبیہ قریش کے نبی سے بہتر ہے کیونکہ محمد ﷺ وفات پا گئے اور سجاح زندہ ہے۔اس کے بعد وہ بنو تمیم کو ہمراہ لے کر مدینہ کی طرف کوچ کرے گی اور ابو بکرؓ کے لشکر سے مقابلے کے بعد فتح یاب ہو کر مدینہ پر قابض ہو جائے گی۔

سجاح اور مالک بن نویرہ

سجاح اپنے لشکر کے ہمراہ بنو یربوع کی حدود پر پہنچ کر ٹھہر گئی اور قبیلے کے سردار مالک بن نویرہ کو بلا کر مصالحت کرنے اور مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی...... مالک نے صلح کی دعوت تو قبول کر لی لیکن اسے مدینہ پر چڑھائی کے ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ مدینہ پہنچ کر ابو بکرؓ کی فوجوں کا مقابلہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنے قبیلے کے مخالف عنصر کا صفایا کر دیا جائے۔سجاح کو بھی یہ بات پسند آئی اور اس نے کہا:

"جو تمہاری مرضی۔میں تو بنی یربوع کی ایک عورت ہوں جو تم کہو گے وہی کروں گی۔"

مالک بن نویرہ کے اوصاف

سجاح اپنے ارادے سے فوراً کس طرح باز آ گئی اور مالک کی رائے کو بے پس و پیش کیونکر قبول کر لیا؟ تاریخ کے مطالعے سے ہمیں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو سجاح کی رائے کی اس فوری تبدیلی کے راز سے پردہ اٹھا سکے۔البتہ روایات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مالک اپنے قبیلے کا نہایت معزز اور صاحب اثر شخص تھا۔اعلیٰ درجے کا شہسوار اور بلند پایہ شاعر تھا۔تکبر اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔اس کی زلفیں لمبی لمبی اور خوبصورت تھیں شیریں مقال' نہایت خوش کھ اور آداب مجالس سے پوری طرح واقف تھا۔اس کا بھائی متمم بن نویرہ اگرچہ شعر گوئی میں اس کے ہم پلہ تھا لیکن صورت کے لحاظ سے دونوں بھائیوں میں بعد المشرقین تھا۔جہاں مالک انتہائی خوش شکل تھا اور وجیہہ تھا۔وہاں متمم بن نویرہ انتہائی بدصورت اور کانا تھا۔ایک مرتبہ عرب کے ایک قبیلے نے چھاپہ مار کر متمم بن نویرہ کو گرفتار کر لیا اور اپنے قبیلے میں لے جا کر اسے رسیوں سے جکڑ دیا۔جب مالک کو یہ خبر ملی تو وہ اونٹنی پر سوار ہو کر اس قبیلے میں جا پہنچا اور لوگوں میں گھل مل کر باتیں کرنے لگا۔اس نے اس خوبی

سے ان کے دل لبھائے کہ انہوں نے متمم کو فدیہ کے بغیر رہا کر دیا۔ زمانہ جاہلیت میں بنو تغلب نے بھی متمم کو قید کر لیا تھا۔ مالک اس کا فدیہ ادا کرنے کے لئے وہاں پہنچا۔ وہ لوگ اس کے حسن و جمال سے بے حد متحیر ہوئے۔ وہاں بھی مالک اپنی خوش گفتاری اور شیریں زبانی سے ان کے دل لبھانے میں کامیاب ہو گیا۔ انہوں نے متمم کا فدیہ لینے سے انکار کر دیا اور اسے فوراً چھوڑ دیا چنانچہ وہ رہا ہو کر اپنے قبیلے میں آ گیا۔ اسی طرح بہت ممکن ہے کہ سجاح بھی مالک کی خوش گفتاری اور مردانہ خوبصورتی سے متاثر ہو گئی ہو اور اس کے کہنے سے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ فسخ کر دیا ہو۔

سجاح نے مالک کے علاوہ بنو تمیم کے دوسرے سرداروں کو بھی مصالحت کی دعوت دی۔ لیکن وکیع کے سوا کسی نے یہ دعوت قبول نہ کی اس پر سجاح نے مالک، وکیع اور اپنے لشکر کے ہمراہ دوسرے سرداروں پر دھاوا بول دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں جانبین کے کثیر التعداد آدمی قتل ہوئے اور ایک ہی قبیلے کے لوگوں نے ایک دوسرے کو گرفتار کر لیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد مالک اور وکیع نے یہ محسوس کیا کہ انہوں نے اس عورت کی اتباع کر کے سخت غلطی کی ہے۔ اس پر انہوں نے دوسرے سرداروں سے مصالحت کر لی اور ایک دوسرے کے قیدی واپس کر دیئے۔ اس طرح قبیلہ تمیم میں امن قائم ہو گیا۔

سجاح کی شکست

اب یہاں سجاح کی دال گلنی مشکل تھی۔ اس نے بنو تمیم سے بوریا بستر اٹھایا اور مدینہ کی جانب کوچ کر دیا۔ نباج کی بستی پر پہنچ کر اوس بن خزیمہ سے اس کی مٹھ بھیڑ ہوئی جس میں سجاح نے شکست کھائی اور اوس بن خزیمہ نے اس شرط پر اسے واپس جانے دیا کہ اس امر کا پختہ اقرار کرے کہ وہ کبھی مدینہ کی جانب پیش قدمی نہ کرے گی۔

اس واقعے کے بعد اہل جزیرہ کی فوج کے سردار ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے سجاح سے کہا۔

''اب آپ ہمیں کیا حکم دیتی ہیں؟ مالک اور وکیع نے اپنی قوم سے صلح کر لی

ہے وہ نہ تو ہمیں مدد دینے کے لئے تیار ہیں اور نہ اس بات پر رضامند کہ ہم ان کی سرزمین سے گزر سکیں۔ ان لوگوں سے بھی ہم نے یہ معاہدہ کیا ہے اور مدینہ جانے کے لئے ہماری راہ مسدود ہو گئی ہے۔ اب بتایئے ہم کیا کریں۔"

سجاح نے جواب دیا:

"اگر مدینہ جانے کی راہ مسدود ہو گئی ہے تو بھی فکر کی کوئی بات نہیں' تم یمامہ چلو۔"

انہوں نے کہا:

"اہل یمامہ شان وشوکت میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں اور مسیلمہ کی طاقت و قوت بہت زیادہ ہو چکی ہے۔"

ایک روایت یہ بھی آتی ہے کہ جب اس کے لشکر کے سرداروں نے سجاح سے آئندہ اقدام کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا:

علیکم بالیمامہ' ودفوا دفیف الحمامہ' فانھا غزوہ صرامہ' لا یلحقکم بعدھاند امہ.

("یمامہ چلو۔ کبوتر کی طرح تیزی سے ان پر جھپٹو۔ وہاں ایک زبردست جنگ پیش آئے گی جس کے بعد تمہیں پھر کبھی ندامت نہ اٹھانی پڑے گی۔")

یہ مسجع ومقفی عبارت سننے کے بعد' جسے اس کے لشکر والے وحی خیال کرتے تھے' انہیں اس کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس نے کس مقصد کے لئے یمامہ کا قصد کیا جب خود اسے اپنی قوم بنو تمیم میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کے بعد مدینہ کی جانب کوچ کرتے ہوئے اوبن خزیمہ کے ہاتھوں اسے شکست اٹھانی پڑی تھی۔ کیا اس کے لشکر میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان ناکامیوں کو دیکھنے کے بعد اسے یمامہ نہ جانے کا مشورہ دیتا؟" یا یہ خیال کیا جائے کہ اس کی وفات پر ان لوگوں کو اس درجہ یقین تھا کہ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اس کی باتوں کو وحی خیال کرتے اور نہایت فرماں برداری سے اس کی اطاعت اور اس کے احکام کی تعمیل میں کوئی دقیقہ سعی فروگذاشت نہ کرتے تھے؟

سجاح اور مسیلمہ کی شادی

سچ تو یہ ہے کہ سجاح کا سارا قصہ ہی عجائب وغرائب کا مجموعہ ہے۔ مورخین ذکر کرتے ہیں کہ جب وہ اپنے لشکر کے ہمراہ یمامہ پہنچی تو مسیلمہ کو بڑا فکر پیدا ہوا۔ اس نے سوچا اگر وہ سجاح کی فوجوں سے جنگ میں مشغول ہو گیا تو اس کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ اسلامی لشکر اس پر دھاوا بول دے گا اور ارد گرد کے قبائل بھی اس کی اطاعت کا دم بھرنے سے انکار کر دیں گے۔ یہ سوچ کر اس نے سجاح سے مصالحت کرنے کی ٹھانی۔ پہلے اسے تحفے تحائف بھیجے پھر کہلا بھیجا کہ وہ خود اس سے ملنا چاہتا ہے۔ سجاح اپنا لشکر لئے پانی کے ایک چشمے پر مقیم تھی' اس نے مسیلمہ کو باریابی کی اجازت دے دی۔ یہ مسیلمہ بنی حنفیہ کے چالیس آدمیوں کے ہمراہ اس کے پاس آیا۔ کیمپ میں پہنچ کر خلوت میں اس سے تملق آمیز گفتگو کی اور کہا کہ عرب کی آدھی زمین کے مالک قریش ہیں اور آدھی زمین کے مالک تم ہو۔ اس کے بعد مسیلمہ نے کچھ مسجع ومقفیٰ عبارتیں سجاح کو سنائیں۔ جن سے وہ بہت متاثر ہوئی۔ سجاح نے بھی جواب میں اسے اسی قسم کی بعض عبارتیں سنائیں یہ ملاقات خاصی دیر تک جاری رہی۔ مسیلمہ نے اپنی خوش کلامی اور چال بازی سے سجاح کا دل موہ لیا اور سجاح کو اقرار کرتے ہی بن پڑی کہ مسیلمہ اس سے ہر طرح فائق ہے۔

سجاح کو پوری طرح اپنے قبضے میں لینے اور ہم نوا بنانے کے لئے مسیلمہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں اپنی نبوتوں کو یک جا کر لیں اور باہم رشتہ ازواج میں منسلک ہو جائیں۔ سجاح نے جو پہلے ہی اس کی خوش کلامی اور محبت آمیز باتوں سے مسحور ہو چکی تھی' نہایت خوشی سے یہ مشورہ قبول کر لیا اور مسیلمہ کے ساتھ اس کے کیمپ میں چلی گئی۔ تین روز تک وہاں رہی' اس کے بعد اپنے لشکر میں واپس آئی اور ساتھیوں سے ذکر کیا کہ اس نے مسیلمہ کو حق پر پایا ہے اس لئے اس سے شادی کر لی ہے۔

[سجا]ح کا مہر

لوگوں نے اس سے پوچھا ''آپ نے کچھ مہر بھی مقرر کیا؟'' اس نے کہا ''مہر تو

مقرر نہیں کیا۔" انہوں نے مشورہ دیا۔ "آپ واپس جایئے اور مہر مقرر کرآیئے کیونکہ آپ جیسی شخصیت کے لئے مہر لئے بغیر شادی کرنا زیبا نہیں" چنانچہ وہ مسیلمہ کے پاس واپس گئی اور اسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا۔ مسیلمہ نے اس کی خاطر عشاء اور فجر کی نمازوں میں تخفیف کردی۔ مہر کے بارے میں یہ تصفیہ ہوا کہ مسیلمہ یمامہ کی زمینوں کے لگان کی نصف آمدنی سجاح کو بھیجا کرے گا۔ سجاح نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ آئندہ سال کی نصف آمدنی میں سے اس کا حصہ پہلے ہی ادا کردے۔ اس پر مسیلمہ نے نصف سال کی آمدنی کا حصہ اسے دے دیا جسے لے کر وہ جزیرہ واپس چلی گئی۔ بقیہ نصف سال کی آمدنی کے حصول کے لئے اس نے اپنے کچھ آدمیوں کو بنو حنفیہ ہی میں چھوڑ دیا۔ وہ ابھی وہیں مقیم تھے کہ اسلامی لشکر آ پہنچا اور مسیلمہ سے جنگ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ سجاح بدستور بنو تغلب میں مقیم رہی یہاں تک کہ امیر معاویہ نے 'قحط والے سال' (عام الجا) اسے اس کی قوم کے ساتھ بنو تمیم میں بھیج دیا جہاں وہ وفات تک مسلمان ہونے کی حالت میں مقیم رہی۔

یہ ہے سجاح کا قصہ اور...... جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں...... بہت ہی عجیب قصہ ہے وہ جزیرہ سے ابوبکرؓ کے مقابلے کو روانہ ہوتی ہے لیکن مالک بن نویرہ سے بات چیت کے بعد اس کی رائے بدل جاتی ہے اور وہ مدینہ پر ہلہ بولنے کے بجائے یمامہ کا رخ کرتی ہے۔ وہاں مسیلمہ سے اس کی ملاقات ہوتی ہے اور ان دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ شادی کے فوراً بعد وہ اپنے قبیلے میں لوٹ آتی ہے اور بقیہ ساری عمر اس طرح بسر کرتی ہے جیسے کبھی وہ اپنے قبیلے سے باہر نکلی ہی نہ تھی اور اپنے خاوند کے سوا کسی سے شادی کی ہی نہ تھی۔

مسیلمہ کا معاملہ بھی سجاح کے معاملے سے کم تر نہیں۔ اگر سجاح سے اس کی شادی کا قصہ درست ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسیلمہ اول درجے کا سیاست دان اور لوگوں کے دلی جذبات بھانپ لینے والا شخص تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ اس طرح سجاح سے چھٹکارا حاصل کرے تاکہ ابوبکرؓ کی بھیجی ہوئی افواج کا مقابلہ دلجمعی سے کیا جاسکے۔ اس نے سجاح کو میٹھی میٹھی اور چکنی چپڑی باتوں سے رام کرلیا اور چال بازی سے کام لے کر اسے اسکے قبیلے میں واپس بھیج دیا۔ مالک بن نویرہ اور مسیلمہ کے ساتھ سجاح کے تعلقات جس قسم کے

رہے' ان پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ سجاح ایک ہوشیار کاہنہ' مسجع مقفی عبارتیں بنانے میں ماہر' بہت نرم طبیعت اور نسوانی خصوصیات کی پوری طرح حامل تھی۔ ادھر مسیلمہ بھی ایک ہوشیار سیاست دان تھا۔ وہ خوبصورت نہ تھا لیکن میٹھی میٹھی باتوں سے لوگوں کے دل موہ لیتا تھا۔ عورتوں سے اسے بہت کم رغبت تھی اور عورت کا حسن و جمال اس پر مطلق اثر نہ کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنی شریعت میں یہ بات رکھ دی تھی کہ جس شخص کے بیٹا پیدا ہو' اس کے لئے اس وقت تک اپنی بیوی کے پاس جانا ناجائز ہے جب تک وہ بیٹا زندہ ہے۔ اگر بیٹا مر جائے تو دوسرے بیٹے کے حصول کے لئے بیوی کے پاس جا سکتا ہے لیکن جس کا بیٹا موجود ہو اس کے لئے عورتیں حرام ہیں۔

مالک کی پریشانی

جس زمانے میں مسیلمہ اور سجاح کے درمیان مندرجہ بالا واقعات ظہور پذیر ہو رہے تھے' خالد بزاخہ میں مرتدین کو شکست دے کر اسلامی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے میں مصروف تھے۔ ام زمل سے جنگ اور اس کے قتل کا واقعہ پیش آ چکا تھا۔ بطاح میں مالک بن نویرہ تک یہ تمام خبریں پہنچ چکی تھیں' جنہیں سن کر اس کا دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو چکی تھی۔ اس نے زکوٰۃ کی ادائیگی بند کر رکھی تھی اور سجاح سے مل کر بنو تمیم کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے باعث خالدؓ کی نظروں میں مجرم قرار پا چکا تھا۔ اس کے لشکر کی حالت یہ تھی کہ سجاح کے لشکر کی مدد کے باوجود مقابل قبائل کے ہاتھوں اسے شکست ہو چکی تھی۔ وکیع' جو اس کا دست راست شمار ہوتا تھا' اس کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں سے مل گیا تھا اور زکوٰۃ ادا کر دی تھی۔ ان حالات کی موجودگی میں مالک سخت پریشان تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ آیا مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دے اور پہلے کی طرح ابوبکرؓ کو زکوٰۃ دینے کا اقرار کرے یا اپنے ارادے پر قائم رہ کر انتظار کرے کہ آئندہ واقعات کیا رخ اختیار کرتے ہیں؟

خالد رضی اللہ عنہ کا کوچ

خالدؓ اسد غطفان اور اس علاقے میں بسنے والے دیگر قبائل کی سرکوبی سے فارغ

ہو چکے تھے اور ان تمام قبائل نے اسلام قبول کرنا اور مدینہ کی حکومت کو تسلیم کرنا منظور کر لیا تھا۔ چونکہ اب ان قبائل کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا اس لئے انہوں نے بطاح جا کر مالک بن نویرہ اور دوسرے قبائل سے' جو ابھی تک تردد و تذبذب کی حالت میں تھے' لڑنے کا ارادہ کیا۔ جب انصار کو آپ کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے کچھ تردد کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''خلیفۃ المسلمین نے ہمیں بنی تمیم کی طرف جانے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے ہمیں یہ ہدایت کی تھی کہ جب ہم طلیحہ کی سرکوبی سے فارغ ہو جائیں اور اس علاقے کے لوگوں کو اپنا مطیع کر لیں تو دوسرا حکم آنے تک یہیں مقیم رہیں۔''

لیکن خالدؓ نے ان کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

''تم سے ابوبکرؓ نے خواہ کچھ ہی عہد لیا ہو لیکن مجھے پیش قدمی جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ میں تمہارا امیر ہوں اور تمام خبریں مجھ تک پہنچتی ہیں۔ اگر دربار خلافت سے میرے پاس کوئی حکم نہ بھی پہنچے لیکن میں دیکھوں کہ دشمن پر قابو پانے کے بعض مواقع مجھے فراہم ہیں تو میں ان سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔ اسی طرح اگر میں دیکھوں کہ ہمیں مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو گو ان سے نپٹنے کے لئے خلیفۃ المسلمین کی جانب سے کوئی ہدایت میرے پاس نہ بھی ہو پھر بھی میں جو قدم مناسب سمجھوں گا' اٹھاؤں گا۔ مالک بن نویرہ کی شرارتیں روز بروز زیادہ ہوتی جا رہی ہیں۔ اس لئے میں اس کے مقابلے کو ضرور جاؤں گا۔ میں تمہیں ساتھ لے جانے پر اصرار نہیں کرتا۔ اگر تم جانا نہیں چاہتے تو نہ جاؤ' میں مہاجرین اور تابعین کو ساتھ لے جاؤں گا۔'' چنانچہ انہوں نے انصار کو بزاخہ ہی چھوڑا اور خود بطاح کی جانب روانہ ہو گئے۔

بعد میں انصار نے باہم مشورہ کیا اور طے پایا کہ ان کے پیچھے رہنا مناسب نہیں انہیں بھی اپنے ساتھیوں سے مل جانا چاہئے کیونکہ اگر خالدؓ نے مالک بن نویرہ پر قابو پا لیا تو وہ اس فتح کے فوائد سے محروم رہ جائیں گے' اور اگر خدانخواستہ خالدؓ کے لشکر پر کوئی مصیبت پڑی تو لوگ یہ کہہ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے کہ انہوں نے ایسے نازک موقع پر اپنے بھائیوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک قاصد کے ہاتھ خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ وہ

بھی آ رہے ہیں اس لئے اپنا کوچ ملتوی کر دیں۔ چنانچہ خالد انصار کے انتظار میں تھوڑی دیر ٹھہر گئے۔

مالک کا اپنی قوم کو مشورہ

جب خالدؓ لشکر کے ہمراہ بطاح پہنچے تو انہوں نے میدان خالی پایا کیونکہ مالک بن نویرہ نے اپنی قوم کو گردونواح میں منتشر کر دیا اور کہا تھا۔

''اے بنو یربوع! ہم نے اپنے امراء کا کہنا نہ مانا جنہوں نے ہمیں ابوبکرؓ کی اطاعت کا مشورہ دیا تھا لیکن میں دیکھتا ہوں' ہماری حالت ایسی نہیں کہ ہم مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں اس لئے میں تمہیں صلاح دیتا ہوں کہ تم دوبارہ اسلام قبول کر لو اور منتشر ہو جاؤ تا کہ کسی کو یہ شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے کہ تم مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہو۔''

اپنی قوم کو منتشر کرنے کے بعد وہ خود بھی روپوش ہو گیا۔

بطاح پہنچ کر جب خالدؓ نے میدان خالی پایا تو انہوں نے اپنے لشکر کو مختلف دستوں میں منقسم کر کے اردگرد کے علاقے میں روانہ کر دیا' اور حکم دے دیا کہ اگر مالک کے قبیلے کا کوئی شخص کہیں مل جائے تو پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکاری ہو تو اسے ان کے سامنے حاضر کیا جائے' اور جو شخص آنے سے انکار کرے' اسے فی الفور قتل کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں ابوبکرؓ کی ہدایت اپنے امراء کو یہ تھی کہ جب مسلمان کسی جگہ پڑاؤ ڈالیں تو اذان دیں۔ اگر اس کے جواب میں قریبی بستیوں سے اذان کی آواز آئے تو انہیں چھوڑ دیں لیکن اگر نہ آئے تو ان کا مقابلہ کریں۔ بعد میں بھی اگر وہ اسلام کا اقرار کریں تو انہیں چھوڑ دیں اور ان سے زکوٰۃ کے متعلق دریافت کریں۔ اگر وہ زکوٰۃ کا اقرار کریں فبہا، ورنہ انہیں قتل کر دیں۔

مالک بن نویرہ کی گرفتاری

خالدؓ بن ولید نے جو دستے نواحی علاقوں میں بھیجے تھے' ان میں سے ایک دستہ

مالک بن نویرہ کو بنویربوع کے چند آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے لے آیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ابوبکرؓ کی ہدایت کے مطابق اگر مالک اور اس کے ساتھی اسلام کا اقرار کر لیتے تو خالد انہیں چھوڑ دیتے لیکن ہوا یہ کہ انہوں نے مالک کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

مالک کے قتل نے مدینہ میں سخت ہیجان برپا کر دیا اور جو جوش و خروش اس موقع پر برپا ہوا وہ ایک عرصے تک ٹھنڈا نہ ہو سکا۔ عمرؓ کی خلافت کے دوران میں عمرؓ اور خالدؓ کے درمیان جو معاملات پیش آئے' ان میں مالک بن نویرہ کے قتل کو بھی بہت دخل تھا۔

قتل مالک پر مختلف روائتیں

مالک بن نویرہ کے قتل کے متعلق روایات میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ خود ان لوگوں میں' جو مالک اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے لائے تھے' باہم اختلاف تھا کہ مالک اور اس کے ساتھیوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تھا اور اذان کی آواز کا جواب دیا تھا یا نہیں؟ طبری میں ابوقتادہ انصاری (جو خود بھی مالک کو گرفتار کرنے والوں میں شامل تھے) کی زبانی یہ روایت ہے'' ''ہم نے رات کے وقت ان لوگوں پر چھاپا مارا تو انہوں نے ہتھیار اٹھا لیئے۔ ہم نے کہا'' ہم مسلمان ہیں' انہوں نے جواب دیا'' ہم بھی مسلمان ہیں' ہم نے پوچھا'' اگر تم مسلمان ہو تو ہتھیار کیوں اٹھائے ہوئے ہو؟'' انہوں نے کہا یہ ہتھیار تمہارے مقابلے کے لئے نہیں۔ ہم نے کہا'' اگر تم واقعی مسلمان ہو تو ہتھیار رکھ دو۔ چنانچہ انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے اس کے بعد ہم نے نماز پڑھی اور انہوں نے بھی ہمارے ساتھ نماز ادا کی۔''

یہاں تک تو سب لوگ متفق تھے۔ اختلاف آگے چل کر شروع ہوا ابوقتادہ کہتے تھے کہ ان لوگوں نے ادائے زکوٰۃ کا اقرار بھی کر لیا تھا لیکن دوسرے لوگ کہتے تھے'' نہیں' انہوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار نہیں کیا اور زکوٰۃ نہ دینے پر اصرار کیا۔ گواہوں کے درمیان اختلاف کی موجودگی میں خالدؓ کے لئے کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق انہوں نے فی الحال مالک اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ رات سخت ٹھنڈی تھی اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا خنکی بڑھتی جاتی تھی۔ خالدؓ نے قیدیوں پر ترس کھاتے ہوئے یہ اعلان کرا دیا۔ '' دافئو اسراکم '' (اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ)

لیکن کنانہ کی زبان میں مدافاة کا لفظ قتل کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ جن لوگوں کی تحویل میں یہ قیدی تھے' وہ کنانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جب انہوں نے منادی کرنے والوں کی آواز سنی تو خیال کیا کہ خالدؓ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تلواروں سے ان کا کام تمام کر دیا۔

جب خالدؓ نے چیخ و پکار سنی تو وہ اپنے خیمے سے باہر آئے لیکن اس وقت تک تمام قیدیوں کا کام تمام ہو چکا تھا۔ انہوں نے واقعہ سن کر فرمایا:

''جب اللہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ ہو کر رہتا ہے۔''

لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ خالدؓ نے مالک کو اپنے پاس بلا کر باتیں کرنی شروع کیں تاکہ معلوم کریں کہ دونوں گواہیوں میں سے کون سی درست ہے' اس کے اسلام لانے کی یا ارتداد اور ادائے زکوٰۃ سے انکار کرنے کی۔ جب ادائے زکوٰۃ کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی تو مالک نے کہا:

''میرا تو خیال نہیں کہ تمہارے صاحب نے تمہیں ایسا حکم دیا ہوگا۔''

خالدؓ کو یقین ہو گیا کہ وہ ادائے زکوٰۃ سے انکاری ہے۔ انہوں نے جھنجھلا کر کہا:

''کیا تو انہیں اپنا صاحب خیال نہیں کرتا؟''

یہ کہہ کر انہوں نے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی گردنیں مارنے کا حکم دے دیا۔

ابوالفرج اپنی کتاب ''الاغانی'' میں اس گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابن سلام کی روایت ہے' خالد کو غلطی پر سمجھنے والے کہتے ہیں کہ گفتگو کے دوران میں مالک نے خالدؓ سے کہا:

''کیا تمہارے صاحب (رسول اللہ ﷺ) نے تمہیں اسی بات کا حکم دیا ہے؟''

اصل میں اس کی مراد یہ نہ تھی کہ وہ ادائے زکوٰۃ کا منکر ہے بلکہ یہ تھی' کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ جو لوگ ادائے زکوٰۃ کے منکر ہوں ان پر چڑھائی کر دو؟ لیکن جو لوگ اس معاملے میں خالدؓ کو بے قصور سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس نے واقعی اسلام سے انکار کیا تھا اور دلیل میں مالک کے یہ اشعار پیش کرتے ہیں:

وقلت خذوا اموالکم غیر خائف

ولا ناظر فیما یجیء من الغد

فان قام بالامر المخوف قائم

منعنا وقلنا: الدین دین محمد

(میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے اموال کو بے دھڑک قبضے میں رکھو اور نہ دیکھو کہ کل کیا وقوع میں آتا ہے۔ پھر اگر خوفناک امر (اسلامی حکومت) کو کوئی قائم کرے تو ہم اس کی مخالفت کریں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ دین وہی ہے جو محمد ﷺ لائے تھے۔)

یعنی اس نے اپنی قوم کو ہدایت کی تھی کہ وہ کسی صورت بھی زکوٰۃ ادا نہ کرے اور ادائے زکوٰۃ پر اصرار کیا جائے تو یہ کہہ دیا جائے کہ ہم تو محمد ﷺ پر ایمان لائے ہیں' ابوبکرؓ کے دین پر نہیں۔"

ابن خلکان یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جب خالدؓ نے مالک کو گفتگو کے لئے بلایا تو اس نے کہا:

"میں نماز پڑھنے کا اقرار کرتا ہوں لیکن زکوٰۃ دینے سے انکاری ہوں۔"

خالدؓ نے فرمایا۔

"کیا تجھے معلوم نہیں کہ نماز اور زکوٰۃ ایک ساتھ قبول ہوتی ہیں۔ نماز کے بغیر زکوٰۃ اور زکوٰۃ کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی؟"

مالک نے کہا:

"کیا آپ کے صاحب بھی یہی کہتے تھے۔"

خالدؓ نے جواب دیا:

"کیا تو انہیں اپنا صاحب خیال نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم! میں نے تیری گردن اڑانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔"

اس کے بعد بحث طول پکڑ گئی اور گفتگو میں تیزی آتی گئی۔ آخر خالدؓ نے کہا:

"میں تو تجھے قتل کر کے رہوں گا۔"

اس نے کہا:

کیا تمہارے صاحب نے تمہیں یہ حکم دیا تھا"

خالدؓ نے کہا:

"اب تو میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔"

یہ کہہ کر آپ نے اپنے آدمیوں کو اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔

بعض لوگ مؤخر الذکر روایت کو پہلی روایت پر ترجیح دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ روایت ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قصہ قرہ بن ہبیرہ فجاءۃ السلمی' ابو شجرہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی پیش آچکا تھا لیکن خالدؓ بن ولید نے مالک بن نویرہ کی طرح انہیں قتل نہ کیا بلکہ ابو بکرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا کہ وہ ان سے جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔ مالک بن نویرہ کا جرم ان لوگوں سے کسی طرح بھی بڑھ کر نہ تھا پھر انہوں نے اسے کیوں قتل کرا دیا اور خلیفۃ المسلمین کے پاس کیوں نہ بھیجا؟ حالانکہ بنو تمیم میں اسے جو درجہ اور رسوخ حاصل تھا وہ ان لوگوں سے کسی طرح بھی کم نہ تھا اور خالدؓ اس سے خوب واقف تھے۔

ان لوگوں کی رائے میں اس روایت کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ خالدؓ نے مالک کی بیوی سے عین اس وقت شادی کر لی تھی جب مالک کا خون بھی زمین میں جذب نہ ہوا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں یہ شادی ہی مالک کے قتل کا اصل سبب تھی۔

شیعہ مورخ یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

"مالک بن نویرہ' خالدؓ سے بات چیت کرنے ان کے خیمے میں آیا تو اس کی بیوی بھی ساتھ ہی آئی۔ اس کی خوبصورتی نے خالدؓ کو بہت متاثر کیا اور انہوں نے مالک سے کہا' میں تو تجھے ضرور قتل کروں گا" چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔"

"ابو الفرج اصفہانی" کتاب الاغانی میں لکھتے ہیں:

"جب سجاح نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مالک نے اس کی پیروی اختیار کر لی' لیکن پھر یہ ظاہر کیا کہ وہ اسلام لے آیا ہے۔ خالدؓ نے جب اسے قتل کیا تو صحابہؓ کی ایک جماعت نے اس پر سخت اعتراض کیا کیونکہ انہوں نے مالک کے قتل کے بعد اس کی بیوہ سے شادی کر لی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خالدؓ اسے جاہلیت کے زمانے ہی سے پسند کرتے تھے۔ اس لئے ان پر یہ تہمت لگائی گئی کہ انہوں نے ایک مسلمان کو اس لئے قتل کر دیا اس کے بعد اس کی بیوی سے شادی کر سکیں۔"

ہمارے خیال میں اس قسم کی روایات تاریخی واقعات کے بجائے افسانوی روایات کے زمرے میں شامل کئے جانے کے قابل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب مالک بن نویرہ خالد سے باتیں کررہا تھا تو اس کی بیوی لیلیٰ اس کے ساتھ تھی۔ جب اس نے خالدؓ کو یہ کہتے سنا کہ میں تجھے قتل کرنے والا ہوں اور ضرور قتل کرکے رہوں گا تو وہ ان کے قدموں میں گر پڑی اور ان سے اپنے خاوند کے لئے عفو ورحم کی طلب گار ہوئی۔ اس کے بال کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے اور آنسوؤں کی لڑی آنکھوں سے جاری تھی۔ اس حال میں اس کی خوبصورتی دوبالا ہوگئی، جس نے خالدؓ کو مسحور کرلیا۔ جب مالک نے یہ دیکھا تو اس نے کہا:

"افسوس میری بیوی ہی میرے قتل کا باعث بنی۔"

خالدؓ نے کہا:

"تیری بیوی تیرے قتل کا باعث نہیں بنی بلکہ تیرے اعمال اس کا باعث بنے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا۔

خالدؓ سے ابوقتادہؓ کی ناراضگی

ابوقتادہ انصاریؓ خالدؓ کے اس فعل سے اتنے ناراض ہوئے کہ وہ یہ قسم کھا کر کہ آئندہ کبھی خالدؓ کے جھنڈے تلے نہ لڑیں گے انہیں چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔

اس واقعے کے متعلق روایات میں یہ مذکور ہے کہ خالدؓ کے دافئو سراکم کا حکم دینے کے بعد جب لوگوں نے مالک اور اس کے ساتھی قیدیوں کو قتل کردیا تو خالدؓ بہت ناراض ہوئے پھر بھی یہ فرمایا:

"جب اللہ کسی بات کے کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو وہ ہوکر رہتی ہے۔"

تو ابوقتادہ نے یہ سمجھا کہ یہ خالدؓ کا محض ایک بہانہ ہے ورنہ اصل میں ان کا منشاء بھی یہی تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ وہ خالدؓ کے پاس گئے اور کہا کہ یہ سب کچھ آپ کا کیا دھرا ہے۔ اس پر خالدؓ نے انہیں ڈانٹا اور وہ ناراض ہوکر مدینہ چلے گئے۔

اس کے بالمقابل دوسری روایات میں یہ مذکور ہے کہ ابوقتادہ، خالدؓ کے ام تمیم سے نکاح کرانے کے بعد مدینہ گئے اور ان کے ساتھ مالک کا بھائی متمم بن نویرہ بھی تھا۔ جب مدینہ پہنچے تو ابوقتادہ سیدھے ابوبکرؓ کے پاس گئے اور انہیں مالک کے قتل اور لیلیٰ سے نکاح کا

واقعہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ آئندہ کبھی خالدؓ کے ساتھ ہو کر نہ لڑیں گے۔ لیکن ابوبکرؓ خالدؓ کے کارناموں اور فتوحات سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے ابوقتادہ کی بات پر کوئی توجہ نہ کی اور کہا انہیں ایسے شخص کے متعلق ایسی بات نہ کہنا چاہئے جسے رسول اللہ ﷺ نے سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا ہو۔

اس پر بھی ابوقتادہ کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ وہ عمرؓ بن خطاب کے پاس گئے اور ان سے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے خالدؓ کو ایسے شخص کی شکل میں پیش کیا جس کی نفسانی خواہشات اس کے فرائض پر غالب آجاتی ہیں اور وہ تسکین نفس کی خاطر اللہ کے احکام نظر انداز کر دیتا ہے۔ عمرؓ ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ ابوقتادہ کو لے کر ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس جرم کی پاداش میں خالدؓ کو معزول کر دیں۔ انہوں نے کہا خالدؓ کی تلوار اب ظلم کرنے پر اتر آئی ہے۔ اس لئے آپ انہیں معزول کرنے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ قید بھی کریں ابوبکرؓ کو اپنے عمال سے ایسا برتاؤ سخت ناپسند تھا۔ جب عمرؓ نے ان کی معزولی پر اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا:

''عمرؓ بس کرو خالدؓ نے تاویل کی۔ یہ بات اور ہے کہ تاویل کرنے میں ان سے غلطی ہوئی۔''

لیکن عمرؓ اس جواب سے مطمئن نہ ہو سکے اور برابر اپنے مطالبے پر قائم رہے۔

جب ابوبکرؓ بہت تنگ ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

''عمرؓ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مسلط کیا ہو۔''

مدینہ میں خالد رضی اللہ عنہ کی طلبی

پھر بھی عمرؓ خالدؓ کے اس فعل کو ناراضگی ہی کی نظر سے دیکھتے رہے اور ان کا دل ان سے صاف نہ ہو سکا۔ خالدؓ سے جواب طلبی کرنے کے متعلق ان کا اصرار برابر جاری رہا۔ آخر ابوبکرؓ بھی مجبور ہو گئے اور انہوں نے خالدؓ کو جواب دہی کے لئے مدینہ طلب فرما لیا۔ خالدؓ میدان جنگ سے مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبوی میں آئے۔ وہ ایک زرنگاری قبا پہنے

ہوئے تھے اور اپنے عمامے میں تیر لگا رہے تھے۔ جب عمرؓ نے انہیں مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو ان کے عمامے سے تیر جھپٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور کہا:

"تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔ واللہ! میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔"

خالدؓ بالکل خاموش رہے اور ایک لفظ منہ سے نہ نکالا کیونکہ انہیں خیال تھا کہ ان کے متعلق ابوبکرؓ کی بھی رائے وہی ہو گی جو عمرؓ کی ہے۔ آخر وہ ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مالک کا سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح اس نے سجاح کی مدد کی اور جب انہوں نے اس پر قابو پا لیا تو کس طرح اس زکوٰۃ ادا کرنے میں تردد کیا۔ انہوں نے اس کے قتل کے متعلق معذرت پیش کی جو ابوبکرؓ نے قبول فرمائی اور جنگ میں ان سے جو فروگزاشتیں ہوئی تھیں ان سے درگزر کی۔ لیکن مالک کی بیوی سے شادی کر لینے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ کیونکہ عرب ایک تو عورتوں کے میدان جنگ میں لانے ہی کو ناپسند کرتے تھے' دوسرے عین لڑائی کے وقت ان سے صحبت کرنے کو عار خیال کرتے تھے۔

مالک بن نویرہ کے معاملے میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا' اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے درحقیقت دونوں اپنے خیال میں سچے تھے اور دونوں کے مد نظر اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ہی تھی۔ اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اختلاف انفرادی نوعیت کا سمجھا جائے جس کا محور صرف خالدؓ کی ذات اور ان کا فعل تھا یا ہمہ گیر سیاسی نوعیت کا؟

خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں عمرؓ کا موقف

محمد حسین ہیکل کہتے ہیں:

میرے نزدیک اس اختلاف کی نوعیت سیاسی تھی۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں کے پیش نظر الگ الگ سیاسی راہ تھی جسے وہ ٹھیک سمجھتے تھے اور جس پر انہیں عمل کرنا چاہیے تھا۔

عمرؓ جو عدل و انصاف کی مجسم تصویر تھے' یہ چاہتے تھے کہ خالدؓ نے چونکہ ایک

مسلمان پر زیادتی کی ہے اور اس کی بیوی کے ایام عدت گزرنے سے پہلے اس سے نکاح کر لیا ہے، اس لئے انہیں لشکر کی قیادت پر قائم رکھنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی نیک شہرت کو دھبا لگے گا اور عرب میں انہیں اس وقت جو قدر و منزلت حاصل ہے وہ باقی نہ رہے گی۔ ان کے خیال میں صرف خالدؓ کی معزولی ہی کافی نہ تھی بلکہ لیلیٰ سے نکاح کرنے کے جرم میں انہیں قرار واقعی سزا ملنی چاہئے تھی۔ عمرؓ کہتے تھے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خالدؓ سے مالک کے معاملے میں اجتہادی غلطی صادر ہوئی تھی (گو اس کا امکان نہیں) تو بھی اس کی بیوی سے نکاح کا معاملہ ایسا ہے جس کے باعث خالدؓ پر حد قائم کرنی ضروری ہو جاتی ہے۔ ان کی صفائی میں یہ عذر پیش نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا تھا اور وہ ایسے سپہ سالار ہیں کہ فتح و نصرت ہر دم ان کے قدم چومتی ہے۔ اگر خالدؓ جیسی حیثیت رکھنے والے اشخاص سے اس قسم کی چشم پوشی برتی گئی تو یہ امر دین میں خلل اندازی کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہوگا۔ مسلمان کتاب اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالنے میں دلیر ہو جائیں گے اور احکام الٰہی کا احترام ان کے دلوں میں باقی نہ رہے گا۔

انہی خیالات کے باعث عمرؓ برابر ابوبکرؓ پر زور دیتے رہے کہ خالدؓ کو ضرور سزا دینی چاہئے جس پر آخر ابوبکرؓ نے انہیں میدان جنگ سے واپس بلایا اور ان کے فعل پر انہیں سرزنش کی۔

خالدؓ کے بارے میں ابوبکرؓ کا موقف

عمرؓ کے بالمقابل ابوبکرؓ کا خیال یہ تھا کہ ایسے وقت میں، جب مسلمانوں پر چاروں طرف سے خطرات کے مہیب بادل منڈلا رہے ہیں اور سارے عرب میں فتنہ و فساد اور بغاوت کی آگ زور شور سے بھڑک رہی ہے، کوئی سپہ سالار کسی فرد واحد یا جماعت کو غلطی سے قتل کرا دیتا ہے تو اس کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایسے نازک وقت میں کسی سپہ سالار کو سخت سزا دینا اور اس کے الزام کی تشہیر کرنا مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگا ان کا خیال یہ بھی تھا کہ کسی مفتوحہ قوم کی کسی عورت سے شادی کر لینا اور وہ بھی اس حالت میں کہ ابھی اس کی عدت کے دن پورے نہ ہوئے ہوں، عربوں کے رسوم و رواج کے خلاف نہیں کیونکہ اس صورت میں مفتوحہ قوم کی عورتیں لونڈیاں شمار ہوں گی جن پر ان

کے مالکوں کو ہر قسم کا اختیار ہوتا ہے
ابوبکرؓ کہتے تھے کہ اس وقت مسلمانوں کو خالدؓ کی تلوار کی بے حد ضرورت ہے کیونکہ مسیلمہ بنی حنفیہ کے چالیس ہزار طاقت ور اشخاص کے ساتھ بطاح کے قریب یمامہ میں مقیم تھا اور مسلمانوں کے خلاف اس کی بغاوت نے انتہائی خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ عکرمہ بن ابو جہل' جنہیں فوج دے کر اس طرف بھیجا گیا تھا' اس کے مقابلے میں شکست کھا چکے تھے۔ مسلمانوں کی نظریں خالدؓ کی طرف اٹھتی تھیں۔ مالک بن نویرہ کے قتل اور اس کی بیوی لیلیٰ سے نکاح کرنے کے باوجود خالدؓ کو معزول نہ کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں مسیلمہ کو اسلامی فوجوں پر بے پناہ غلبہ حاصل ہو جاتا اور دین اسلام کو شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔ خالدؓ اللہ کی تلوار اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے اس لئے ابوبکرؓ نے انہیں طلب فرما کر صرف زبانی سرزنش پر اکتفا کی اور انہیں یمامہ جا کر مسیلمہ کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔

یمامہ پر خالد رضی اللہ عنہ کی چڑھائی

یہ ہے میرے خیال میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے اختلاف کی صحیح تصویر ابوبکرؓ نے انہیں بلا کر مسیلمہ پر چڑھائی کرنے کا حکم بھی اس لئے دیا کہ اہل مدینہ خصوصاً عمرؓ جیسی رائے رکھنے والے اشخاص کو دکھا سکیں کہ اس نازک وقت میں خالدؓ ہی کی شخصیت ایسی ہے جو میدان جنگ میں مسلمانوں کو تباہی کے خطرات سے بچا سکتی ہے۔ خالدؓ کو میدان جنگ سے بلا کر سرزنش کرنا اور لیلیٰ کو طلاق دینے کا حکم ہی ان کے لئے کافی سزا سمجھی گئی۔
خالدؓ نے یمامہ میں بھی اس طرح ایک عورت سے شادی کی تھی جس طرح بنو تمیم میں لیلیٰ سے کی تھی۔ ابوبکرؓ نے اس پر سختی سے خالدؓ کو سرزنش کی۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

جنگ یمامہ

مسیلمہ کے خلاف خالد رضی اللہ عنہ کی چڑھائی

مسیلمہ کے مقابلے میں روانہ ہونے کا حکم ملنے کے بعد خالدؓ مدینہ سے بطاح

واپس آ گئے اور وہاں اس کمک کا انتظار کرنے لگے جسے ابو بکرؓ نے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس امداد کے پہنچنے کے بعد وہ لشکر لے کر مسیلمہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گئے جو جھوٹے مدعیان نبوت میں سب سے زیادہ طاقتور تھا' جس کی بغاوت جزیرہ نمائے عرب کے مرتدین کی تمام بغاوتوں سے زیادہ مہیب تھی اور جسکی طرف سے مسلمانوں کو سب سے زیادہ خطرہ لاحق تھا۔

بطاح سے خالدؓ بن ولید اپنے لشکر اور ابو بکرؓ کی بھیجی ہوئی کمک لے کر بنی حنیفہ کے حقیقی مسیلمہ بن حبیب سے جنگ کرنے کے لئے یمامہ روانہ ہوئے۔ جو کمک ابو بکرؓ نے بھیجی تھی وہ تعداد اور قوت میں خالدؓ کے اصل لشکر سے کم نہ تھی۔ اس میں ان مہاجرین اور انصار کے علاوہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کفار سے لڑائیاں کی تھیں' ان قبائل کے لوگ بھی شامل تھے جن کا شمار عرب کے طاقتور اور جنگجو قبیلوں میں ہوتا تھا۔ انصار ثابت بن قیس اور براء بن مالک کے زیر سرکردگی تھے اور مہاجرین ابو حذیفہ بن عتبہ اور زید بن خطاب کے ماتحت۔ دوسرے قبائل میں سے ہر قبیلے کا سردار علیحدہ علیحدہ تھا جسے ابو بکرؓ نے اس کی حسن کارکردگی کے باعث اس عہدے پر مقرر فرمایا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگ کے وقت چالیس ہزار بنو حنیفہ مسیلمہ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوں گے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اس لئے اس وقت مدینہ کی جانب سے بھی بہترین آدمیوں' جو قیادت اور جنگ کا کامل تجربہ رکھتے ہوں' محاذ جنگ پر نہ بھیجا گیا تو ان مرتدین کا مقابلہ بے حد دشوار ہو جائے گا۔

ان لوگوں نے جنہیں ابو بکرؓ نے خالدؓ کی امداد کے لئے روانہ کیا تھا' قرآن مجید کے حافظوں اور قاریوں کی بھی تعداد شامل تھی۔ اسی طرح ایک خاص دستہ ان صحابہ کا تھا جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ ایسا کرنا ابو بکرؓ کی اس پالیسی کے خلاف تھا جو انہوں نے اہل بدر کے متعلق وضع کی تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جنگوں میں اہل بدر کو استعمال نہ کروں گا یہاں تک کہ وہ اپنے نیک اعمال کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضر ہو جائیں۔ لیکن اس موقع پر نازک صورتحال کے پیش نظر انہوں نے اپنی پالیسی تبدیل

کرتے ہوئے اہل بدر اور دوسرے صحابہ کو جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی جنگوں میں حصہ لیا تھا' خالدؓ کی مدد کے لئے روانہ فرمایا کیونکہ یمامہ میں مسیلمہ کو خوب فروغ ہو چلا تھا اور وہ آسانی سے زیر ہونے والا نہ تھا۔

مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابی

حقیقت یہ ہے کہ یمامہ میں مسلمانوں کی کامیابی خالدؓ کا معمولی کارنامہ نہیں۔ یمامہ کی حالت، دوسرے قبائل سے بالکل مختلف تھی۔ مدینہ کے قریبی قبائل میں سے' جنھوں نے ابوبکرؓ کے خلیفہ بننے کے بعد مدینہ کا محاصرہ کرنا چاہا تھا' کوئی شخص نبوت کا مدعی نہ تھا اور زکوٰۃ کی معافی کے سوا انھیں اور کوئی خواہش نہ تھی۔ مزید برآں عدی بن حاتم اپنے قبیلے کو طلیحہ اسدی کی امداد سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس سے اس کے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور وہ جم کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے لشکر کے مفرورین ام زمل کے پاس جا کر اکٹھے ہوئے لیکن ایک ہزیمت خوردہ فوج سے مقابلے کی توقع عبث تھی۔ اس لئے ام زمل کو بھی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

رہ گئے بنو تمیم تو ان میں خود تفرقہ پڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں سے کیا مقابلہ کر سکتے تھے! سجاح کے عزم اور ہمت کو مالک بن نویرہ نے متزلزل کر دیا اور اس نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا تھا۔ مالک بن نویرہ مسلمانوں سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ وہ خالدؓ کے مقابلے میں آنے کی جرأت ہی نہ کر سکا۔

ان لوگوں کے بالمقابل مسیلمہ اور یمامہ میں اس کے پیروؤں کو اصلاً اس بات ہی سے انکار تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ان کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قریش کی طرح نبوت و رسالت پر ان کا بھی حق ہے۔ انھیں بھی عرب میں وہی درجہ حاصل ہے جو قریش کو ہے۔ ان کا لشکر قریش کے لشکر سے کئی گنا بڑا ہے۔ اس کے علاوہ ان میں کامل اتحاد پایا جاتا ہے۔ آپس کی مخالفت اور شکر رنجی بالکل مفقود ہے' عقیدے اور قبیلے کا اختلاف ان میں بالکل نہیں۔ ان وجوہ کی بناء پر

وہ اپنے آپ کو بہت طاقتور سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فوجوں سے بڑی کامیاب ٹکر لے سکتے ہیں۔

عکرمہ کی ہزیمت

ابوبکرؓ کی نظر میں یہ تمام باتیں پہلے ہی سے موجود تھیں اس لئے انہوں نے پوری کوشش کی کہ یمامہ کی جانب جو لشکر بھیجے جائیں وہ طاقتور ہوں۔ مرتدین سے لڑنے کے لئے انہوں نے گیارہ لشکر تیار کئے تھے اور ہر لشکر کو علیحدہ علیحدہ قبیلے کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن مسیلمہ کے بارے میں ایسا نہ ہوا بلکہ اس کی جانب انہوں نے عکرمہ بن ابوجہل کو بھیجا اور ان کے پیچھے پیچھے شرحبیل بن حسنہ کو ایک لشکر دے کر ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا۔ عکرمہ یمامہ کی جانب بڑھتے چلے گئے اور شرحبیل کے پہنچنے کا انتظار نہ کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسیلمہ پر فتح یاب ہو۔ نہ کا فخر انہیں کے حصے میں آئے عکرمہ ایک تجربہ کار ماہر جنگ اور دشمن کو خاطر میں نہ لانے والے شہسوار تھے۔ ان کی فوج میں بڑے بڑے بہادر شامل تھے جو پچھلی جنگوں میں لوگوں پر کارناموں کی دھاک بٹھا چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود مسیلمہ کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور بنو حنیفہ نے انہیں شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ عکرمہ نے اپنی ہزیمت کا سارا حال ابوبکرؓ کو لکھ بھیجا جسے پڑھ کر ان کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے عکرمہ کو لکھا:

"اے بن ام عکرمہ! (عکرمہ کی ماں کے بیٹے) میں تمہاری صورت دیکھنے کا مطلق روادار نہیں۔ تم واپس آ کر لوگوں میں بددلی پھیلانے کا باعث نہ ہو بلکہ حذیفہ اور عرفجہ کے پاس جا کر اہل عمان اور مہرہ سے لڑو۔ اس کے بعد یمن اور حضر موت جا کر مہاجر بن ابی امیہ سے مل جاؤ اور ان کے دوش بدوش مرتدین سے جنگ میں حصہ لو۔"

اس خط میں جو غیظ و غضب پنہاں ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابن ام عکرمہ کا خطاب ہی اس غیظ و غضب کی صحیح کیفیت ظاہر کر رہا ہے۔

مسیلمہ کی قوت کا سبب

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مسیلمہ نے اتنی قوت کس طرح حاصل کی؟ مسیلمہ

رسول اللہ ﷺ کے آخری ایام میں بنی حنیفہ کے ایک وفد کے ہمراہ مدینہ آیا۔ وفد کے باقی ارکان تو رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے اور قبول اسلام کا اعلان کر دیا لیکن مسیلمہ نہ جا سکا کیونکہ وہ لوگ اسے سامان کی حفاظت کے لئے ڈیرے ہی پر چھوڑ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حسب عادت انہیں کچھ مال و منال عطا فرمایا جس پر انہوں نے مسیلمہ کا حصہ مانگا۔ آپ نے اس کے حصے کا مال بھی ان لوگوں کو دیا اور فرمایا:

''وہ مرتبے میں تم سے کم تر نہیں۔''

مطلب یہ تھا کہ اس کی حیثیت اتنی کم تر نہیں کہ تم اسے مال کی حفاظت کے لئے ڈیرے پر چھوڑ آئے ہو۔

مسیلمہ محض یہ بات پیش کر کے نبوت کا دعویٰ نہ کر سکتا تھا اس لئے شروع میں بہت ہی تھوڑے لوگوں نے اس کی باتوں پر کان دھرا۔ نہ دو سال میں ہزاروں آدمیوں کو اپنے گرد جمع کر لینا ہی کوئی معجزہ قرار پا سکتا ہے۔ یہ تو محض ایک شعبدہ بازی تھی۔

حقیقی امر، جس نے مسیلمہ کی طاقت بڑھائی' وہ تھا' نہار الرجال' کا اس سے مل جانا۔ یہ شخص' جس کا نام' نہار الرجال' یا' نہار الرحال بن عنفوہ' تھا اسی علاقے کا رہنے والا تھا اور ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آ گیا تھا۔ یہاں اس نے قرآن کریم پڑھا اور دینی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بہت ذہین شخص تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسے اہل یمامہ کو دین اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرنے اور لوگوں کو مسیلمہ کی متابعت سے روکنے کے لئے بھیجا۔ لیکن نہار مسیلمہ سے بھی زیادہ منہ زور ثابت ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ لوگ مسیلمہ کی اطاعت قبول کرتے جا رہے ہیں تو وہ ان لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو سرخرو کرنے کے لئے ان سے مل گیا اور مسیلمہ کی نبوت کا اقرار کرنے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی جانب یہ جھوٹا قول بھی منسوب کیا کہ مسیلمہ انکے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اہل یمامہ کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے تھا کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص مسیلمہ کی نبوت کی گواہی دے رہا ہے اور وہ شخص معمولی آدمی نہیں بلکہ عالم' فاضل اور فقیہ بھی ہے۔ ان کے سامنے قرآن پڑھتا اور

اس کی تعلیمات سے انہیں آگاہ کرتا ہے انہیں دین کا علم سکھاتا ہے۔ اب کہ وہ خود نبوت مسیلمہ کی گواہی دے رہا تھا تو مسیلمہ کی نبوت سے انکار کی گنجائش ہی کہاں رہی تھی چنانچہ بے وقوف لوگ جوق در جوق مسیلمہ کے پاس آنے اور بنی حنیفہ کے رسول اللہ کی حیثیت سے اس کی بیعت کرنے لگے۔ اس طرح چند ہی دنوں میں اس کی طاقت کہیں سے کہیں جا پہنچی۔

مسیلمہ نے اس کے صلے میں نہار الرجال کو اپنا خاص معتمد علیہ بنالیا اور اس کے مشورے سے نبوت کا کاروبار انجام دینے لگا۔ اس کے بدلے نہار الرجال کو دنیا بھر کی نعمتیں میسر آگئیں اور وہ ان سے جی بھر کر لطف اندوز ہونے لگا۔ جب علماء اور فقہاء ہی دنیا کی نعمتوں کے حصول پر تل جائیں اور اپنی غرض کے لئے ذلیل خوشامد اور جھوٹی گواہی سے بھی دریغ نہ کریں تو عوام جو بھی کریں تھوڑا ہے۔

جہاں تک مسیلمہ کے معجزات دکھانے کا تعلق ہے' تاریخ سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نہ لوگوں نے اس کا کوئی معجزہ دیکھ کر اسے قبول کیا اور نہ اس کی خود ساختہ وحی سے متاثر ہو کر اس پر ایمان لائے۔ مسیلمہ کا کاروبار چمکنے کے صرف وہی سبب تھے جن کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔

مسیلمہ کی اطاعت کیوں قبول کی گئی؟

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ عوام تو خیر جاہل ہوتے ہیں' انہیں حق و باطل کی تمیز نہیں ہوتی لیکن دانشوران قوم کی عقلوں پر کیا پتھر پڑ گئے تھے کہ انہوں نے آنکھیں بند کر کے مسیلمہ کی اطاعت قبول کر لی تو بات یہ ہے کہ اس کی تہہ میں عربوں کی قومی عصبیت اور قبائلی خود مختاری کا جذبہ کارفرما تھا۔ اس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

مورخین ذکر کرتے ہیں کہ طلیحہ نمری یمامہ آیا اور لوگوں سے مسیلمہ کے بارے میں پوچھا:

لوگوں نے کہا:

"تم اس کا نام اس قدر بے ادبی سے لیتے ہو حالانکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

اس نے کہا:

"میں تو اس وقت تک اسے رسول ماننے کے لئے تیار نہیں جب تک اس سے مل نہ لوں۔ تم مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

مسیلمہ کے پاس پہنچ کر طلیحہ نے اس سے پوچھا:

"تمہارے پاس کون آتا ہے؟"

"رحمان" مسیلمہ نے جواب دیا۔

"روشنی میں یا اندھیرے میں؟"

"اندھیرے میں۔"

اس پر طلیحہ بولا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم کذاب ہو اور محمد سچے ہیں لیکن اپنا کذاب ہمیں دوسروں کے سچے سے زیادہ محبوب ہے۔"

چنانچہ اس نے مسیلمہ کی اطاعت قبول کرلی اور اسی کے ہمراہ لڑتا ہوا مارا گیا۔

مسیلمہ کی قوت وطاقت بڑھ جانے اور اس کے مقابلے میں عکرمہ کے شکست کھانے کے باعث ابوبکرؓ کے لئے ضروری ہوگیا وہ خالدؓ بن ولید کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کریں۔

چنانچہ انہوں نے شرحبیل بن حسنہ کو لکھا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں جب تک خالدؓ کے پاس نہ پہنچ جائیں مسیلمہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ شرحبیل عمرو بن عاص کے پاس چلے جائیں اور شمالی حصے میں قضاعہ کے خلاف جنگ میں ان کی مدد کریں۔

شرحبیل کی شکست

ابھی خالدؓ یمامہ کے رستے ہی پر تھے کہ مسیلمہ کی فوجوں نے شرحبیل کی فوج

سے ٹکر لی اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ شرحبیل نے بھی وہی کیا جو اس سے پہلے عکرمہ کر چکے تھے یعنی وہ مسیلمہ پر فتح یابی کا فخر خود حاصل کرنے کے شوق میں آگے بڑھے لیکن انہیں بھی شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ پھر بھی میرے خیال میں واقعہ اس طرح نہیں بلکہ خود یمامہ کے لشکر نے اس خیال سے کہ کہیں شرحبیل خالدؓ سے مل کر انہیں نقصان نہ پہنچائیں' آگے بڑھ کر لشکر پر حملہ کر دیا اور شکست دے کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ دونوں میں سے کوئی بات ہوئی ہو مگر واقعہ یہی ہوا کہ شرحبیل اپنا لشکر لے کر پیچھے ہٹ گئے۔ جب خالدؓ ان کے پاس پہنچے اور انہیں تمام واقعات کا علم ہوا تو انہوں نے شرحبیل کو بہت برا بھلا کہا۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر دشمن سے ٹکر لینے کی طاقت نہ ہو تو بے شک اس قوت تک اس کے مقابلے سے گریز کیا جائے جب تک مطلوبہ طاقت حاصل نہ ہو جائے بہ نسبت اس امر کے کہ طاقت کہ نہ ہونے کے باوجود دشمن سے لڑائی چھیڑ دی جائے جس کے نتیجے میں شکست کھانی پڑی۔

خالد رضی اللہ عنہ سے مجاعہ کی "مڈبھیڑ"

اب خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ہمراہ یمامہ کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ مسیلمہ کو بھی ان کی نقل و حرکت کی تمام خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ بنی حنیفہ کا ایک شخص مجاعہ بن مرارہ' بنی عامر اور بنی تمیم کے چند اشخاص سے اپنے کسی رشتہ دار کے قتل کا انتقام لینے کے لئے چند لوگوں کے ہمراہ نکلا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر مسلمانوں سے جنگ شروع ہو گئی تو انتقام لینے کا موقع نہ مل سکے گا۔ چنانچہ اس نے ان قبائل میں پہنچ کر اپنا قصاص لیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چل پڑا۔ جب یہ لوگ "ثنیۃ الیمامہ" پہنچے تو تھکاوٹ کی وجہ سے بے خبر پڑ کر سو گئے۔ دریں اثناء خالدؓ کا لشکر وہاں پہنچ گیا۔ اس وقت یہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ خالدؓ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ بنو حنیفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس خیال سے کہ ان سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں انہیں قتل کرنے کا حکم دے دیا انہوں نے کہا ہم آپ سے لڑنے کے لئے نہیں بلکہ بنو تمیم

سے انتقام لینے کے لئے نکلے تھے۔ اس پر خالدؓ نے پوچھا "اسلام کے بارے میں تمہارے کیا رائے ہے؟"

انہوں نے کہا:

"ایک نبی ہم میں ہے اور ایک نبی تم میں۔"

اس پر خالدؓ نے انہیں قتل کرا دیا۔

اس موقع پر ایک آدمی (ساریہ بن عامر) نے عین اس وقت جب تلوار اس کا گلا کاٹنے کے لئے تیار تھی' مجاعہ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اگر تم اپنی بھلائی چاہتے ہو تو اس آدمی کو چھوڑ دو۔"

خالدؓ نے بھی مجاعہ کو قتل نہ کرایا' بلکہ بطور ضمانت اپنے پاس رکھ لیا۔ کیونکہ وہ بنی حنیفہ کے سرداروں میں سے تھا اور وہ لوگ اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ خالدؓ کا خیال بھی تھا کہ ممکن ہے آگے چل کر اس کے ذریعے سے کوئی کام نکل سکے۔ انہوں نے اسے لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر اپنے خیمے میں ڈال دیا اور اپنی نئی بیوی لیلیٰ ام تمیم کو اس کی نگرانی کا کام سونپ دیا۔

خالد رضی اللہ عنہ اور مسیلمہ میں جنگ

مسیلمہ نے اپنا لشکر یمامہ کی ایک جانب عقرباء میں جمع کیا تھا اور سارا مال اسباب لشکر کے پیچھے رکھا تھا۔ اس کا لشکر بعض روایات کے مطابق چالیس ہزار اور بعض دوسری رواتیوں کی رو سے ستر ہزار تھا۔ ایسے عظیم الشان لشکر کا ذکر عربوں نے اس سے پہلے بہت ہی کم سنا تھا۔

خالدؓ اسی روز' جب انہوں نے مجاعہ کو قید کیا چکا تھا' مسیلمہ کی فوج کے مقابلے میں آ گئے۔ دونوں لشکر میدان جنگ میں کھڑے آخری اعلان کے منتظر تھے۔ ہر ایک کو یقین تھا کہ فتح مندی و کامرانی اسی کے حصے میں آئے گی اور وہ دوسرے لشکر کو تباہ و برباد کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنگ یمامہ کا دن اپنی نوعیت کے لحاظ سے اسلام میں ایک منفرد دن ہے کیونکہ اس روز اسلام اور نبوت کاذبہ کا آخری مقابلہ ہونے والا تھا۔ مسیلمہ کی طرف یمن' عمانہ' مہرہ' بحرین' حضرموت اور عرب کی جنوبی جانب' مکہ اور طائف سے خلیج عدن تک کے تمام علاقوں کے لوگوں کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ ایرانی بھی بڑی بے صبری سے اس جنگ کے نتیجے کے منتظر تھے۔ مسیلمہ کا لشکر اس پر کامل ایمان رکھتا تھا اور اس راہ میں کٹ مرنے کے لئے تیار تھا۔ علاوہ بریں حجاز اور عرب کے جنوبی علاقوں کی دیرینہ دشمنی بھی مسلمانوں کے خلاف اپنی ہیئت کے لحاظ سے کچھ کم طاقت ور نہ تھا۔ اس کے سپہ سالار خالدؓ بن ولید تھے جو بلاشبہ اپنے زمانے کے سالار اعظم تھے۔ لشکر میں کلام اللہ کے حافظوں اور قاریوں کی بھی کم تعداد نہ تھی۔ یہ تمام لوگ اس جذبے سے میدان جنگ میں آئے تھے کہ اللہ کے راستے میں جہاد اور اس کے دین کی مدافعت مومن کا فرض اولین ہے اور علم و بصیرت رکھنے والے کے لئے یہ تو فرض عین ہے۔ اس جذبے نے ان کے ولولوں اور اُمنگوں کو بہت بڑھا دیا تھا اور وہ تعداد میں مرتدین سے بہت کم ہونے کے باوجود عزم و ہمت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔

ابن مسیلمہ کی آتش بیانی

لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسیلمہ کا لڑکا بنی حنیفہ کی صفوں میں پھر کر اپنے آتشیں الفاظ سے ان کی غیرت و حمیت کی آگ بھڑکاتے ہوئے یہ کہتا پھر رہا تھا۔

''اے بنو حنیفہ! آج تمہاری غیرت کا امتحان ہے۔ اگر تم شکست کھا گئے تو تمہارے پیچھے تمہاری عورتیں لونڈیاں بنالی جائیں گی اور ان کے نکاح زبردستی دوسرے لوگوں سے کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے اپنے حسب و نسب کی خاطر مسلمانوں سے جنگ کرو اور اپنی عورتوں کی عزت بچاؤ۔''

ادھر بدقسمتی سے مہاجرین و انصار اور بدویوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ دونوں فریقوں میں کون بہادر ہے؟ مہاجرین اور انصار کہتے تھے:

"ہم لوگ تم بدویوں سے زیادہ جنگ کے ماہر ہیں۔"

اس کے مقابلے میں اہل بادیہ کہتے تھے:

"مکہ اور مدینہ کے لوگ ہرگز اچھی طرح جنگ نہیں کر سکتے بلکہ انہیں تو یہ معلوم نہیں کہ جنگ کہتے کسے ہیں۔"

مسلمانوں پر بنی حنیفہ کا دباؤ

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ شروع ہونے پر مسلمان بنی حنیفہ کے مقابلے میں ثابت قدم نہ رہ سکے اور پیچھے ہٹنے لگے' یہاں تک کہ بنو حنیفہ خالدؓ کے خیمے تک پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے مجاعہ کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا اور ام تمیم کو اس کی نگرانی کرتے ہوئے دیکھا۔ ایک آدمی نے لیلیٰ کو قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی لیکن مجاعہ چیخ اٹھا:

"ٹھہر جاؤ' میں اسے امان دیتا ہوں۔ تم اسے چھوڑ دو اور مردوں سے جا کر لڑو"

لشکر کے سپاہیوں نے خیمے کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور خیمے کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ لیکن انہوں نے مجاعہ کو آزاد نہ کیا بلکہ اس اُمید میں کہ وہ ابھی مسلمانوں پر فتح یاب ہو کر واپس آ جائیں گے' اسے بیڑیوں میں جکڑا ہوا چھوڑ کر چلے گئے۔

نہار الرجال کا قتل

مسلمانوں نے پیچھے ہٹنے کے باوجود پہلے ہی حملے میں بنی حنیفہ کے سینکڑوں آدمیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ ان قتل ہونے والوں میں سب سے پہلا شخص نہار الرجال تھا' جو بنی حنیفہ کے "مقدمہ" پر مقرر تھا۔ اسے حضرت عمرؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب نے قتل کیا تھا۔ اس کے قتل سے فتنہ مسیلمہ کے سب سے بڑے سرغنے کا خاتمہ ہو گیا۔

خالد رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

لشکر اسلام کے پیچھے ہٹنے کے باوجود خالدؓ کے عزم وثبات میں مطلق کمی نہ آئی اور انہیں ایک لمحے کے لئے بھی اپنی شکست کا خیال پیدا نہ ہوا انہوں نے یہ بات

بھانپ لی تھی کہ لشکر کے پیچھے ہٹنے کا سبب فخر و مباہات کا وہ جذبہ تھا جو مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں پیدا ہو گیا تھا اور جس کے باعث ان میں کمزوری راہ پا گئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے پکار کر اپنے لشکر سے کہا:

''اے لوگو! علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ اور اسی حالت میں دشمن سے لڑو تاکہ ہم دیکھ سکیں، کس قبیلے نے لڑائی میں بہادری کا سب سے اچھا مظاہرہ کیا۔''

مجاہدین اسلام کا عزم و ثبات

خالدؓ کے اس حکم کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ہر قبیلے نے اپنے آپ کو دوسروں سے برتر ثابت کرنے کے لئے پہلے بھی زیادہ جوش و خروش سے دشمن کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ آخر مسلمانوں کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ انہوں نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے فخر و مباہات اور تعلی کا جو مظاہرہ کیا تھا' وہ نامناسب تھا۔ چنانچہ انصار کے ایک سردار ثابت بن قیس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے مسلمانو! تم نے بہت بری مثال قائم کی ہے۔''

پھر اہل یمامہ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''اے اللہ! جس کی یہ عبادت کرتے ہیں' میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔''

اور مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے میں اس سے بھی بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔''

اس کے بعد وہ تلوار سونت کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور بڑی بہادری سے لڑنے لگے۔ وہ لڑتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

''میری تلوار کا مزہ چکھو' میں تمہیں صبر و استقلال کا حقیقی نمونہ دکھاؤں گا۔''

وہ اسی طرح بے جگری سے لڑتے رہے۔ ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں زخم نہ لگے ہوں۔ آخر اسی طرح لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

براء بن مالک ان صنادید عرب میں سے تھے جو پیٹھ دکھانا جانتے ہی نہ تھے۔

جب انہوں نے مسلمانوں کو بھاگتے دیکھا تو وہ تیزی سے کود کر ان کے سامنے آ گئے اور کہا:

"اے مسلمانو! میں براء بن مالک ہوں۔ میری پیروی کرو۔"

مسلمان ان کی بہادری اور شجاعت سے خوب واقف تھے۔ ان کی ایک جماعت براء کے ساتھ ہو لی۔ وہ اسے لے کر دشمن کے مقابلے میں آ گئے اور اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کو پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی۔

عین لڑائی کے دوران میں یہ اتفاق ہوا کہ سخت آندھی آ گئی اور ریت اڑ اڑ کر مسلمانوں کے چہروں پر پڑنے لگی۔ چند لوگوں نے اس پریشانی کا ذکر زید بن خطاب سے کیا اور پوچھا کہ اب کیا کریں؟ انہوں نے جواب میں کہا۔

"واللہ! میں آج کے دن کسی سے بات نہ کروں گا جب تک دشمن کو شکست نہ دے لوں یا اللہ مجھے شہادت عطا نہ فرمائے۔ اے لوگو! آندھی سے بچاؤ کی خاطر اپنی نظریں نیچی کر لو اور ثابت قدم رہ کر لڑو۔"

یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور دشمن کی صفوں میں گھس کر بے جگری سے لڑنے لگے۔ ان کا دستہ بھی ان کے پیچھے ثابت قدمی سے لڑ رہا تھا۔ آخر ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پورے ہو گئے اور انہوں نے اسی طرح لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔

ابو حذیفہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے:

"اے اہل قرآن! اپنے افعال کے ذریعے سے قرآن کو عزت بخشو۔"

پھر خود بھی دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد جھنڈا ان کے غلام سالم نے اٹھایا اور کہا:

"اگر آج ثابت قدم نہ رہوں تو میں بدترین حامل قرآن ہوں گا۔"

چنانچہ وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ان آوازوں نے جو ایمان و یقین سے بھرپور قلوب سے نکل رہی تھیں، مسلمانوں کے لشکر میں بہادری کی ایک نئی روح پھونک دی۔ زندگی ان کی نظروں میں حقیر بن کر رہ گئی اور شہادت کی تمنا ہر دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ چنانچہ وہ بے جگری سے

لڑے اور تھوڑی دیر میں مسیلمہ کے لشکر کو اس کی پہلی جگہ پر لا کھڑا کیا۔

جہاں مسلمان دین حق کی حفاظت اور حصول جنت کی خاطر لڑ رہے تھے وہاں مسیلمہ کا لشکر اپنے وطن، حسب ونسب اور ایسے کمزور عقیدے کی خاطر لڑ رہا تھا جو ان کے نزدیک وطن اور حسب ونسب سے بھی بہت کم درجے کا تھا۔ اسی لئے مسلمانوں نے بنو حنیفہ سے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور انتہائی بے جگری سے لڑے۔

خالد رضی اللہ عنہ قتلِ مسیلمہ کے درپے

خالد رضی اللہ عنہ نے جب مسلمانوں کی جوش دلانے والی آوازیں سنیں تو انہیں بھی یقین ہو گیا کہ بنی حنیفہ کی سخت مدافعت کے باوجود انجام کار فتح انہیں کے حصے میں آئے گی۔ لیکن وہ چاہتے تھے کہ فتح کا حصول حتی الامکان جلد ہو جائے اس لئے بہت غور سے ایک بار میدان کا جائزہ لیا۔ انہوں نے دیکھا کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کے گرد کٹ کر گر رہے ہیں اور مسیلمہ کی حفاظت میں موت کی بھی پروا نہیں کرتے۔ یہ دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ فتح کے جلد از جلد حصول کا طریق یہ ہے کہ کسی طرح مسیلمہ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنے آدمی لے کر آگے بڑھے اور مسیلمہ کے آدمیوں کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اس کے بعد کوشش کی کہ کسی طرح مسیلمہ ان کے سامنے آجائے تاکہ ان کا کام تمام کیا جا سکے۔ لیکن قبل اس کے کہ مسیلمہ ان کے سامنے آجائے اس کے آدمیوں نے بڑھ چڑھ کر خالدؓ پر حملے کرنے شروع کیے۔ خالدؓ تو ان کے بس میں کیا آتے البتہ جو شخص ان کے مقابلے میں آتا، زندہ واپس نہ جاتا۔ اس طرح بے شمار آدمی قتل ہو گئے۔

مسیلمہ کا تردد و اضطراب

جب مسیلمہ نے دیکھا کہ اس کے حامیوں کی تعداد بسرعت کم ہوتی جا رہی ہے تو اس نے خود خالدؓ کے مقابلے پر آنے کا ارادہ کیا لیکن اس خیال سے رک گیا کہ اگر وہ بھی خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لئے نکلا تو لامحالہ مارا جائے گا۔ اب اس کے تردد اور اضطراب کی انتہا نہ رہی۔ اس کے جاں نثار کٹ کٹ کر گر رہے تھے اور اسے خود بھی اپنی

موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ اس اضطراب کی حالت میں کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ یکایک خالدؓ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کے محافظین پر ایک بھرپور حملہ کر کے تلوار کے جوہر دکھانے شروع کیے۔

یہ دیکھ کر مسیلمہ کے ساتھیوں نے اس کو پکار کر پوچھا:

"آپ کے وہ وعدے' جو اپنی فتح کے متعلق آپ نے ہم سے کیے تھے' کہاں گئے؟"

مسیلمہ کا فرار

اس وقت مسیلمہ کے حوصلے ختم ہو چکے تھے اور اس نے میدان جنگ سے بھاگنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے پیٹھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"اپنے حسب ونسب کی خاطر لڑتے رہو۔"

لیکن اب وہ کیا لڑتے جب ان کا سردار انہیں مسلمانوں کی تلواروں کے سپرد کر کے انتہائی بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے راہ فرار اختیار کر چکا تھا۔

بنی حنیفہ کے ایک سردار محکم بن طفیل نے جب لوگوں کو بھاگتے اور مسلمانوں کو ان کا پیچھا کرتے دیکھا تو پکار پکار کر کہنے لگا۔

"اے بنو حنیفہ! باغ میں داخل ہو جاؤ۔"

یہ باغ جسے حدیقۃ الرحمٰن کہا جاتا تھا' میدان جنگ سے قریب ہی تھا اور مسیلمہ کی ملکیت میں تھا۔ یہ بہت طویل وعریض تھا اور قلعے کی طرح اس کے چاروں طرف بلند دیواریں کھڑی تھیں۔ محکم بن طفیل کی آواز سن کر لوگوں نے اس باغ کی طرف بھاگنا شروع کیا (جس میں مسیلمہ پہلے ہی داخل ہو چکا تھا) لیکن محکم اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مسلمانوں کو بنی حنیفہ کے تعاقب سے روکنے کے لئے میدان جنگ ہی میں رہ گیا تھا۔ اس نے بہت بہادری سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور آخر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ایک تیر سے' جو اس کے سینے میں لگا اس کا کام تمام ہو گیا۔

باغ کا محاصرہ

مسیلمہ اور اس کی قوم باغ میں پناہ گزین ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے لئے باغ

کا محاصرہ کر لینے اور کامل فتح کے حصول تک وہاں سے نہ ٹلنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ باغ کے چاروں طرف مسلمانوں نے پڑاؤ ڈال دیا اور کسی ایسی کمزور جگہ کی تلاش کرنے لگے جہاں سے باغ میں گھس کر اس کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو سکیں لیکن انتہائی تلاش کے باوجود انہیں ایسی کوئی جگہ نہ ملی۔

آخر براء بن مالک نے کہا:

''مسلمانو! اب صرف یہ راستہ ہے کہ تم مجھے اٹھا کر باغ میں پھینک دو۔ میں اندر جا کر دروازہ کھول دوں گا۔''

لیکن مسلمان یہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ ان کا ایک بلند مرتبت ساتھی ہزاروں دشمنوں میں گھر کر اپنی جان گنوا دے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا لیکن براء نے اصرار کرنا شروع کیا اور کہا:

''میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھ باغ کے اندر پھینک دو۔''

آخر مجبور ہو کر مسلمانوں نے انہیں باغ کی دیوار پر چڑھا دیا۔ دیوار پر چڑھ کر جب براء نے دشمن کی زبردست جمعیت کی جانب نظر دوڑائی تو ایک لمحے کے لئے ٹھٹکے لیکن پھر اللہ کا نام لے کر باغ کے دروازے کے سامنے کود پڑے اور دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرتے' دائیں بائیں لوگوں کو قتل کرتے' دروازے کی طرف بڑھتے گئے۔ آخر بیسیوں آدمیوں کے قتل کے بعد دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور آگے بڑھ کر بڑی پھرتی سے اسے کھول دیا۔

بنی حنیفہ کا قتل

مسلمان' باہر دروازہ کھلنے کے منتظر تھے ہی۔ جونہی دروازہ کھلا' وہ باغ میں داخل ہو گئے اور تلواریں سونت کر دشمنوں کو بے دریغ قتل کرنے لگے۔ بنو حنیفہ مسلمانوں کے سامنے سے بھاگنے لگے لیکن باغ سے باہر وہ کس طرح نکل سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ اس وقت باغ اس مذبح کی صورت

پیش کر رہا تھا جہاں بھیڑ اور بکریاں قصاب کو چھری ہاتھ میں لے لئے انہیں ذبح کرنے کے لئے اپنی طرف آتا دیکھتی ہوں لیکن بے بسی کی حالت میں کچھ نہ کرسکتی ہوں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ صرف براء نہیں بلکہ اور بھی کئی مسلمانوں نے دیواریں پھاند کر دروازے کا رخ کیا تھا۔ چونکہ براء نے دروازے کے بالکل قریب دیوار پھاندی تھی۔ اس لئے دروازے پر سب سے پہلے وہی پہنچے اور لڑتے بھڑتے دروازہ کھول دیا۔ بنو حنیفہ نے ان مٹھی بھر مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کی لیکن دیوار پر جو مسلمان متعین تھے انہوں نے تیر مار مار کر انہیں مسلمان سے دور رکھا۔

مسیلمہ کا قتل

مسلمانوں نے اگرچہ باغ میں گھس کر بنو حنیفہ کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا تھا' مگر بنو حنیفہ نے بھی بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ طرفین کے کثیر آدمی اس معرکے میں قتل ہوئے لیکن بنی حنیفہ کے مقتولوں کی تعداد مسلمانوں سے بیسیوں گنا تھی۔ حبشی غلام وحشی' جس نے جنگ احد میں حمزہ بن عبد المطلب کو شہید کیا تھا اور جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گیا تھا' اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے مسیلمہ کو باغ میں دیکھا اور اپنا چھوٹا سا نیزہ تاک کر مسیلمہ کے مارا جو سیدھا اسے جا کر لگا اسی وقت ایک انصاری نے بھی مسیلمہ پر تلوار کا وار کیا۔ وحشی کہا کرتا تھا' اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم میں سے کس نے اسے قتل کیا؟ لیکن مسیلمہ اگر مرنے کے بعد زندہ ہوتا تو ہمیشہ ہی یہ کہتا کہ اسے اس سیاہ فام غلام نے قتل کیا ہے؟''

جب بنو حنیفہ نے مسیلمہ کی خبر موت سنی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ مسلمانوں نے انہیں بے تحاشا قتل کرنا شروع کیا۔ عرب میں اس وقت تک جتنی جنگیں ہوئی تھیں یمامہ سے بڑھ کر کسی بھی جنگ میں اتنی خونریزی نہ ہوئی تھی۔ اس لئے حدیقۃ الرحمن کا نام حدیقۃ الموت پڑ گیا اور آج تک تاریخ کی کتابوں میں یہی نام چلا آتا ہے۔

جب باغ کا معرکہ ختم ہو چکا تو خالدؓ اپنے خیمے سے مجاعہ کو لے کر آئے اور اس

سے کہا کہ وہ مقتولین کو دیکھ کر بتائے ان میں مسیلمہ کون سا ہے۔ مسلمان خود بھی مقتولین کی شناخت کے لئے باغ میں پھرنے لگے۔ جب وہ محکم الیمامہ کے پاس سے گذرے تو خالدؓ نے پوچھا:

''کیا یہ ہے تمہارا صاحب؟''

مجاعہ نے جواب دیا نہیں' یہ تو محکم الیمامہ ہے جو مسیلمہ سے بہت بہتر اور نیک انسان تھا۔ آخر پھرتے پھرتے وہ ایک زرد ٹھگنے قد کے لاشے پر پہنچے۔ مجاعہ نے کہا یہ مسیلمہ ہے جسے تم نے قتل کر دیا ہے۔ خالدؓ نے کہا:

''یہ وہی شخص ہے جس نے تمہیں گمراہ کر کے ایک عظیم فتنہ برپا کر دیا تھا۔''

مفرورین کا تعاقب اور محاصرہ

اگرچہ مسیلمہ کا فتنہ ختم ہو چکا تھا اور وہ میدان جنگ میں اپنے ہزاروں آدمیوں کے ہمراہ مارا جا چکا تھا لیکن خالدؓ ابھی مطمئن نہ تھے۔ جنگوں میں آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اس وقت تک دشمن کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے جب تک اس کی مخالفانہ سرگرمیاں دوبارہ شروع ہونے کا معمولی سا خدشہ بھی باقی رہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے طلیحہ کے مفرور ہو جانے کے باوجود اس وقت تک بنو اسد سے جنگ بند نہ کی جب تک ام زمل اور اس کے لشکر کا خاتمہ نہ کر دیا۔ پھر بنی تمیم کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے والے ایک ایک شخص کا تیا پانچہ نہ کر دیا۔ یہی کام آپ نے اس موقع پر بھی کیا۔

جب خالدؓ حدیقۃ الموت کے معرکے سے فارغ ہو چکے تو عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے ان سے کہا کہ اب لشکر کو کوچ کا حکم دیجئے اور چل کر بنی حنیفہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیجئے کیونکہ بقیہ لوگ فرار ہو کر اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ خالدؓ نے جواب دیا فی الحال تو میں دستوں کو ان لوگوں کی تلاش میں روانہ کر رہا ہوں جو قلعوں میں نہیں گئے بلکہ ارد گرد کے علاقوں میں پھر رہے ہیں' اس کے بعد جو ہوگا سو دیکھا جائے گا' چنانچہ انہوں نے چاروں طرف دستے روانہ کئے جو ارد گرد سے مال غنیمت اور عورتوں' بچوں

کو لے آئے۔ خالدؓ نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور فوج کو ہدایت کی کہ اب وہ چل کر بنی حنیفہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لے تاکہ ان لوگوں میں جو دم خم باقی ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

صلح کی بات چیت

لیلیٰ ام تمیم کو بنی حنیفہ کے ہاتھوں سے بچانے اور مسیلمہ کے بارے میں سچی باتیں کہنے کے باعث خالدؓ کو مجاعہ پر پورا بھروسا ہو گیا تھا۔ جب مسلمان بنی حنیفہ کے قلعوں کا محاصرہ کر چکے تو وہ خالدؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا "آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے بنوحنیفہ پر فتح حاصل کر لی ہے۔ یمامہ کے قلعوں میں ہمارے جنگجوؤں کی ایک بھاری تعداد اسلحہ سے لیس ابھی تک موجود ہے۔ وہ لوگ بہت سختی سے آپ کا مقابلہ کریں گے۔ اگر آپ لڑائی سے بچنا چاہتے ہیں تو مجھے کچھ دیر کے لئے شہر میں جانے کی اجازت دیجئے۔ میں انہیں صلح پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

خالدؓ کو معلوم تھا کہ لشکر کے لوگ لڑائی سے تنگ آ چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بنو حنیفہ پر جو فتح انہوں نے حاصل کی تھی' اسی پر اکتفا کریں اور مزید جنگ و جدل سے پرہیز کریں۔ انہوں نے سوچا کہ مجاعہ کی بات مان لینی چاہئے۔ چنانچہ اسے جانے کی اجازت تو مرحمت فرما دی لیکن یہ کہہ دیا کہ صلح میں بنوحنیفہ کو غلام نہ بنانے کی شرط شامل نہ ہو گی۔

مجاعہ کی چال بازی

مجاعہ نے شہر میں جا کر دیکھا کہ وہاں عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کے سوا اور کوئی نہیں اس نے انہیں ذرہ بکتر پہنائے اور سکھا دیا کہ وہ سب قلعے کی فصیل پر جمع ہو جائیں تاکہ مسلمان انہیں دیکھ کر ان کی کثرت تعداد سے دھوکا کھا جائیں اور ہماری پیش کردہ شرائط پر صلح کر لیں چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا اور زرہ بکتر پہن کر اور تلواریں اور نیزے ہاتھ میں لے کر فصیل پر پہنچ گئے۔ جب باہر سے خالدؓ اور مسلمانوں نے یہ نظارہ دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ مجاعہ نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا۔ واقعی ابھی بنوحنیفہ میں دم خم باقی ہے۔ اور وہ ابھی مزید لڑنے کی تاب رکھتے ہیں

خالد رضی اللہ عنہ اور بنو حنیفہ میں صلح

تھوڑی دیر میں مجاعہ بھی پہنچ گیا اور کہا: میری قوم آپ کی شرائط پر صلح کرنا نہیں چاہتی اور میں نے آپ سے جو عہد و پیمان کئے تھے' وہ انہیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ خالد دوبارہ لڑائی چھیڑنا نہ چاہتے تھے۔ انہوں نے مجاعہ سے کہا: ہم نصف مال اسباب' نصف مزروعہ باغات اور نصف قیدیوں کو بنی حنیفہ کے لئے چھوڑ دیں گے۔ تم انہیں جا کر سمجھاؤ کہ وہ اپنے آپ کو تباہی میں نہ ڈالیں اور صلح کر لیں۔ مجاعہ دوبارہ شہر میں گیا اور واپس آ کر کہا: وہ لوگ ان شرائط پر بھی صلح کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آپ چوتھائی مال اسباب لینے پر رضا مند ہو جائیں۔ خالدؓ راضی ہو گئے اور صلح نامہ لکھا گیا۔ صلح کے بعد جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں کسی جوان مرد کا نام و نشان بھی نہیں۔ انہوں نے مجاعہ سے پوچھا کہ تم نے مجھ سے دھوکا کیوں کیا؟ اس نے کہا

''میری قوم تباہ ہو جاتی۔ میرا فرض تھا کہ ان کی جانیں بچاؤں۔ اس لئے میں نے یہ تدبیر اختیار کی۔''

خالدؓ نے اس کا عذر قبول کر لیا اور صلح نامہ برقرار رکھا۔ یہ روایت بھی آئی ہے کہ صلح نامہ لکھے جانے سے پہلے جب مجاعہ شہر میں گیا اور لوگوں سے صلح کی بات چیت کی تو ایک شخص سلمہ بن عمیر الحنفی نے کہا ''واللہ! ہم تمہاری بات کبھی نہ مانیں گے کیونکہ ہمارے قلعے مضبوط ہیں' سامان خوراک وافر مقدار میں ہمارے پاس موجود ہے' سردی کا موسم بھی شروع ہو چکا ہے' مسلمان سخت سردی کی تاب نہ لا کر محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

مجاعہ نے جواب دیا:

''یہ محض تمہاری خوش فہمی ہے تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں صلح پر آمادہ کر کے تم لوگوں سے دھوکا کرنے لگا ہوں' حالانکہ یہ بات نہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ ابن مسیلمہ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے کہا تھا۔ ''اے لوگو! قبل اس کے کہ تمہاری عورتیں قیدی بنالی جائیں اور غیر جگہ ان کے نکاح کر دیئے جائیں' تم مسلمانوں کو جاہ و برباد کر دو میں بھی تمہیں

اسی خطرے سے بچانے کے لئے آیا ہوں۔ تم صلح کرلو اور اپنی جان کے دشمن نہ بنو۔"

جب لوگوں نے مجاعہ کی باتیں سنیں تو وہ صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور سلمہ بن عمیر کی بات کو ناقابل عمل سمجھ کر ترک کر دیا۔

بنی حنیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

دریں اثناء ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قاصد خالد رضی اللہ عنہ کے پاس یہ حکم لے کر آیا کہ اس شخص کو جو لڑائی کے قابل ہو قتل کر دیا جائے لیکن خالدؓ ان سے صلح کر چکے تھے۔ انہوں نے صلح توڑنا اور بدعہدی کرنا نہ چاہا، اس کے بعد بنو حنیفہ بیعت کرنے اور مسیلمہ کی نبوت سے برائت کا اظہار کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ یہ تمام لوگ خالدؓ کے پاس لائے گئے جہاں انہوں نے بیعت کی اور اپنے دوبارہ اسلام لانے کا اعلان کیا۔ خالدؓ نے ان کا ایک وفد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ روانہ فرمایا۔ جب وہ لوگ ابوبکرؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"آخر تم لوگ مسیلمہ کے پھندے میں پھنس کر کس طرح گمراہ ہو گئے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہمارا سارا حال آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ مسیلمہ نہ اپنے آپ کو فائدہ پہنچا سکا اور نہ اس کے رشتہ داروں اور قوم کو اس سے کوئی فائدہ حاصل ہوا۔"

مجاعہ کا فریب اور خالد رضی اللہ عنہ کی مصالحت

اس موقع پر شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ آخر خالدؓ مجاعہ کی فریب دہی کے باوجود کس طرح مصالحت پر تیار ہو گئے حالانکہ ان کی سختی ضرب المثل بن چکی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہونے کے علاوہ بنی حنیفہ کی جنگوں میں اس قدر خون ریزی ہو چکی تھی کہ خالدؓ نے آخر ان سے درگزر کرنا اور رعایات سے بہرہ ور کرنا ہی مناسب خیال کیا۔

بنی حنیفہ کے مقتولین کی تعداد

روایات سے پتا چلتا ہے کہ حدیقۃ الموت کی لڑائی میں سات ہزار بنی حنیفہ قتل ہوئے تھے۔ میدان جنگ میں بھی ان کے مقتولین کی تعداد سات ہزار تھی۔ اس کے بعد جب خالدؓ نے اپنے دستوں کو مفرورین کے تعاقب میں روانہ کیا تو بھی سات ہزار آدمی قتل ہوئے جو صلح مجاعہ کے ذریعے سے پایہ تکمیل کو پہنچی اس کی رو سے سارا مال غنیمت' جو سونے چاندی اور ہتھیاروں پر مشتمل تھا' مسلمانوں کی ملکیت ٹھہرا اس کے علاوہ چوتھائی قیدی بھی ان کے حصے میں آئے۔ بنی حنیفہ کی بستیوں اور علاقے میں جو باغات اور مزروعہ زمینیں تھیں ان پر بھی خالدؓ کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔

یہ درست ہے کہ مجاعہ نے اپنی قوم کے بقیۃ السیف لوگوں کو قتل ہونے سے بچا لیا تھا لیکن یہ تمام لوگ دوبارہ اسلام قبول کر کے ابوبکرؓ کی حکومت تسلیم کر چکے تھے، اس لئے اب خالدؓ کے واسطے کوئی وجہ ایسی باقی نہ رہی تھی جس سے وہ مجاعہ پر ناراض ہوتے یا اس سے انتقام لیتے۔

مسلمان شہداء کی تعداد

اس جنگ میں جہاں بنی حنیفہ کے مقتولین کی تعداد پچھلی تمام جنگوں سے زیادہ تھی وہاں مسلمان شہداء کی تعداد بھی پچھلی تمام جنگوں کو مات کر گئی تھی۔ اس جنگ میں مسلمان شہداء کی تعداد بارہ سو تھی، تین سو ستر مہاجرین' تین سو انصار اور باقی دیگر قبائل کے لوگ۔ ان شہداء میں تین سو ستر صحابہ کبار از قرآن کے حافظ بھی تھے جن کا مقام اور درجہ مسلمانوں میں بے حد بلند تھا۔ اگرچہ ان حافظوں کی شہادت سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا لیکن بعض اوقات ایک نقصان وہ چیز بھی آخر فائدے کا موجب بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ابوبکرؓ نے اس ڈر سے کہ کہیں آئندہ جنگوں میں بقیہ حافظوں سے بھی مسلمانوں کو ہاتھ نہ دھونے پڑیں' قرآن جمع کرنے کا حکم دے دیا اور اس طرح پہلی مرتبہ قرآن کریم ایک جلد میں مدون کیا گیا۔

مسلمانوں کا حزن والم

مسلمانوں کی بھاری تعداد کے شہید ہو جانے سے ان کے رشتہ داروں کو جس صدمے سے دوچار ہونا پڑا تھا' اس کی تلافی صرف یہ چیز کر سکتی تھی کہ گو مسلمانوں کو کئی قیمتی جانوں کا نقصان اٹھانا پڑا پھر بھی فتح کا شرف انہیں کے حصے میں آیا۔ عمرؓ بن خطاب کے صاحبزادے عبداللہ جنگ یمامہ میں بہادری کے عظیم کارنامے انجام دینے کے بعد مدینہ واپس آئے تو ان کے والد نے کہا:

"جب تمہارے چچا زید شہید ہو گئے تھے تو تم واپس کیوں آ گئے اور کیوں نہ اپنا چہرہ مجھ سے چھپا لیا؟"

صرف عمرؓ ہی کا یہ حال نہ تھا' مکہ اور مدینہ کے سینکڑوں گھرانے اپنے بہادروں اور سپوتوں کی شہادت پر خون کے آنسو بہا رہے تھے۔

بنت مجاعہ سے خالد رضی اللہ عنہ کی شادی

کیا خالد رضی اللہ عنہ بھی غم اور حزن سے اسی طرح بے تاب تھے جس طرح دوسرے مسلمان؟ اور کیا انسانی خون کے مہیب و دہشت ناک سیلاب اور لاشوں کی کثرت نے ان کے دل میں گھبراہٹ کا کوئی جذبہ پیدا کیا تھا؟ ہرگز نہیں، اگر خالد رضی اللہ عنہ کی بھی یہ حالت ہوتی تو وہ آئندہ کبھی سپہ سالاری کے قابل نہ رہتے اور انہیں عراق و شام کے فاتح بننے کا فخر کبھی حاصل نہ ہوتا۔ اسی لئے نہ خالد رضی اللہ عنہ کو اس دوران میں کسی قسم کا خوف لاحق ہوا اور نہ انہوں نے کسی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار کیا۔

جونہی صلح نامے کی تکمیل سے فارغ ہوئے' انہوں نے مجاعہ کو بلا بھیجا اور کہا اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دو۔ مجاعہ نے لیلیٰ ام تمیم کا واقعہ' دارالحکومت میں خالدؓ کی طلبی اور ابوبکرؓ کی ناراضگی کا حال سنا ہوا تھا اس لئے اس نے جرأت کر کے کہا: "مجھے اس سے معاف کیجئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ میری کمر توڑ دینے کا موجب بنیں گے اور خود بھی ابوبکرؓ کے عتاب سے نہ بچ سکیں گے۔"

''تمہیں اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرنی پڑے گی۔''

اس پر مجبوراً مجاعہ کو اپنی بیٹی کی شادی خالدؓ سے کرنی پڑی۔

اس شادی پر ابوبکر ﷜ کی ناراضگی

جب خالد ﷜ کے اس فعل کی اطلاع ابوبکر ﷜ کو ہوئی تو انہیں شدید غصہ آیا۔ ام تمیم کے واقعے پر انہوں نے یہ کہہ کر خالدؓ کی مدافعت کی تھی کہ انہوں نے مالک کی بیوی سے شادی کرنے کے لئے اسے قتل نہ کیا تھا بلکہ یہ محض غلط فہمی کی بناء پر ہوا تھا پھر اس موقع پر کسی ایک بھی مسلمان کی جان ضائع نہ ہوئی تھی لیکن مجاعہ کی بیٹی سے شادی تو اس حال میں ہوئی کہ بارہ سو مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں میدان جنگ میں پڑی تھیں اور تمام قبائل عرب میں ایک ماتم برپا تھا۔ وہ بے حد حلیم الطبع ہونے کے باوجود اپنے غصے پر قابو نہ پا سکے اور خالدؓ کو ایک سخت خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے طبری کے قول کے مطابق خون ٹپکتا تھا۔ انہوں نے تحریر فرمایا:

''اے خالدؓ بن ولید! تمہیں کیا ہوا؟ تم عورتوں سے نکاح کرتے پھرتے ہو حالانکہ تمہارے خیمے کے سامنے بارہ مسلمانوں کا خون زمین پر پھیلا ہوا ہے جس کے خشک ہونے کی بھی نوبت نہیں آئی۔''

خالد ﷜ کو ابوبکر ﷜ کے خط سے بہت رنج ہوا۔ انہوں نے سر ہلا کر کہا ''ہو نہ ہو یہ سب کچھ عمرؓ بن خطاب کی کارستانی ہے'' لیکن یہ معاملہ ابوبکرؓ کے خط اور اس پر خالدؓ کے اظہار افسوس سے آگے نہ بڑھا۔

یمامہ کی جنگ میں خالدؓ نے مرتدین کی کمر توڑ ڈالی تھی اور اب ان کے لئے خاموشی سے ابوبکر ﷜ کی اطاعت اور دوبارہ اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تھا۔ مہرہ، عمان اور یمن کی جنگیں، جو جنگ یمامہ کے بعد وقوع پذیر ہوئیں، جنگ یمامہ سے زیادہ خطرناک نہ تھیں اس لئے ابوبکر ﷜ کو قدرے اطمینان کا سانس لینے اور خالد ﷜ کو تھوڑا آرام کرنے کا موقع مل گیا۔ خالد ﷜ مجاعہ کی بیٹی اور ام تمیم کو لے کر یمامہ

کی ایک وادی "ویر" میں مقیم ہو گئے حالانکہ انہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب سے عراق جا کر ایرانیوں سے لڑنے کا حکم ملا تھا۔ (حضرت ابوبکر صدیق اکبر از محمد حسین ہیکل)

حضرت ابوبکر کی طرف سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو عراق جانے کا حکم

خالد رضی اللہ عنہ یمامہ کی مہم سے فارغ ہو کر ابھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ اور اس میں داخل ہو جاؤ اور ہندی سرحد سے آغاز کرو جو ابلہ کے نام سے مشہور ہے۔ فارس کے لوگوں اور وہاں کی دوسری اقوام کی تالیف قلوب کرو۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو کوفے کی طرف جانے کا حکم دیا تھا جہاں کے حاکم مثنیٰ بن حارثہ تھے اور خالد محرم ۱۲ھ میں بصرے سے ہوتے ہوئے، جس کا رئیس قطبہ سدوسی تھا، کوفے پہنچے۔

مگر واقدی کہتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ کے اس سفر کے متعلق مختلف قول ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ یمامہ سے سیدھے عراق چلے گئے اور کوئی کہتا ہے کہ پہلے یمامہ سے مدینہ واپس آئے اور پھر کوفے کے راستے سے عراق کا سفر کر کے حیرہ پہنچے۔

ابن صلوبا کی حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے مصالحت

صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو عراق جانے کا حکم دیا۔ خالد رضی اللہ عنہ عراق روانہ ہوئے وہاں جا کر سواد کی بستیوں بانقیا، باردسما اور اُلیس میں ٹھہرے۔ یہاں کے باشندوں نے خالد رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ آپ سے یہ مصالحت ابن صلوبا نے کی تھی۔ یہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے جزیہ لینا قبول کر لیا اور حسب ذیل تحریر ان کو لکھ دی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وثیقہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابن صلوبا سوادی باشندۂ ساحل فرات کے حق میں لکھا جاتا ہے چونکہ تم نے جزیہ دے کر جان بچائی ہے اس لیے تم کو خدا کی امان دی جاتی ہے۔ تم نے جزیے کی یہ رقم ایک

ہزار درہم اپنی طرف سے اور اپنے خراج دینے والوں اور جزیرے اور بانقیا، باروسما کے باشندوں کی طرف سے ادا کی ہے میں اسے قبول کرتا ہوں۔ میرے ساتھ کے تمام مسلمان اس تصفیے پر تم سے خوش ہیں۔ آج سے تم کو اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی حفاظت میں لیا جاتا ہے۔"

ہشام بن ولید نے اس عہدنامے پر اپنی گواہی کے دستخط کیے۔

حضرت خالدؓ کی فتوحاتِ عراق

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

عراق کا ڈیلٹائی علاقہ ہی اپنی خوبصورتی اور زرخیزی کے باعث عدیم المثال نہ تھا بلکہ دجلہ اور فرات کا علاقہ بھی' جو تقریباً تین سو میل لمبا تھا' سارے کا سارا قدرتی نظاروں سے معمور تھا۔ زمین کی زرخیزی اور شادابی کے علاوہ یہ علاقہ تاریخی لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے چپے چپے پر آثار قدیمہ بکھرے پڑے تھے اور زبان حال سے پرہیبت بادشاہتوں اور پرشکوہ سلطنتوں کی داستانیں ہر آنے جانے والے کو سنا رہے تھے۔ چنانچہ شہر "ار" جس کے آثار ہمارے زمانے میں دریافت ہوئے ہیں اور جس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شہر اس زمانے میں تعمیر ہوا تھا جب فراعنہ مصر پر حکمران تھے' اسی منطقے میں واقع تھا۔ شمالی جانب تھوڑا سا اور آگے بڑھنے پر قدیم شہر بابل کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ دریائے فرات کے کنارے بابل کا برج اب تک کھڑا شورہین کی عظمت وشوکت کی داستان بیان کر رہا ہے۔ اسی دریائے فرات کے ساحل پر ساسانی جاہ وجلال کا مظہر اور ایرانی سلطنت کا دارالحکومت مدائن آباد تھا' جس کی ثروت اور شان وشوکت کا شہرہ اقصائے عالم تک پھیلا ہوا تھا۔

باغات کی کثرت' غلے کی فراوانی اور دلفریب قدرتی مناظر کے باعث یہ علاقہ جنت ارضی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اسی لیے مثنیٰ شیبانی نے حضرت ابوبکرؓ

کے سامنے ساری صورتحال بیان کی تو وہ اس علاقے میں اسلامی فوجیں بھیجنے پر رضامند ہو گئے۔ مثنیٰ کا منشاء یہ تھا کہ عراق کے ڈیلٹائی علاقے میں اسلامی فوجیں بھیج کر عرب قبائل کو ظلم و ستم کے اس لامتناہی چکر سے نجات دلائی جائے جو ایرانی حکام کی طرف سے ان پر روا رکھا جا رہا تھا اور اس طرح انہیں ممنون احسان بنا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔ اگر ایرانی حکام لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہ کریں تو فبہا ورنہ حکومت ایران سے باقاعدہ ٹکر لے کر حریت ضمیر اور مذہبی آبادی کے لئے راستہ صاف کیا جائے اور دلائل و براہین کے ذریعے سے دین حقہ کی اشاعت کے سامان فراہم کئے جائیں۔

کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کے اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ انہیں بلایا اور عراق کے تمام حالات سنا کر مثنیٰ کی یہ درخواست ان کے سامنے پیش کی کہ ان کی قوم کا سردار بنا کر ایرانیوں سے نبرد آزما ہونے اور اس طرح ایک ایسا فرض ادا کرنے کا موقع دیا جائے جس کی بجا آوری درحقیقت اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

چونکہ اہل مدینہ عراق کے حالات سے بالکل ناواقف تھے اور انہیں ڈر تھا کہ سلطنت ایران پر چڑھائی کر کے اسلامی افواج کہیں الٹی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے مشورہ دیا کہ خالدؓ بن ولید کو بلا کر یہ سارا معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جائے اور جو رائے وہ دیں' اس پر عمل کیا جائے۔ خالدؓ بن ولید اس زمانے میں جنگ عقرباء سے فارغ ہو کر اپنی دونوں بیویوں' ام تمیم اور بنت مجاعہ' کے ہمراہ یمامہ ہی میں مقیم تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں فوراً مدینہ طلب فرمایا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ نے عراق پر فوج کشی کے متعلق مثنیٰ کی تجاویز ان کے سامنے رکھیں تو انہوں نے بلا پس و پیش ان پر صاد کر دیا۔

خالدؓ نے خداداد فراست کی بناء پر بھانپ لیا تھا کہ مثنیٰ نے حدود عراق میں ایرانیوں کے خلاف جو کارروائی شروع کی ہے' اگر خدانخواستہ وہ ناکام ہو گئی اور مثنیٰ کی

فوج کو عرب کی جانب پسپا ہونا پڑا تو ایرانی حکام دلیر ہو جائیں گے۔ وہ صرف مثنیٰ کی فوج کو عراق کی حدود سے باہر نکالنے پر اکتفا نہ کریں گے بلکہ بحرین اور اس کے ملحقہ علاقوں پر دوبارہ اثر و رسوخ قائم کرنے اور تسلط بٹھانے کی کوشش بھی کریں گے اور اس طرح اسلامی حکومت کو سخت خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اس خطرے سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے' وہ یہ کہ دربار خلافت سے مثنیٰ کو قرار واقعی امداد مہیا کی جائے اور ایرانیوں کو عرب کی حدود میں اثر و رسوخ جمانے کے بجائے مزید پسپائی پر مجبور کیا جائے تاکہ ان کی جانب سے آئندہ کبھی عرب کو کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مثنیٰ کی تقرری

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی رائے سن کر دیگر اصحاب نے بھی مثنیٰ کی تجاویز قبول کر لیں اور حضرت ابوبکرؓ سے عرض کر دیا کہ انہیں مثنیٰ کی امارت پر کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے مثنیٰ کو ان کی خواہش کے پیش قدمی نظر ان لوگوں کا سردار مقرر کر دیا جنہیں ہمراہ لے کر انہوں نے عراقی حدود میں پیش قدمی کی تھی اور حکم دیا کہ فی الحال وہاں کے عرب قبائل کو ساتھ ملانے اور اسلام قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ جلد ہی مدینہ سے ایک لشکر بھی ان کی امداد کے لئے روانہ کیا جائے گا۔ جس کی مدد سے وہ مزید پیش قدمی جاری رکھ سکیں گے۔

یہ ہے وہ روایت جسے ہمارے خیال میں دوسری روایات پر ترجیح حاصل ہے' لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ نہ مثنیٰ امداد کی درخواست کرنے کے لئے مدینہ گئے اور نہ حضرت ابوبکرؓ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ ڈیلٹائی علاقے میں پیش قدم کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ آگے جا کر انہیں ایرانی سپہ سالار ہرمز کی افواج کا سامنا کرنا پڑا ابھی ہرمز اور مثنیٰ کے درمیان جنگ جاری تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی ان واقعات کی خبر ہو گئی۔ وہ اس وقت تک مثنیٰ کے نام سے بالکل بے خبر تھے۔ ان خبروں کے پہنچنے پر جب انہوں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ مثنیٰ نے جنگہائے ارتداد

کے دوران میں بحرین کے اندر متعدد کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ انہوں نے خالدؓ بن ولید کو حکم دیا کہ وہ ایک لشکر کے ہمراہ مثنیٰ کی مدد کے لئے عراق جائیں اور ہرمز پر فتح یاب ہو کر لخمی عربوں کے دارالحکومت حیرہ کی جانب کوچ کریں۔ ساتھ ہی عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ دومتہ الجندل جائیں اور وہاں کے متمرد اور مرتد باشندوں کو مطیع کر کے حیرہ پہنچیں۔ دونوں قائدوں میں سے جو پہلے حیرہ پہنچ جائے اسی کو اس علاقے میں جنگی کارروائی کرنے والی فوجوں کی قیادت حاصل ہو گی۔

پہلی روایت کے مقابلے میں دوسری روایت ہمارے نزدیک قابل ترجیح نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اسے صحیح ہی نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ ہے کہ اس عہد کے متعلق ہمارے پاس جو روایات پہنچی ہیں، ان میں بے حد اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ ابتدائی مورخین طبری اور ابن اثیر وغیرہ بھی یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کس روایت کو ترجیح دیں اور کسے نہ دیں۔

بعد میں آنے والے بعض مورخین کا خیال ہے کہ خالدؓ اپنی فوجوں کے ہمراہ جب عراق کے ڈیلٹائی علاقے میں پہنچے تو ان کے سامنے کوئی معین مقصد اور پہلے سے تیار شدہ منصوبہ نہ تھا۔ وہ صرف مثنیٰ کی مدد اور انہیں ایرانیوں کے لشکر سے نجات دلانے کے لئے آئے تھے۔ لیکن جب ابتدائی جنگوں میں انہیں کامیابی نصیب ہوئی تو انہوں نے بہ طور خود پیش قدمی کا ایک منصوبہ بنا کر حضرت ابوبکرؓ کی اجازت حاصل کئے بغیر حیرہ اور شمالی عراق کی جانب بڑھنا شروع کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں صرف خمس بھیجنے اور انہیں جنگی صورتحال سے آگاہ کرنے پر اکتفا کیا۔

لیکن یہ روایت ضعیف معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مقرر کردہ قائدین کو واضح طور پر یہ احکام بھیج رکھے تھے کہ وہ کسی جنگ سے فارغ ہونے کے بعد اگلا قدم اس وقت تک نہ اٹھائیں جب تک ان سے اجازت حاصل نہ کر لیں۔ جنگ ہائے ارتداد اور بعد میں عراق و شام کی فتوحات کے دوران میں دیکھا جاتا ہے کہ تمام قائدین نے حضرت ابوبکرؓ کی اس ہدایت پر پوری طرح عمل کیا۔ اس لئے ممکن نہیں کہ

خالدؓ عراق میں پیش قدمی کرتے وقت یہ واضح وضروری ہدایت نظرانداز کردیتے اور بہ طور خود ایک منصوبہ بنا کر خلیفہ کی اجازت حاصل کئے بغیر اس پر عمل شروع کردیتے۔

خالد ﷺ کی روانگی

خالد ﷺ یمامہ کی مہم سے فارغ ہو کر ابھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکر ﷺ نے ان کو لکھا کہ عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ اور اس میں داخل ہو جاؤ اور ہندی سرحد سے جو ابلہ کے نام سے مشہور ہے، آغاز کرو۔ اور فارس کے لوگوں اور وہاں کی دوسری اقوام کی تالیف قلوب کرو بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو کوفے کی طرف جانے کا حکم دیا تھا جہاں کے حاکم مثنیٰ بن حارثہ تھے اور خالدؓ محرم ۱۲ ہجری میں بصرے سے ہوتے ہوئے کوفہ پہنچے، یہاں کے رئیس قطبہ سدوسی تھے۔ مگر واقدی کہتے ہیں کہ خالدؓ کے اس سفر کے متعلق مختلف اقوال ہیں کوئی کہتا ہے کہ وہ یمامہ سے سیدھے عراق چلے گئے اور کوئی کہتا ہے کہ پہلے یمامہ سے مدینے واپس آئے اور پھر کوفے کے راستے سے عراق کا سفر کر کے حیرہ پہنچے۔

اہل عراق سے صلح

صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو عراق جانے کا حکم بھیجا، خالد ﷺ عراق روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر سواد کی بستیوں بانقیا، باروسما اور الیس میں اترے، یہاں کے باشندوں نے خالدؓ سے صلح کر لی۔ آپ سے یہ مصالحت ابن صلوبا نے کی تھی۔ یہ ۱۲ ہجری کا واقعہ ہے۔ خالدؓ نے ان لوگوں سے جزیہ لینا قبول کر لیا۔ اور انہیں درج ذیل تحریر لکھ کر دی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ وثیقہ خالد بن ولید کی طرف سے ابن صلوبا سوادی باشندہ ساحل فرات کے حق میں لکھا جاتا ہے۔ چونکہ تم نے جزیہ دے کر جان بچائی ہے اس لئے تم کو اللہ تعالیٰ کی امان دی جاتی ہے تم نے جزیے کی یہ رقم ایک ہزار

درہم اپنی طرف سے اور اپنے خراج دہندوں اور جزیے اور بانقیا، بارو سما
کے باشندوں کی طرف سے ادا کی ہے۔ میں اس کو قبول کرتا ہوں، میرے
ساتھ کے تمام مسلمان اس فیصلے پر تم سے خوش ہیں۔ آج سے تم کو اللہ، اللہ
کے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی حفاظت میں لیا جاتا ہے۔"

ہشام بن ولید نے اس عہد نامے پر اپنی گواہی کے دستخط کیے۔

حیرہ والوں سے صلح

یہاں سے فارغ ہو کر خالدؓ اپنی افواج کو لے کر حیرہ پہنچے وہاں کے شرفاء قبیصہ بن ایاس کی سرکردگی میں آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ کسریٰ نے نعمان بن منذر کے بعد قبیصہ کو حیرہ کا امیر مقرر کر دیا تھا۔ خالدؓ نے اس کو اور اس کے رفقاء کو مخاطب کر کے کہا

"میں تم کو اللہ کی طرف اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم اسلام قبول کرتے ہو تو تم مسلمانوں میں داخل ہو جاؤ گے نفع نقصان میں تم اور وہ برابر ہونگے اگر اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تو جزیہ دینا قبول کرو، اگر جزیے سے بھی انکار ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے سر پر ایسی قوم کو چڑھا کر لایا ہوں جو زندگی سے زیادہ موت کو پسند کرتی ہے۔ ہم تمہارے ساتھ جہاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی فیصلہ کر دے۔"

یہ سن کر قبیصہ بن ایاس نے کہا کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے مذہب پر قائم رہ کر جزیہ دینا قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ خالدؓ نے ان لوگوں سے نوے ہزار درہم پر مصالحت کر لی۔ یہ رقم اور ابن صلوبا کی بستیوں کی رقم عراق کا سب سے پہلا جزیہ ہے۔

ہشام ابن الکلبی کی روایت یہ ہے کہ جس وقت خالدؓ یمامہ میں ٹھہرے ہوئے تھے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو لکھا کہ تم شام چلے جاؤ اور عراق سے گذرتے ہوئے اپنے سفر کا آغاز کرو، چنانچہ خالدؓ یمامہ سے روانہ ہو کر بناج میں ٹھہر گئے۔

ایک راوی کا بیان ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پہنچے

اور درخواست کی کہ مجھے میری قوم کا امیر مقرر کر دیجئے میں اپنے پڑوس کے اہل فارس سے جہاد کرونگا اور آپ کی طرف سے اکیلا ان سے نمٹ لونگا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی، مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے وطن واپس آ کر اپنی قوم کو جمع کر کے ایک فوج تیار کی اور اس کو لے کر وہ کبھی کسکر پر اور کبھی زیرین فرات پر حملے کرتے رہے۔

حضرت ابو بکر ؓ کی طرف سے مثنیٰؓ کو خالد کی ماتحتی کا پروانہ

خالد ؓ بناج آئے تو اس وقت مثنیٰ بن حارثہ خفان میں اپنی فوج کے ساتھ مقیم تھے۔ خالدؓ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور حضرت ابو بکرؓ کا خط بھی دیا جس میں آپؓ نے مثنیٰ کو حکم دیا تھا کہ خالد ؓ کی اطاعت کرو، یہ حکم ملتے ہی مثنیٰ فوراً خالدؓ سے جا ملے۔

مگر بنو عجل کا یہ خیال ہے کہ مثنیٰ کے ساتھ ہمارے خاندان کا ایک شخص جہاد کے لئے نکلا تھا اس کا نام مذعور بن عدی تھا، مذعور اور مثنیٰ میں کسی بات پر بگڑ گئی، دونوں نے ابو بکرؓ کو خطوط لکھ کر واقعات کی اطلاع دی۔ ابو بکرؓ نے عجلی کو حکم دیا کہ خالدؓ کے ساتھ شام کو چلے جاؤ اور مثنیٰ کو اپنی جگہ برقرار رکھا۔ اس کے بعد عجلی مصر چلے گئے جہاں انہوں نے بڑے مناسب اور اعزازات حاصل کئے ان کا محل آج تک مصر میں مشہور ہے۔

اہل الیس سے صلح

خالد ؓ آگے بڑھے الیس کا رئیس جابان آپ کے مقابلے میں آیا۔ آپ نے مثنیٰ بن حارثہ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ مثنیٰ اس سے لڑے اور اس کو شکست دی، جابان کے بڑے بڑے سردار ندی کے کنارے مارے گئے، اسی واقعے کی وجہ سے وہ ندی خون کی ندی کے نام سے مشہور ہو گئی، اس کے بعد الیس کے لوگوں نے حضرت خالد ؓ سے صلح کر لی۔

خالد ؓ آگے چل کر حیری کے قریب آئے۔ آزادبہ کی فوجیں مقابلے کے لئے آئیں۔ آزادبہ کسریٰ کی ان تمام فوجی چوکیوں کا افسر اعلیٰ تھا جو کسریٰ کے دارالحکومت سے لے کر عرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ندیوں کے سنگم پر طرفین کی فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مثنیٰ نے

بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا خدا نے دشمن کو شکست دی۔

یہ دیکھ کر اہل حیرہ خالدؓ کے استقبال کے لئے نکلے ان کے ساتھ عبدالمسیح بن عمرو اور ہانی بن قبیصہ بھی تھے، خالدؓ نے عبدالمسیح سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنے باپ کی پشت سے۔ خالدؓ نے پوچھا کہ تم کہاں سے نکلے ہو اس نے جواب دیا اپنی ماں کے پیٹ سے۔ خالدؓ نے فرمایا تم پر افسوس ہے یہ بتاؤ کہ تم کس چیز پر ہو؟ اس نے کہا ہم زمین پر ہیں۔ خالدؓ نے کہا ارے میاں! تم کس شے میں ہو؟ اس نے کہا میں اپنے کپڑوں میں ہوں۔ خالدؓ نے کہا تم کچھ عقل سے بھی کام لیتے ہو؟ عبدالمسیح نے کہا ہاں عقل سے بھی کام لیتا ہوں اور قید سے بھی۔ خالدؓ نے کہا میں تم سے سوال کر رہا ہوں۔ اس نے کہا اور میں آپ کو جواب دے رہا ہوں۔ خالدؓ نے پوچھا تم صلح کے خواہاں ہو یا جنگ کے؟ اس نے کہا ہم صلح چاہتے ہیں۔ آپ نے کہا تو پھر یہ قلعے کس لئے بنائے گئے ہیں؟ اس نے کہا یہ قلعے ہم نے اس لئے بنائے ہیں کہ کوئی بے وقوف آئے تو ہم اسے قید کرلیں اور کوئی سمجھدار آئے تو وہ ان سے بچ کر چلا جائے۔

حیرہ کی دوسری بستی والوں سے صلح

خالدؓ نے اس کے بعد ان لوگوں سے کہا کہ میں تم کو خدا کی، اس کی عبادت کی اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر یہ قبول ہے تو ہمارے اور تمہارے حقوق برابر ہیں۔ اگر اس سے انکار ہے تو جزیہ دو۔ یہ بھی نہیں تو یاد رکھو کہ میں تم پر ایسی قوم کو لے کر آیا ہوں جو موت کو اتنا ہی محبوب رکھتی ہے جتنا کہ تم شراب نوشی کو۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ خالدؓ نے ان سے ایک لاکھ نوے ہزار درہم پر صلح کرلی۔ یہ سب سے پہلا جزیہ تھا جو عراق سے مدینے کو روانہ کیا گیا اس کے بعد خالد بانقیا پہنچے وہاں بصیری بن صلوبا نے آپ سے ایک ہزار درہم اور عبا بطور جزیہ ادا کرنے پر صلح کرلی۔ خالدؓ نے ان لوگوں کو ایک تحریر لکھ دی۔

اہل حیرہ سے خالدؓ نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ یہ لوگ خالدؓ کے لیے جاسوسی کی

خدمت انجام دیں گے جس کو انہوں نے قبول کرلیا۔

اہل مدائن کے نام خالدؓ کی تحریر

شعبی کی روایت ہے کہ بنو بقیلہ نے مجھ کو وہ تحریر دکھلائی ہے جو خالدؓ نے اہل مدائن کے نام لکھی تھی جو حسب ذیل ہے۔

"اما بعد! شکر ہے اس خدا کا جس نے تمہاری شوکت کا خاتمہ کردیا۔ تمہارا ملک چھین لیا، تمہارے فریب کو ناکام کردیا، جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھائے وہی مسلمان ہے۔ اس کے حقوق اور ہمارے حقوق برابر ہیں۔ اس خط کے پہنچتے ہی قید کئے گئے لوگ میرے پاس بھیجو۔ اور میری طرف سے اپنی حفاظت کی ذمہ داری کا اطمینان حاصل کرلو۔ ورنہ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں تمہارے مقابلے میں ایک ایسی قوم کو بھیجوں گا جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے جتنا کہ تم زندگی کے۔"

خالدؓ کا یہ خط پڑھ کر اہل فارس کو بہت تعجب ہوا، یہ ۱۲ ہجری کا واقعہ ہے۔

خالدؓ اور عیاضؓ کے نام ابوبکر صدیق اکبرؓ کا پیغام

شعبی کی دوسری روایت یہ ہے کہ جب خالدؓ یمامہ کی مہم سے فارغ ہوگئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو لکھا کہ خدا تعالیٰ نے تم کو فتح عنایت فرمائی ہے، اب عراق میں گھس جاؤ اور عیاض سے جا ملو اور عیاض بن غنم کو جو اس وقت بناج اور حجاز کے درمیان کسی جگہ تھے یہ لکھا کہ تم وہاں سے روانہ ہوکر مصیخ پہنچو اور مصیخ سے شروع کر کے بالائے عراق سے عراق میں داخل ہو جاؤ اور خالدؓ سے جا ملو اس کے بعد جو لوگ واپسی چاہتے ہوں ان کو اس کی اجازت دو۔ بجبر کسی کو فتوحات میں شریک نہ کرو۔

مرتدین کی سزا عدم شمولیت جہاد

خالدؓ اور عیاض کے پاس خلیفہ کا یہ حکم پہنچا اس کی تعمیل میں انہوں نے لوگوں کو

واپسی کی اجازت دیدی مدینے اور اس کے اطراف کے سب لوگ واپس ہو گئے اور خالدؓ اور عیاض کو تنہا چھوڑ گئے اس لئے ان دونوں نے ابوبکرؓ سے امداد طلب کی آپ نے خالدؓ کی امداد کے لئے قعقاع بن عمرو تمیمی کو بھیج دیا۔ اس پر کسی نے کہا جس شخص کو اس کی فوج چھوڑ آئی ہے آپ اس کی مدد صرف ایک شخص سے کرتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جس فوج میں ایسا بہادر موجود ہو گا وہ کبھی شکست نہیں پا سکتی۔ آپ نے عیاض کی مدد کے لئے عبد بن عوف کو بھیجا۔ اور دونوں سرداروں کو لکھا کہ اپنے ساتھ ان لوگوں کو بھی جہاد میں لے لو جو مرتدین سے لڑ چکے ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلام پر ثابت قدم رہے ہوں۔ مگر مرتدین میں سے کوئی شخص جہاد میں تمہارے ساتھ اس وقت تک شریک نہ ہو جب تک کہ میں اس کے متعلق حکم نہ دوں۔ اس لئے ان لڑائیوں میں کوئی مرتد شریک نہ ہو سکا۔

سرزمین ہند و سندھ میں اسلامی افواج

جب خالدؓ کے نام عراق کی امارات کا حکم پہنچا تم انہوں نے حرملہ، سلمی، مثنی اور مذعور کو حکم بھیجا کہ مجھ سے آکر اور اپنی فوجوں کو ابلہ پہنچنے کا حکم دو، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو لکھا تھا کہ عراق پہنچ کر ہند و سندھ کی نو آباد چھاؤنی سے ابتداء کرنا اور وہ مقام اس وقت ابلہ ہی تھا جو کسی واقعے کی یادگار میں اس نام سے موسوم ہوا تھا۔

خالدؓ نے اپنے جائے قیام سے لے کر عراق تک ربیعہ اور مضر کے قبائل میں سے کوئی آٹھ ہزار کا لشکر جمع کیا۔ دو ہزار سپاہی ان کے پاس پہلے سے تھے یہ سب مل کر دس ہزار ہو گئے ان کے علاوہ آٹھ ہزار اُن امرائے عرب مثنی مذعور سلمی اور حرملہ کی فوجیں تھیں، اس طرح خالدؓ نے ہرمز کے مقابلے کے لئے یہ اٹھارہ ہزار کا لشکر تیار کیا۔

بعض راویوں کا بیان یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو عراق کی لڑائی کا امیر بناتے ہوئے لکھا تھا کہ تم زیریں جانب سے عراق میں داخل ہونا اور عیاض کو امیر بناتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ تم بالائی جانب سے عراق میں داخل ہونا اس کے بعد تم دونوں حیرہ پر حملہ کرنا جو تم میں سے حیرہ پہلے پہنچ جائے وہی اپنے ساتھی کا افسر قرار پائے گا نیز یہ بھی لکھا تھا کہ تم دونوں حیرہ پہنچ جاؤ اور اہل فارس کی چوکیوں کا خاتمہ کر لو اور یہ اطمینان ہو جائے کہ مسلمانوں پر

پیچھے سے کوئی حملہ نہ ہوگا تو تم میں سے ایک مجاہدین کی امداد کے لئے محفوظ دستے کی حیثیت سے حیرہ میں ٹھیرے اور دوسرا اپنے اور خدا کے دشمن اہل فارس پر اور اُن کے دارالحکومت، ان کی عزت کے مرکز یعنی مدائن پر حملہ کردے۔

سرحدی افواج کے اعلیٰ افسر کے نام خالدؓ کا خط

خالدؓ نے اس وقت سرحدی افواج کے افسر اعلیٰ کو خط لکھا اور یہ خط آزاذبہ ابی الزیادہ کے ساتھ اُن کے مقابلے کے لئے یمامہ سے روانہ ہونے سے پہلے لکھا۔ خط یہ ہے:

''امابعد اسلام قبول کرو سلامت رہو گے یا اپنی قوم کے لئے حفاظت کی ضمانت حاصل کرلو اور جزیہ دینے کا اقرار کرو، ورنہ اس کے بعد جو نتائج ہوں گے ان کے لیے تم بجز اپنے کسی اور کو ملامت نہیں کرسکتے، کیونکہ میں تمہارے مقابلے کے لیے ایسی قوم کو لایا ہوں، جو موت کو ایسا ہی پسند کرتی ہے، جیسا کہ تم زندگی کو۔''

مغیرہ بن عتبہ قاضی کوفہ کا بیان ہے کہ خالدؓ نے یمامہ سے عراق کی طرف جاتے وقت اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کردیا تھا اور سب کو ایک ساتھ آگے نہیں بڑھایا تھا بلکہ مثنی کو اپنے سے دو روز پہلے روانہ کیا ان کے رہنما ظفر تھے ان کے بعد عدی بن حاتم اور عاصم بن عمرو کو ایک ایک دن کے فاصلے سے روانہ کیا ان کے رہنما مالک بن عباد اور سالم بن نصر تھے سب کے بعد خالدؓ خود روانہ ہوئے ان کے رہنما رافع تھے۔ ان سب سے حفیر پر ملنے اور جمع ہونے کا وعدہ کیا تاکہ وہاں سے ایک دم اپنے دشمن سے ٹکرائیں یہ فرج الہند اہل فارس کی بڑی زبردست اور معرکے کی چھاؤنی تھی۔ یہاں کا سپہ سالار ایک طرف خشکی میں عربوں سے نبردآزما ہوتا تھا اور دوسری طرف سمندر میں اہل ہند سے، اس وقت خالدؓ کے ساتھ مہلب بن عقبہ اور عبدالرحمان بن سیاہ الاحمری بھی تھے الحمراء انہی کی طرف منسوب ہو کر حمرائے سیاہ کہلاتا ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا ہرمز سے مقابلہ

جب خالد رضی اللہ عنہ کا خط ہرمز کے پاس پہنچا اس نے شیری بن کسریٰ اور اردشیر بن

شیری کواس کی اطلاع دی اور اپنی فوجیں جمع کیں اور ایک تیز رفتار دستے کو لے کر فوراً خالدؓ کے مقابلے کے لئے کوزظم پہنچا اور اپنی فوج کو آگے بڑھایا، مگر یہاں آ کر اس کو معلوم ہوا کہ خالدؓ کا راستہ اس طرف سے نہیں ہے اور یہ اطلاع ملی کہ مسلمانون کا لشکر حفیر پر جمع ہو رہا ہے اس لیے پلٹ کر حفیر کی طرف جھپٹا وہاں پہنچتے ہی اپنی افواج کی صف آرائی کی، محفوظ فوج کے لئے ان دو شہزادوں کو مقرر کیا جن کا سلسلہ نسب اردشیر اور شیری کے واسطوں سے اردشیر اکبر تک پہنچتا تھا ان میں سے ایک کا نام قباذ اور دوسرے کا انوشجان تھا،

جنگ سلاسل اور لوگوں میں چہ میگوئیاں

اس لڑائی میں جنگ کے اندر جم کر لڑنے کے جذبے سے ایرانیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ تم لوگ دشمن کے لیے خود ہی اپنے کو زنجیروں میں باندھتے ہو، ایسا نہ کرو، یہ بدفالی ہے اس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ تمہارے متعلق تو ہم کو یہ اطلاع ملی ہے کہ تم بھاگنے کا ارادہ کر رہے ہو۔

جب خالدؓ کو ہرمز کے حفیر پہنچنے کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنی افواج کو کاظمہ کی طرف پلٹایا، ہرمز کو اس کا پتہ چل گیا وہ فوراً کاظمہ پہنچ کر ایک کھلے میدان میں ٹھہرا اس سرحد کے امراء میں ہرمز عربوں کا بدترین پڑوسی تھا، تمام عرب اس سے جلے ہوئے تھے خباثت میں اس کو ضرب المثل بنا رکھا تھا ان کا قول تھا کہ فلاں شخص ہرمز سے بڑھ کر خبیث ہے اور ہرمز سے زیادہ کافر ہے۔

ہرمزیوں کی شکست

ایرانیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ لیا تھا پانی پر ان کا قبضہ تھا۔ خالدؓ آئے تو ان کو ایسے مقام پر اترنا پڑا جہاں پانی نہ تھا، لوگوں نے آپ سے اس کی شکایت کی آپ نے اپنے نقیب سے اس حکم کا اعلان کرایا کہ سب لوگ اتر پڑیں اور سامان نیچے اتار لیں اور دشمن سے پانی چھین لینے کی کوشش کریں کیونکہ بخدا پانی پر ایسی جماعت کا قبضہ ہو جائیگا، جو لڑائی میں زیادہ صبر اور شرافت کا ثبوت دے گی، یہ سنتے ہی سامان اتار لیا گیا، سوار فوج اپنی جگہ کھڑی رہی پیدل فوج نے پیش قدمی کی اور دشمن پر حملہ آور ہوئی دونوں طرف

کے آدمی مارے جانے لگے، اتنے میں خدا نے ایک بدلی بھیجی جس نے برس کر مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے پانی کے ڈبرے بھر دیے مسلمانوں کو اس تائید غیبی سے بڑی تقویت پہنچی اور دن ابھی پوری طرح بھی نہ چڑھا تھا کہ ہر مز خاک وخون میں لتھڑا ہوا پڑا تھا۔

خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی افواج کی صف آرائی اسی اصول کے مطابق کی جیسا کہ اس سے قبل کی لڑائیوں میں کر چکے تھے۔ بڑے زور وشور سے لڑائی ہونے لگی۔ مشرکین کو جاذویہ کے آنے کی توقع بندھی ہوئی تھی اس لیے خوب جم کر بڑی شدت سے لڑے۔ مسلمانوں کو صرف اس بات کی اُمید تھی کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمارے لیے ضرور کوئی بھلائی ہے وہ لڑے اور خوب لڑے۔ خالدؓ نے کہا اے اللہ اگر تو نے ہم کو ان پر فتح عنایت فرمائی تو میں تیرے نام کی یہ نذر مانتا ہوں کہ ان میں سے جس کسی پر ہم کو قابو حاصل ہوگا اس کو زندہ نہ رکھونگا اور ان کے خون سے ایک نہر جاری کرونگا۔

خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور ان کے دشمن کو مغلوب کر دیا۔ خالدؓ نے اعلان کر دیا قید کر دو قید کرو۔ بجز اس کے جو تمہارا مزاحم ہو کسی کو قتل نہ کرو اسلامی فوجیں قیدیوں کو گرفتار کر کے ہانکتی ہوئی لانے لگیں اور خالدؓ نے کچھ لوگوں کو متعین کر دیا کہ ان کی گردنیں اڑا کر ان کا خون نہر میں بہا دیں۔ یہ عمل ایک رات اور ایک دن تک ہوتا رہا اگلے اور اسکے بعد دوسرے روز تک نہرین تک اور الیس کے چاروں طرف اتنے ہی فاصلے سے دشمنوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے گئے اور قتل کرتے گئے۔ قعقاع اور ان جیسے اور لوگوں نے خالدؓ سے کہا اگر روئے زمین کے تمام انسانوں کو بھی آپ قتل کر دیں گے تو ان کا خون نہیں بہے گا کیونکہ خون میں زیادہ رقت نہیں ہوتی اسی لیے اس کا سیلان رک جاتا ہے اور نہ زمین اس کو چوستی ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ اس پر پانی بہا دیں آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔ خالدؓ نے نہر کا پانی روک دیا تھا جب آپ نے نہر میں دوبارہ پانی جاری کرایا تو خالص سرخ خون بہتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس واقعے کی وجہ سے یہ نہر آج تک خون کی نہر کے نام سے مشہور ہے۔

دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ زمین جب حضرت آدم کے بیٹے کا خون چوس چکی تو اس کو اور خون چوسنے کی اللہ کی جانب سے ممانعت کر دی گئی اور خون کو بھی بہنے سے روک

دیا گیا مگر اس قدر کہ جب تک ٹھنڈا نہ ہو۔

جب دشمن ہار چکا اور اس کی فوج پراگندہ ہوگئی اور مسلمان ان کے تعاقب سے فارغ ہو کر واپس آئے اور دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہوئے اور خالدؓ کھانے کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تو کہا یہ میں تم کو عطا کرتا ہوں یہ تمہارا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جس کسی تیار کھانے پر قبضہ فرماتے تھے تو اس کو اپنی فوج کو عطا فرما دیتے تھے۔ چنانچہ مسلمان رات کا کھانا کھانے کے لیے اسی دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ جن لوگوں نے وہ شاداب علاقے اور وہ سفید روٹیاں نہیں دیکھی تھیں وہ پوچھنے لگے یہ سفید کپڑے کے ٹکڑے کیسے ہیں؟ جو جانتے تھے انہوں نے مذاق میں کہا تم رقیق العیش کو جانتے ہو انہوں نے کہا ہاں جانتے ہیں انہوں نے کہا یہ وہی ہے اسی واقعہ کی وجہ سے روٹیوں کو رقاق کہنے لگے حالانکہ اس سے پہلے عرب ان کو قری کہتے تھے۔

اہل حیرہ سے لکھا گیا معاہدہ

خالدؓ نے صلح کی قرارداد کیلئے اہل حیرہ سے یہ شرط لگائی کہ کرامہ بنت عبدالمسیح شویل کے حوالے کر دی جائے۔ یہ مطالبہ ان کو سخت گراں گذرا مگر کرامہ نے کہا تم گھبراؤ نہیں مجھے حوالے کر دو میں فدیہ دے کر آجاؤں گی۔ وہ لوگ مان گئے۔ خالدؓ نے اہل حیرہ کو حسب ذیل معاہدہ لکھ دیا۔

> بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ معاہدہ خالد بن الولید نے عدی کے دونوں بیٹوں عدی اور عمر سے اور عمرو بن عبدالمسیح سے اور ایاس بن قبیصہ سے اور حیری بن اکال سے کیا ہے۔ یہ لوگ اہل حیرہ کے نقیب ہیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو اس معاہدے کی تکمیل کے لیے اجازت دی ہے اور وہ اس معاہدے پر راضی ہیں۔ معاہدہ اس بات کا ہے کہ اہل حیرہ سے اور ان کے پادریوں اور راہبوں سے سالانہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم جزیہ وصول کیا جائے گا۔ مگر جو قدرت نہ رکھتے ہوں اس سے مستثنی ہوں گے

اس کے معاوضے میں ہم ان کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور جب تک ہم حفاظت نہ کریں جزیہ نہ لیا جائے گا۔ اگر ان لوگوں نے اپنے کسی قول یا فعل سے اس کی خلاف ورزی کی تو یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا اور ہم انکی حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہو جائیں گے۔

(المرقوم ماہ ربیع الاول ۱۲ ہجری)

یہ تحریر اہل حیرہ کے حوالے کر دی گئی تھی مگر جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد اہل سواد مرتد ہو گئے تو ان لوگوں نے اس معاہدے کی توہین کی اور اس معاہدہ کو چاک کر ڈالا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی مرتد ہو گئے اس کے بعد ان لوگوں پر اہل فارس کا تسلط ہو گیا۔

ابوبکر ؓ کا خالد ؓ کے نام احکامات بھیجنا

مغیرہ اور دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو حکم دیا تھا کہ تم زیرین عراق سے عراق میں داخل ہونا اور عیاض کو حکم دیا تھا کہ تم بالائی عراق سے عراق میں داخل ہونا تم میں سے جو حیرہ پہلے پہنچ جائے گا وہ حیرہ کا حاکم ہوگا اور جب تم دونوں خدا کے حکم سے حیرہ میں اکٹھے ہو جاؤ اور عرب اور فارس کے درمیان کی چوکیوں کو توڑ ڈالو اور تمہیں اطمینان ہو جائے کہ مسلمانوں پر پیچھے سے کوئی حملہ نہ ہوگا تو اس وقت تم میں ایک حیرہ میں ٹھہر جائے اور دوسرا دشمن کے علاقے میں گھس کر اس کے ملک پر بزور شمشیر قبضہ کرتا چلا جائے اللہ سے ہر وقت مدد چاہتے رہو، اس سے ڈرتے رہو، آخرت کے معاملے کو دنیا پر ترجیح دو تمہیں دونوں مل جائیں گی۔ دنیا کو کبھی ترجیح نہ دینا ورنہ دونوں ہاتھ سے جاتی رہیں گی جن چیزوں سے خدا نے ڈرایا ان سے ڈرتے رہو گناہوں سے بچتے رہنا، گناہوں پر اصرار نہ کرنا اور توبہ میں تاخیر نہ کرنا۔

چنانچہ خالدؓ اس حکم کے مطابق حیرہ پہنچ گئے اور فلالیج سے لے کر سواد اسفل تک کا تمام علاقہ ان کے زیر حکومت آ گیا اس لیے انہوں نے اس روز سواد حیرہ کو جریر بن عبداللہ الحمیری اور بشیر بن الخصاصہ اور خالدؓ بن ابوالشمہ اور ابن ذی العنقیق اور اط اور سوید اور ضرار

میں تقسیم کر دیا اور سواد الابلہ کو سوید بن مقرن اور حسلکہ الحبطی اور حصین بن ابی الحر اور ربیعہ بن عسل میں تقسیم کر دیا اور سرحدات پر فوجی چوکیاں قائم کیں اور حیرہ پر قعقاع کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود خالدؓ عیاض کی امداد اور ان کے اور اپنے درمیان کے حصے فتح کرنے کے لیے عایض کے علاقے کی طرف گئے چنانچہ پہلے فلوجہ پہنچے وہاں سے آ کر بلا گئے۔ اس کی چوکی پر عاصم بن عمرو مقرر تھے اور خالدؓ کے مقدمے پر خالدؓ الاقرع بن حابس تھے کیونکہ مثنی اس وقت مدائن کی کسی چھاؤنی پر متعین تھے۔

اس طرح یہ لوگ خالدؓ کی حیرہ سے روانگی سے قبل اور اس کے بعد جب وہ عیاض کی مدد کے لیے گئے اہل فارس سے لڑتے رہتے اور دجلہ کے کنارے کی طرف بڑھتے جاتے تھے۔ کربلا میں خالدؓ کا چند روز قیام ہوا اس وقت عبداللہ بن وثیمہ نے ان سے مکھیوں کی شکایت کی۔ خالدؓ نے کہا ذرا صبر کرو میں چاہتا ہوں کہ وہ تمام چوکیاں جن کے متعلق عیاض کو حکم دیا گیا تھا دشمنوں سے خالی کرا لوں تاکہ ہم ان میں عربوں کو متعین کر سکیں اور مسلمانوں کے لشکر کو دشمن کے پیچھے سے حملہ آور ہونے کا خطرہ نہ رہے اور عربوں کی آمد و رفت ہم تک اطمینان کے ساتھ ہو سکے۔ خلیفہ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے اور ان کی رائے امت کی فلاح و بہبود کے لیے ہوتی ہے۔

مصیخ پر حملہ

خالدؓ کو حصید کی فتح اور اہل خنافس کے بھاگنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک خط لکھا جس میں قعقاع، عبد اور عروہ سے ایک رات اور ایک وقت مقرر کر کے مصیخ پر ملنے کا وعدہ کیا، مصیخ حوران اور قلت کے درمیان ہے۔

خالدؓ بن عین سے مصیخ روانہ ہوئے انہوں نے گھوڑوں کو ساتھ لیا اور اونٹ پر خود سوار ہوئے۔ جناب اور بردان میں منزلیں طے کرتے ہوئے حتی پہنچے اور مقررہ رات کو طے شدہ وقت آتے ہی خالدؓ اور ان کے افسروں نے مصیخ پر ایک سے حملہ کر دیا اور ہذیل اس کی فوج اور تمام پناہ گزینوں پر جو سب پڑے سو رہے تھے تین طرف سے حملہ کیا۔ ہذیل چند

لوگوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ گیا مگر اور تمام لوگ قتل ہو گئے لاشوں سے میدان اس طرح پٹ گیا کہ گویا بکریاں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔

حرقوص بن نعمان کا مخلصانہ مشورہ

حرقوص بن عثمان نے ان لوگوں سے دانشمندانہ بات کہی تھی اور ان کو مخلصانہ مشورہ دے کر مسلمانوں سے ڈرایا تھا۔ مگر انہوں نے اس کا کہنا نہ مانا، اس حملہ سے قبل حرقوس نے چند اشعار کہے تھے جن کا ایک مصرعہ یہ ہے۔ ''الا سقیانی قبل خیل ابی بکر''

ترجمہ: مجھے ابوبکرؓ کے سواروں کی آمد سے پہلے شراب سے سیراب کردو

اس رات کو حرقوص بنی ہلال کی ایک عورت ام تغلب سے شادی رچانے میں مشغول تھا۔ اس شب خون میں وہ عورت اور عبادہ بن بشر اور امراء القیس بن بشیر اور قیس بن بشر مارے گئے۔ یہ سب بنی ہلال سے ثوریہ کی اولاد تھے۔

غلطی سے ایک مسلمان کا قتل

مصیخ کی لڑائی میں جریر بن عبداللہ کے ہاتھ سے قبیلہ نمر کا ایک شخص عبدالعزی بن ابی رہم بن قرواش بھی مارا گیا وہ اوس مناب تمری کا بھائی تھا۔ اس کے اور لبید بن جریری کے پاس ان کے اسلام لانے کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کا عطا کیا ہوا ایک صداقت نامہ موجود تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا نام عبدالعزی بدل کر عبداللہ رکھا تھا۔ ابوبکرؓ کے پاس حملے کی رات کا اس کا یہ قول بھی پہنچا تھا۔

سبحانک اللّٰھم رب محمد......

ترجمہ: اے خدا اے محمدؐ کے رب تیری ذات پاک ہے۔

اسی لیے آپ نے جریری اور بلید کا خون بہا دکھایا۔ یہ دونوں جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اہل حرب کے ٹھہرے ہوئے تھے لہٰذا ہم پر ان کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ان کی اولاد کی پرورش کا آپ نے مناسب انتظام کر دیا تھا مالک بن نویرہ اور ان دونوں کے قتل کی وجہ سے عمرؓ خالدؓ پر الزام لگاتے تھے لیکن ابوبکرؓ اس کے

جواب میں یہ کہتے تھے کہ جو مسلمان دشمنوں کے ملک میں ان کے ساتھ سکونت پذیر ہوں گے ان کے لیے یہ صورت پیش آنا ممکن ہے۔

حرقوص کا قتل

عدی بن حاتم کا بیان ہے کہ جس رات کو ہم نے اہل مصیح پر حملہ کیا تھا ایک شخص حرقوص بن نعمان نامی قبیلہ نمبر کا تھا اس کی بیوی اور لڑکے لڑکیاں وہاں اس کے گرد جمع تھے درمیان میں شراب کا ایک کونڈا رکھا تھا وہ سب اس پر جھکے ہوئے تھے اور کہتے تھے اس وقت رات کی ان پچھلی گھڑیوں میں شراب کون پیئے۔ حرقوص نے کہا ارے پی لو، یہ آخری پینا ہے، مجھے اُمید نہیں کہ پھر کبھی تم شراب پی سکو گے دیکھو خالد رضی اللہ عنہ العین میں ہے اور اس کی فوج حصید میں اس کو ہمارا یہاں جمع ہونا معلوم ہو گیا ہے۔ اب وہ ہمیں نہیں چھوڑے گا پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

الا فاشربوا من قبلی قاصمة الظهر
لبید انتفاغ القوم بالعكر الالر
وقبل منايا المصيبة بالقدر
لحين لعمر لايزيد ولا يجري

''پی لو اس سے پہلے کہ ہماری موت کی وہ گھڑی آئے جو خدا کی قسم ٹل نہیں سکتی، اور اس سے پہلے کہ ہماری قوم کے لاشے پھولے ہوئے، کمر کی ہڈیاں ٹوٹے ہوئے اور مٹی میں ملے ہوئے زمین پر پڑے ہوں۔''

حرقوص اسی حالت میں تھا کہ ایک سوار نے بڑھ کر اس کا سر قلم کر دیا۔ اتفاق کی بات کہ اس کا سر اسی شراب کے کونڈے میں گرا۔ اس کے لڑکے قتل کر دیے گئے اور لڑکیاں گرفتار کر لی گئیں۔

الثنی اور البریل کا واقعہ

الثنی پر اسلامی لشکر کا حملہ اور فتح

عقہ کے انتقام کے جوش میں ربیعہ بن بجیر اپنی فوج کو لے کر الثنی اور البشیر میں اترا اس نے روبہ زرمہر اور ہذیل سے بھی آملنے کا وعدہ لے لیا تھا ادہر خالدؓ نے مصیح کی جنگ فتح کر کے قعقاع اور ابولیلیٰ کو اپنے آگے روانہ کر دیا اور رات مقرر کر کے طے کیا کہ ہم سب مصیح کی طرح یہاں بھی تین مختلف سمتوں سے دشمن پر حملہ کریں گے اس کے بعد خالدؓ مصیح سے چل کر حوران پھر انفق پھر الحماۃ پہنچے۔ یہ مقام آج کل قبیلہ کلب کی ایک شاخ بنی جنادہ بن زہیر کے قبضے میں ہے۔ الحماۃ سے بڑھ کر الزمیل آئے اس جگہ کا نام البشر بھی ہے اور الثنی اسی سے ملا ہوا۔ یہ دونوں مقام آج کل رصافہ کا شرقی حصہ ہیں۔ الثنی سے خالدؓ نے اپنی مہم کا آغاز کیا یہاں ان کے دونوں ساتھی بھی ان سے مل گئے ان تینوں نے رات کے وقت تین طرف سے ربیعہ کی فوج پر اور ان لوگوں پر جو بڑی شان سے لڑنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ شب خون مارا اور تلواریں سونت کر ان کا ایسا صفایا کیا کہ کوئی بھاگ کر کہیں خبر بھی نہ دے سکا ان کی عورتیں گرفتار کر لی گئیں۔ بیت المال کا خمس نعمان بن عوف بن نعمان شیبانی کے ذریعے ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیج دیا گیا اور باقی مال غنیمت اور عورتیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں۔ ان میں سے بنت ربیعہ بن بجیر تغلبی کو حضرت علیؓ نے خرید لیا تھا جن سے آپ کے یہاں عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔

الزمیل کی فتح

ہذیل نے بھاگ کر الزمیل میں عتاب بن فلان کے پاس پناہ لی عتاب ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ بشر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس تک ربیعہ کے خاتمے کی خبر پہنچے خالدؓ نے اس پر بھی تین طرف سے شب خون مارا۔ اس معرکے میں اس کثرت سے

آدمی قتل ہوئے کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوئے تھے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ خالدؓ نے ایک قسم کھائی تھی کہ ان کے گھر میں گھس کر اچانک ختم کروں گا۔ یہ قسم اس وقت پوری ہوگئی خالدؓ نے مال غنیمت مسلمانوں میں بھیج کر تقسیم کردیا اور خمس صباح بن فلان المزنی کے ذریعے ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس خمس میں درج ذیل عورتیں بھی تھیں۔ موذن النمری کی لڑکی، لیلیٰ بنت خالد، ریحانہ بنت الذیل بن ہبیرہ۔

خالدؓ البشر سے الرضاب کی طرف مڑے وہاں کا افسر ہلال بن عقہ تھا۔ اس کی فوج کو جب خالدؓ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ اس سے پھر گئی۔ مجبوراً ہلال وہاں سے کھسک گیا الرضاب کو لینے میں مسلمانوں کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

الفراض کا واقعہ

تغلب کو اچانک ختم کر کے اور رضاب پر قبضہ کر کے خالدؓ الفراض پہنچے الفراض پر شام عراق اور جزیرے کے راستے آکر ملتے تھے۔ یہاں خالدؓ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکے، اس سفر میں خالدؓ کو بہت سی لڑائیاں پے درپے پیش آئیں۔ شعراء نے جس قدر رجزیہ نظمیں ان لڑائیوں کے متعلق کہیں ان سے قبل کی کسی لڑائی کے متعلق نہیں کہی تھیں۔

مسلمانوں کے اجتماع کو دیکھ کر اہل روم کی رگ حمیت کا جوش میں آنا

فراض میں مسلمانوں کے اجتماع کو دیکھ کر اہل روم کی مردہ رگ جوش میں آگئی اور وہ بہت غصے ہوئے انہوں نے اپنے قریب کی اہل فارس کی فوجی چوکیوں سے نیز قبائل تغلب، ایاد اور نمر سے امداد مانگی ان سب نے رومیوں کی مدد کی اس کے بعد یہ لوگ خالدؓ سے لڑنے کے لیے آگے بڑھے جب دریائے فرات بیچ میں رہ گیا تو انہوں نے خالدؓ سے کہا کہ دریا کو عبور کر کے یا تو تم اس طرف آؤ یا ہم تمہاری طرف آتے ہیں، خالدؓ نے کہا تم ہی عبور کر کے اس پار آجاؤ۔ انہوں نے کہا اچھا تم سامنے سے ہٹ جاؤ ہم عبور کر کے آتے ہیں۔ خالدؓ نے کہا یہ نہیں ہوسکتا۔ البتہ یہاں سے ذرا نیچے جا کر پار ہوسکتے ہو۔

یہ واقعہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۲ ہجری کا ہے۔

رومیوں اور فارسیوں کا آپس میں اختلاف ہونا

رمیوں اور فارسیوں میں اس پر اختلاف ہوا ان میں سے بعض کی رائے یہ تھی کہ ہم کو اپنے ہی ملک میں رہ کر لڑنا چاہیے کیونکہ یہ شخص اپنے دین کی حمایت کے لیے لڑ رہا ہے وہ بڑا سمجھدار اور صاحب علم ہے۔ بخدا وہ کامیاب ہوگا اور ہم لوگ ناکام ہو کر ذلت اٹھائیں گے۔ مگر اس رائے پر ان لوگوں نے عمل نہیں کیا اور خالدؓ کی فوج سے نیچے جا کر دریا کو عبور کیا جب سب لوگ پار ہو گئے تو اہل روم نے اہل فارس سے کہا کہ اب الگ الگ ہو جاؤ تا کہ معلوم ہو جائے کہ اچھا یا برا نتیجہ کس کے سر ہے۔ چنانچہ یہ لوگ الگ الگ ہو گئے۔ اس کے بعد معرکہ شروع ہوا۔ بہت دیر تک شدید خونریزی ہوتی رہی بالآخر اللہ نے ان کو شکست دی۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ان کا پیچھا کرو اور ان کو دم نہ لینے دو چنانچہ ایک ایک جماعت اپنے دستے کے تیروں سے دشمن کے بڑے بڑے گروہ کو گھیرتا تھا اور اس کے بعد تلوار کے گھاٹ اتارتا تھا۔ فراض کی لڑائی میں عین میدان جنگ میں اور پھر تعاقب میں ایک لاکھ آدمی مارے گئے۔

اس جنگ سے فارغ ہو کر خالدؓ نے فراض میں دس دن قیام کیا اور ۲۵ ذیقعدہ ۱۲ ہجری کو اپنی فوج کو عاسم بن عمرو کی سرکردگی میں حیرہ واپس جانے کی اجازت دی اور ساقہ کے دستے پر شجرہ بن الاغر کو متعین کیا اور خود بظاہر ساقہ میں شریک ہوئے۔

خالد ﷜ کا خفیہ حج

خالد ﷜ یمامہ میں مرتدین کی سرکوبی کر چکے تھے۔ عراق ان کے ذریعے سے فتح ہو چکا تھا۔ ان کے ہاتھوں کسریٰ کے اقتدار کا دیوالہ نکل چکا تھا۔ فراض کی فتح سے سلطنت رومہ میں پیش قدمی کرنے کا راستہ صاف ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ اللہ کی عنایت تھی ورنہ خالدؓ کی کیا حیثیت تھی کہ وہ یہ عظیم الشان فتوحات حاصل کرتے اور ایرانی سلطنت ان کے آگے سرنگوں ہونے پر مجبور ہو جاتی۔ جب وہ اللہ کے ان افضال و انعامات پر غور کرتے تو ان کا دل

تشکر وامتنان کے جذبات سے معمور ہو جاتا۔ تشکر وامتنان کے یہی جذبات تھے جنہوں نے جنگ فراض سے فارغ ہونے کے بعد انہیں حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنے پر آمادہ کیا۔ جنگ کے بعد فراض کے دس روزہ قیام نے جذبات کی اس آگ کو اس حد تک بھڑکا دیا کہ اب کوئی طاقت انہیں حج پر جانے سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی غیر حاضری عراق میں مسلمانوں کے لئے سخت خطرات پیدا کرنے کا موجب ہو سکتی ہے۔ ان کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایرانی اس علاقے میں دوبارہ فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکا سکتے تھے۔ پھر بھی حج بیت اللہ کے مقابلے میں انہوں نے ان تمام خطرات کو نظر انداز کر دیا۔

اگر دشمن کو خالدؓ کی غیر حاضری کا علم ہو جاتا تو وہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کا یہ زریں موقع کسی طرح ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اس خطرے سے بچنے کا صرف یہی طریقہ تھا۔ کہ وہ اس طور پر حج کرتے کہ سوائے خاص سرداروں کے اسلامی فوج کے کسی بھی فرد کو یہ معلوم نہ ہو سکتا کہ ان کے سپہ سالار لشکر سے غیر حاضر ہے۔ خالدؓ کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ حج کے لئے پہلے خلیفہ سے اجازت طلب کرتے لیکن اس صورت میں یہ خدشہ تھا کہ اگر خلیفہ کی طرف سے اجازت مل جاتی تو سارے لشکر میں چرچا ہو جاتا کہ خالدؓ حج کو جا رہے ہیں اور جونہی وہ روانہ ہوتے پیچھے سے ایرانی فوجیں مسلمانوں پر حملہ کر دیتیں۔ اس صورت میں اس حج کا کیا فائدہ ہوتا جو مسلمانوں کی تباہی کا موجب بنتا اور اگر خلیفہ کی طرف سے اجازت نہ ملتی تو انکے پاس اس آتش شوق کو سرد کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا جو حج بیت اللہ کے لئے ان کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ اس لئے آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ انتہائی خفیہ طور پر حج کیا جائے کہ نہ حضرت ابوبکرؓ کو اس کا پتا چلے اور نہ ان کے لشکر کے کسی فرد کو۔ انہیں یقین تھا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے اس فعل پر باز پرس کی تو وہ عذر معذرت کر کے انہیں راضی کر لیں گے۔ دوسری طرف اللہ بھی انہیں اس حج کے ثواب سے محروم نہ کرے گا۔

انہوں نے لشکر کو تو حیرہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا اور اپنے متعلق یہ ظاہر کر کے کہ وہ "ساقہ" کے ساتھ ساتھ آ رہے ہیں خفیہ طور پر حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

انکے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے۔ وہ شہروں اور بستیوں سے دور دور سیدھے مکہ کی سمت روانہ ہوئے۔ یہ راستہ بہت عجیب وغریب اور سخت دشوار گزار تھا۔ کوئی رہبر نہ تھا لیکن جوانی کے ایام میں چونکہ انہیں تجارت کے لئے ملک در ملک پھرنا پڑا تھا اور سپہ سالار کی حیثیت سے پورا صحرا چھان مارا تھا' اس لئے وہ اس علاقے کی تمام وادیوں' ٹیلوں' راستوں' میدانوں غرض چپے چپے سے واقف تھے اور انہیں راستے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ حج سے پہلے ہی وہ مکہ معظمہ پہنچ گئے اور حج کے فرائض پوری طرح ادا کر کے واپس آ گئے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ قیام مکہ کے دوران میں کسی بھی شخص کو ان کی وہاں موجودگی کا علم نہ ہوا حتی کہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی پتا نہ چلا جو بعض روایات کے مطابق اس سال حج پر مکہ میں موجود تھے۔

واپسی پر بھی انہوں نے وہی دہشت ناک اور دشوار گذار راستہ اختیار کیا جو حج کے لئے جاتے ہوئے اختیار کیا تھا۔ ابھی لشکر کا آخری حصہ حیرہ پہنچا بھی نہ تھا کہ وہ "ساقہ" سے آملے اور اس کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے۔ اس طرح ان کے لشکر کے کسی بھی فرد اور عراق کے کسی بھی شخص کو یہ علم نہ ہو سکا کہ وہ اس نازک وقت میں لشکر سے غیر حاضر تھے اور حج کے لئے مکہ چلے گئے تھے۔

حیرہ میں قیام کے بقیہ دن انہوں نے بڑے اطمینان سے گزارے۔ ایک طرف یہ خوشی تھی کہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں حج بیت اللہ کی توفیق مرحمت فرما دی تھی' دوسری طرف یہ اطمینان تھا کہ عراق میں ان کی فتوحات پایہ تکمیل کو پہنچ چکی تھیں۔ اب ان کا خیال سلطنت ایران کے دارالحکومت مدائن کی طرف کوچ کرنے کا تھا۔ لیکن اللہ کو یہ منظور تھا کہ جنگ فراض میں کامیابی حاصل کر کے خالدؓ نے جس سلسلے کا آغاز کیا تھا، اسے پایہ تکمیل کو پہنچائیں اور رومی سلطنت میں بھی اس طرح فتوحات حاصل کریں جس طرح ایرانی سلطنت میں کر چکے تھے۔

بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ جس سال خالدؓ حج پر روانہ ہوئے' اس سال امیر الحج حضرت عمرؓ تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایام خلافت میں کبھی حج نہیں کیا۔ لیکن مورخین

اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ اس سال حج کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ خود مکہ معظمہ میں موجود تھے۔ بہرحال دونوں روایتوں میں سے خواہ کوئی سی بھی روایت صحیح ہو اس میں شبہ نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اپنے سپہ سالار اعظم کے حج پر جانے کا اس وقت تک علم نہ ہوا جب تک وہ واپس حیرہ نہ پہنچ گئے۔

علاقوں کی فتوحات

خالد ﷺ کا یہ سفر حج تمام شہروں کو چھوڑتے ہوئے سیدھے مکے کی سمت کو ہوا تھا یہ راستہ اس طرح گیا ہے کہ فراض کو پھر ثقب کو پھر ذات عرق کو اور وہاں سے مشرق کی طرف مڑ کر عرفات پہنچا دیتا ہے۔ یہ راست الصمد کے نام سے موسم ہے۔

حج سے فارغ ہو کر خالد ﷺ حیرہ جا رہے تھے کہ ان کو راستے میں ابوبکرؓ کا حکم ملا کہ:

> "حیرہ سے دور اور شام سے قریب ہوتے چلے آؤ۔ ابوبکرؓ نے اپنے خط میں خالدؓ کو حکم دیا تھا کہ تم یہاں سے روانہ ہو کر یرموک میں مسلمانوں کی جماعت سے مل جاؤ کیونکہ وہاں وہ دشمن کے نرغے میں گھر گئے ہیں۔ اور یہ حرکت جو تم نے اب کی ہے آئندہ کبھی تم سے سرزد نہ ہو۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ تمہارے سامنے دشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور تم مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے صاف بچا لاتے ہو، اے ابوسلیمان میں تم کو تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اس مہم کو پایہ تکمیل کو پہنچاؤ اللہ تمہاری مدد فرمائے اور تمہارے دل میں فخر پیدا نہ ہونا چاہئے کیونکہ فخر کا انجام خسارہ اور رسوائی ہے اور نہ اپنے کسی فعل پر نازاں ہونا کیونکہ فضل و کرم کرنے والا صرف خدا ہے۔ اور وہی اعمال کا صلہ دیتا ہے۔"

ہثیم البکائی راوی ہیں کہ کوفے کے وہ لوگ جو یہ جنگیں لڑ چکے تھے جب معاویہ ﷺ کو اپنے ساتھ کوئی زیادتی کرتے دیکھتے تو کہا کرتے تھے کہ معاویہ ﷺ کیا چاہتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم ذات السلاسل کے شہسوار ہیں۔ وہ لوگ ذات السلاسل

سے لے کر فراض تک کی جنگوں کو اس شان سے بیان کرتے تھے کہ گویا ان سے قبل اور بعد کی لڑائیاں بالکل ہیچ تھیں۔

اہل انبار کی جلاوطنی اور خالد ﷛ سے صلح کرنا

علی بن محمد کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ خالد ﷛ انبار پہنچے اہل انبار نے جلاوطنی پر خالد ﷛ سے صلح کر لی مگر بعد میں ان لوگوں نے کچھ رقم پیش کی جس کو خالدؓ نے قبول کر لیا اور ان کو ان کے وطن میں برقرار رکھا اس کے بعد خالدؓ نے بغداد کے بازار پر العال کی مدی کی طرف سے چڑھائی کی اور اس کے لیے مثنیٰ کو بھیجا۔ مثنیٰ نے اس بازار پر حملہ کیا اس میں قضاعہ اور ابوبکر کے لوگ جمع تھے اس بازار کا تمام مال غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔ اس کے بعد خالد ﷛ عین التمر پہنچے اور اس کو بجبر فتح کیا جنگووں کو قتل کیا اور باقی افراد کو لونڈی غلام بنایا اور ان کو ابوبکر ﷛ کی خدمت میں بھیج دیا یہ سب سے پہلے لونڈی غلام تھے جو عجم سے مدینے آئے۔ پھر خالد ﷛ دومۃ الجندل گئے وہاں اکیدر کو قتل کیا اور اس کی لڑکی جودی کو لونڈی بنایا اس کے بعد واپس آ کر حیرہ میں قیام کیا۔

روانگی شام

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو شام جانے کی دعوت دی تو ابتداء میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت اور اس کی زبردست جنگی طاقت دیکھ کر مسلمانوں کو ان کے مقابلے میں جانے کی جرأت نہ ہوئی لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ رومیوں کی ہیبت کا یہ اثر عارضی ہے اور جونہی انہیں حالات کی نزاکت کا احساس ہوا، وہ جوق در جوق جہاد پر جانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد لوگوں نے یکے بعد دیگرے اپنے آپ کو شام جانے کے لئے پیش کرنا شروع کر دیا۔

اہل مدینہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل یمن کو بھی اس غرض کے لئے تیار کرنا چاہا اور انہیں یہ خط لکھا:

"اللہ نے مومنوں پر جہاد فرض کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تنگی ہو خواہ فراخی،

سامانِ جنگ کی کمی ہو یا افراط، انہیں ہر حال میں دشمنوں سے مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے: "وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللّٰہ" (اے مومنو! اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعے سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو) جہاد ایک لازم فریضہ ہے اور اس کا ثواب بھی اس قدر عظیم ہے جس کا اندازہ ناممکن ہے۔ تمہارے ان بھائیوں کو، جو میرے سامنے موجود تھے، میں نے جہاد کے لئے شام جانے پر آمادہ کیا، چنانچہ وہ میری آواز پر لبیک کہہ کر خلوصِ نیت سے شام روانہ ہو رہے ہیں۔ اے اللہ کے بندو! اب تمہاری باری ہے۔ تم بھی میری آواز پر لبیک کہو اور جو فریضہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عائد کیا گیا ہے، اس کی بجا آوری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔"

اہلِ یمن پر اس خط کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قاصد نے اسے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا، ذوالکلاع حمیری اپنی قوم اور یمن کے بعض اور قبائل کو ہمراہ لے کر شام جانے کے ارادے سے مدینہ روانہ ہو گئے۔ ذوالکلاع کی پیروی میں قبیلہ مذحج سے قیس بن ہبیرہ مرادی، ازد سے جندب بن عمرو الدوسی اور طے سے حابس بن سعد طائی نے اپنے اپنے ساتھیوں اور قبیلوں کے ہمراہ مدینہ کی راہ لی۔

اس دوران میں جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قاصد یمن میں قبیلہ در قبیلہ جا کر ان کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں مشغول تھا اور اہلِ یمن کوچ کی تیاریوں میں مصروف تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ مہاجرین، انصار، اہل مکہ اور دوسرے نواحی قبائل کو اکٹھا کر کے شام بھیجنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لشکروں کو کس وقت بھیجنا شروع کیا؟ شام کی طرف کوچ کرنے والا سب سے پہلا لشکر کون تھا؟ جو لشکر مدینہ آ کر اکٹھے ہوئے تھے ان کے امیر کون تھے، ان امور کے متعلق مورخین میں خاصا اختلاف ہے۔

اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شام کی جانب پہلا لشکر ۱۲ھ کے اواخر میں

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حج سے واپس آنے کے بعد روانہ ہوا تھا۔

بہر حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا علاقوں سے افواج شام کی سرحد پر بھیج دیں، فوجوں کی اس نقل وحرکت کا سن کر شام کے قبائلی لشکر بھی متحرک ہو گئے اور قبائل نے بھی کثیر فوج فراہم کر کے اسے سرحد پر جمع کر دیا۔

اب رومیوں اور مسلمانوں کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل کیل کانٹے سے لیس تیار کھڑی تھیں ۔ مسلمانوں کی فوج سرحد کے اس طرف عرب کی حدود میں تھی اور غسانیوں کی فوج سرحد کے اُس پار شام کی حدود میں۔ دونوں فوجیں منتظر تھیں کہ کب حکم ملے اور دوسرے فریق پر دھاوا بول دیں۔

اسی دوران میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی پے در پے فتوحات کی خبریں موصول ہو کر رومیوں کے لئے مزید پریشانی اور سراسیمگی کا باعث بن گئیں۔ آج اہل انبار نے عاجز آ کر شہر کے دروازے اسلامی لشکر کے لئے کھول دیئے۔ آج عین التمر پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا، آج فلاں شہر کی فوج نے مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور آج فلاں فوج نے تاب مقاومت نہ لا کر راہِ فرار اختیار کی...... رومیوں کو یقین تھا کہ تیماء پر مقیم اسلامی فوج بھی چین سے بیٹھنے والی نہیں، وہ بھی اپنے بھائیوں کی تقلید میں شامی سرحد پر دست درازی کرنے سے کسی صورت باز نہ رہے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایک نئے جوش اور ولولے سے مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

یہ دیکھ کر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، جس میں رومیوں کے جوش وخروش اور بہراء، کلب، تنوخ، لخم، جذام اور غسان کے قبائل کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دیتے ہوئے شامی سرحد کے اندر پیش قدمی کی اجازت طلب کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت شام بھیجنے کے لئے فوجوں کی فراہمی میں مصروف تھے۔ انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو جواباً لکھا:

”تمہاری درخواست پر تمہیں پیش قدمی کی اجازت دی جاتی ہے لیکن حملہ کرنے میں کبھی پہل نہ کرنا اور ہمیشہ اللہ سے مدد مانگتے رہنا۔“

شامی فتوحات کے سلسلے میں یہ پہلے کلمات تھے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلم سے نکلے تھے۔

اسلامی فوجوں کی پیش قدمی

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے مختصر سے دستے اور بدوی قبائل کے ہمراہ شام کی سرحد پر تیماء میں مقیم تھے۔ ان کے مقابلے کے لئے سرحدی قبائل پر مشتمل رومیوں کا عظیم الشان لشکر سرحد کے دوسری طرف تیار کھڑا تھا لیکن اپنے سے کئی گنا فوج کو دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے کے بجائے اور زیادہ بڑھ گئے اور ان کے عزم وارادہ میں پہلے سے زیادہ پختگی آ گئی۔ جب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ ہدایات موصول ہوئیں تو انہوں نے فوراً اپنی فوج کو تیار ہونے کا حکم دے دیا اور اسے لے کر شامی حدود میں داخل ہو گئے۔ رومیوں اور ان کے مددگاروں نے جونہی اسلامی لشکر کو اپنی طرف آتے دیکھا وہ حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ لشکرگاہ میں داخل ہوئے اور رومیوں کا چھوڑا ہوا سامان قبضے میں کر لیا۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی پہلی فتح کی اطلاع بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا:

> "آگے بڑھتے چلے جاؤ لیکن جب تک تمہارے پاس مزید فوجیں نہ پہنچ جائیں، بہ طور خود دشمن پر حملہ کرنے سے پرہیز کرو۔"

چنانچہ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ بحرمراد کے مشرقی ساحل کے قریب مقام قسطل پر انہیں ایک رومی لشکر کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اسے بھی شکست دی اور پیش قدمی جاری رکھی۔ یہ دیکھ کر رومیوں اور اہل شام کو بہت طیش آیا۔ ان کی آتش حمیت بھڑک اٹھی اور انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

جب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ جنگی تیاریاں دیکھیں تو انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جلد از جلد کمک روانہ کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ کامیابی سے سفر جاری رکھ سکیں۔ اس دوران میں مدینہ سے فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ

عنہ کو ان کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اور خدائی امداد پر کامل بھروسا۔ وجہ یہ تھی کہ رومی ایرانیوں سے کسی طرح بھی بہتر نہ تھے۔ جب سے انہوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا تھا، انہیں عیش و آرام کے سوا کوئی کام ہی نہ رہا تھا۔ سرحدوں کی حفاظت کا سارا کام انہوں نے بدوی قبائل پر چھوڑ رکھا تھا۔ یہ قبائل اگرچہ شجاعت و بہادری میں تو کسی سے ہیٹے نہیں تھے لیکن جنس اور زبان کے لحاظ سے جو تعلق انہیں اہلِ عرب سے تھا، وہ رومیوں سے نہ تھا۔ شامی عرب اگرچہ عیسائی مذہب کے پیرو تھے پھر بھی ہرقل کی عیسائیت اور ان کی عیسائیت میں بڑا فرق تھا۔ شامی عرب ''ارثوذکسی'' (آرتھوڈوکس) عقیدے کے پیرو تھے اور قیصر ''کاثولیکی'' (کیتھولک) فرقے کا متبع۔

جب شامیوں نے دیکھا کہ قیصر کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلے میں آنے سے جی چرا رہا ہے، وہ سمجھ گئے کہ قیصر کو اپنے اہلِ وطن کی تباہی و بربادی کا خطرہ ہے، اس لئے وہ انہیں مسلمانوں کے مقابلے میں لانے کے بجائے ہمیں قربانی کا بکرا بنانا چاہتا ہے۔ اس پر شامی عیسائیوں کے حوصلے بھی پست ہو گئے اور اس خیال سے کہ وہ خواہ مخواہ رومیوں کی سلطنت کے بچاؤ کی خاطر اپنی جانیں کیوں قربان کریں، انہوں نے لڑائی سے دست کشی اختیار کر لی اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی کے لئے راستہ صاف کر دیا۔

اسلامی لشکروں کی روانگی

مؤرخین میں اس کے متعلق اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون سا لشکر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے روانہ ہوا تھا؟ طبری، ابن اثیر اور ابن خلدون نے اس سلسلے میں جو روایات بیان کی ہیں وہ ان روایات سے مختلف ہیں جو واقدی، ازدی اور بلاذری نے لکھی ہیں۔ ذیل میں سب سے پہلے ہم طبری، اور اس کے مذکورہ بالا ساتھیوں کی روایات کا تذکرہ کرتے ہیں اور بعد میں واقدی، ازدی اور بلاذری کی روائتیں درج کریں گے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کندہ اور حضرموت کی بغاوتوں کو فرو کر کے یمن اور مکہ کے راستے مدینہ پہنچے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی مدد کیلئے جانے کا حکم

دیا۔ عکرمہ ﷛ کا پاناوہ لشکر چھوڑ چکے تھے جس کے ساتھ انہوں نے جنوبی علاقوں میں مرتدین سے جنگیں کی تھیں۔ حضرت ابوبکر ﷛ نے ایک اور لشکر تیار کیا اور عکرمہ ﷛ کو اس کی قیادت سپرد کر کے شام کی طرف روانہ کر دیا۔ اسی وجہ سے اس لشکر کا نام ''جیش بدال'' پڑ گیا۔ عکرمہ ﷛ کے ساتھ ہی انہوں نے ذوالکلاع حمیری کو اس لشکر کا سردار بنا کر جو اُن کے ساتھ یمن سے آیا تھا، شام روانہ ہونے کا حکم دیا تاکہ خالد بن سعید کو اطمینان رہے اور وہ پیش قدمی جاری رکھ سکیں۔

حضرت عمرو بن العاص ﷛ سے مراسلہ

اسی زمانے میں عمرو بن عاص ﷛ مرتدین سے فراغت پا کر قضاعہ میں مقیم تھے۔ ابوبکر ﷛ کی خواہش تھی کہ وہ بھی شام جا کر خالد ﷛ بن سعید کے مدد و معاون ثابت ہوں لیکن ان کے کارناموں کی وجہ سے، جو انہوں نے فتنہ ارتداد فرو کرنے کے سلسلے میں انجام دیئے تھے، ابوبکر ﷛ نے انہیں اختیار دیا کہ خواہ وہ قضاعہ ہی میں مقیم رہیں، خواہ شام جا کر وہاں کے مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنیں۔ ابوبکر ﷛ نے انہیں لکھا:

''اے ابوعبداللہ! میں تمہارے سپرد ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر ہے۔ لیکن تمہاری خوشی مجھے بہرحال منظور ہے۔''

عمرو بن عاص ﷛ نے جواب میں لکھا:

''میں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں اور اللہ کے بعد آپ اس کے تیرانداز۔ جس طرف آپ کو کوئی خطرہ نظر آئے آپ بلاتامل اس تیر کو چلایئے جو بہت سخت اور جگر چھلنی کرنے والا ہے۔''

ابوبکر ﷛ نے ولید بن عقبہ ﷛ کو بھی اسی مضمون کا خط لکھا تھا۔ انہوں نے بھی جواب میں عمرو بن عاص ﷛ کی طرح اخلاص و محبت اور ایثار کا اظہار کیا۔ چنانچہ ابوبکر ﷛ نے عمرو بن عاص ﷛ کو فلسطین اور ولید کو اردن کا حاکم مقرر کر کے شام روانہ ہونے کا حکم دیا۔

تعمیل حکم میں دونوں صاحب شام روانہ ہو گئے۔ سب سے پہلے ولید بن عقبہ، خالد بن سعید ؓ کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ اہل مدینہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے بے تاب ہیں اور ابوبکر ؓ فوجیں بھیجنے کا بندوبست کر رہے ہیں۔ یہ سن کر خالد ؓ کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے اس خیال سے کہ رومیوں پر فتح یابی کا فخر انہی کے حصے میں آئے، ولید بن عقبہ ؓ کو ساتھ لے کر رومیوں کی عظیم الشان فوج پر حملہ کرنا چاہا جس کی قیادت ان کا سپہ سالار اعظم باہان کر رہا تھا۔ انہوں نے سوچا تھا کہ جس طرح خالد بن ولید ؓ نے مٹھی بھر فوج کے ہمراہ ہرمز کو شکست دے کر عراق میں اپنا سکہ بٹھایا تھا، اسی طرح وہ بھی باہان کو شکست دے کر رومیوں پر اپنا رعب قائم کر سکیں گے۔

باہان کو جب خالد بن سعید ؓ کے ارادے کا پتا چلا تو اس نے لشکر لے کر دمشق کا رُخ کیا۔ خالد ؓ اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ واقوصہ اور دمشق کے درمیان مقام "مرج الصفر" میں پڑاؤ ڈال کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ باہان کا پیچھے ہٹنا اصل میں ایک چال تھی اور وہ مسلمانوں کو گھیرے میں لے کر پشت سے ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی خطرے سے ابوبکر ؓ نے بار بار انہیں خبردار کیا تھا لیکن کامیابی کے نشے اور فخر و مباہات کی محبت نے خالد بن سعید ؓ کے دل سے یہ بات قطعاً فراموش کر دی کہ وہ اپنی پشت کی حفاظت کا بندوبست کیے بغیر آگے نہ بڑھیں۔ جب وہ مرج الصفر کے قریب پہنچے تو باہان لشکر لے کر پلٹا اور مسلمانوں کا محاصرہ کر کے ان کی پشت کا راستہ کاٹ دیا۔ اتفاق سے اسلامی فوج کا ایک دستہ باقی لشکر سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ اس دستے میں خالد ؓ کا لڑکا سعید بھی تھا۔

خالد بن سعید ؓ کو مدینہ میں نہ آنے کا حکم

باہان نے سب سے پہلے اس دستے پر حملہ کیا اور تمام لوگوں کو جن میں سعید بن خالد بھی شامل تھا، قتل کر دیا۔ جب خالد بن سعید ؓ کو اپنے بیٹے کے مارے جانے کی اطلاع ملی اور اپنے آپ کو خونخوار دشمنوں سے محصور پایا تو ان کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔

انہوں نے لشکر عکرمہؓ کی سرکردگی میں چھوڑ کر چند آدمیوں کے ہمراہ راہِ فرار اختیار کی اور مدینہ کے قریب ذوالمروہ ہی پہنچ کر دم لیا۔ جب ابوبکرؓ کو اس واقعے کا پتا چلا تو انہوں نے خالدؓ کو بہت سخت خط لکھا اور انہیں مدینہ آنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے شکست خوردہ ہمراہیوں کے ساتھ انتہائی حزن والم کی حالت میں ذوالمروہ ہی میں مقیم رہے۔ ابوبکرؓ فرمایا کرتے تھے:

> ”عمرؓ اور علیؓ مجھ سے زیادہ خالدؓ کی سرشت سے واقف تھے۔ اگر میں ان دونوں کا کہا مانتا تو مسلمانوں کو اس شکست سے دوچار ہونا نہ پڑتا۔“

خالد بن سعیدؓ کے فرار کے باوجود ابوبکر کے عزم وحوصلہ میں مطلق فرق نہ آیا۔ جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ عکرمہ بن ابوجہل اور ذوالکلاع حمیری اسلامی لشکر کو رومیوں کے چنگل سے بچا کر واپس شام کی سرحد پر لے آئے ہیں اور وہاں مدد کے منتظر ہیں تو ابوبکرؓ نے ایک لحہ ضائع کیے بغیر کمک بھیجنے کا انتظام شروع کر دیا۔

شرحبیل بن حسنہؓ عراق میں خالد بن ولیدؓ کے ساتھ تھے اور اس زمانے میں قیدی اور مال غنیمت لے کر مدینہ آئے ہوئے تھے۔ ابوبکرؓ نے انہیں ولید بن عقبہؓ کی جگہ شام جانے کا حکم دیا۔ ولید بن عقبہؓ بھی ان ہزیمت خوردہ لوگوں میں شامل تھے جو خالد بن سعیدؓ کے ہمراہ شام سے فرار ہو کر ذوالمروہ میں مقیم تھے۔ شرحبیلؓ نے ابن سعیدؓ اور ابن عقبہؓ کے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں لے کر عکرمہؓ کے پاس روانہ ہو گئے۔

لشکروں کی روانگی اور ان کو ہدایات

اس کے بعد ابوبکرؓ نے ایک اور بھاری لشکر جمع کیا جس میں اکثریت مکہ والوں کی تھی۔ اس لشکر کا سردار انہوں نے یزید بن ابی سفیانؓ کو بنایا اور انہیں شام روانہ ہونے کا حکم دیا۔ یزیدؓ کے پیچھے انہوں نے خالد بن سعید کے بقیہ لشکر پر ان کے بھائی

معاویہ بن ابی سفیانؓ کو امیر بنا کر اسے بھی شام بھیجا۔ اسی پر بس نہ کیا بلکہ ابوعبیدہ بن جراحؓ کو بھی حمص کا والی بنا کر ایک بھاری لشکر کے ہمراہ شام کی طرف کوچ کا حکم دیا۔

یہ تمام لشکر جرف میں جا کر خیمہ زن ہوتے تھے۔ جب بھی کسی لشکر کی روانگی کا وقت آتا، ابوبکرؓ خود شہر سے باہر تشریف لے جاتے اور سالار کو یہ نصائح فرما کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے:

''یاد رکھو ہر کام کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ جس نے اس مقصد کو پالیا وہ کامیاب ہو گیا۔ جو شخص اللہ کے لئے کوئی کام کرتا ہے اللہ خود اس کا کفیل ہو جاتا ہے۔ تمہیں کوشش اور جدوجہد سے کام لینا چاہئے کیونکہ جدوجہد کے بغیر کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو جس شخص میں ایمان نہیں، وہ مسلمان کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔ جو کام ثواب کی خاطر نہ کیا جائے اس کا کوئی ثواب بھی نہیں ملتا۔ جس کام میں نیک نیتی شامل نہیں وہ کام ہی نہیں۔ کتاب اللہ میں اللہ کی خاطر جہد کرنے والوں کو بہت بڑے اجر و ثواب کی خوش خبری دی گئی ہے لیکن کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس ثواب کو صرف اپنے لئے مخصوص کرنا چاہے۔ جہاد فی سبیل اللہ ایک تجارت ہے جسے اللہ نے مومنوں کے لئے جاری فرمایا ہے۔ جو شخص اسے اختیار کرتا ہے، اللہ اسے رسوائی سے بچا لیتا ہے اور دونوں جہاں کی عزت بخشتا ہے۔''

یزید بن ابی سفیانؓ کی روانگی کے وقت انہوں نے جو نصائح فرمائیں، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

''اپنے لشکر کے ساتھ اچھی طرح رہنا۔ ان سے عمدہ سلوک کرنا۔ انہیں نصیحت کرتے وقت اختصار سے کام لینا کیونکہ زیادہ باتیں کرنے سے بعض حصے بھول جاتے ہیں۔ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا، اس طرح لوگ بھلائی سے پیش آئیں گے۔ دشمن

کے ایلچیوں کی عزت کرنا اور انہیں زیادہ دیر پاس نہ بٹھانا کہ جب وہ تمہارے لشکر سے باہر نکلیں تو انہیں جنگی رازوں کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو لشکر کے سب سے شاندار حصے میں انہیں ٹھہرانا۔ اپنا بھید چھپانا تاکہ تمہارا نظام درہم برہم نہ ہو جائے۔ ہمیشہ سچی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔ راتوں کو اپنے رفیقوں کے ساتھ بیٹھنا، اس طرح تمہیں ہر قسم کی خبریں مل سکیں گی۔ لشکر میں پہرے کا انتظام کرنا اور پہرے والے سپاہیوں کو سارے لشکر میں پھیلا دینا۔ اکثر ان کا اچانک معائنہ بھی کرنا۔ اگر کسی ایسے شخص کو سزا دو جو اس کا مستحق ہو تو اس میں کسی قسم کا خوف دل میں نہ لانا۔ مخلص اور وفادار رفیقوں سے میل جول رکھنا۔ جن سے ملو، اخلاص سے ملنا۔ بزدلی نہ دکھانا کیونکہ اس طرح دوسرے لوگ بھی بزدلی کا اظہار کرنے لگیں گے۔"

ان لشکروں کو روانہ کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ انہیں کامل امید تھی کہ اللہ ان فوجوں کے ذریعے سے مسلمانوں کو رومیوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ وجہ یہ تھی کہ ان میں ایک ہزار سے زیادہ مہاجر اور انصار صحابہ شامل تھے جنہوں نے ہر موقع پر انتہائی وفاداری کا ثبوت دیا تھا اور ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ ان میں وہ اہل بدر بھی شامل تھے جن کے متعلق آپ ﷺ نے اپنے رب کے حضور یہ التجا کی تھی:

"اے اللہ! اگر آج تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو آئندہ پھر کبھی زمین پر تیری پرستش نہ کی جائے گی۔"

یہی وہ لوگ تھے جن کی مدد کے لئے اللہ نے آسمان سے فرشتے نازل کئے اور جن کے متعلق یہ آیات مقدسہ نازل ہوئیں:

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَت فِئَةً كَثِيرَةً بِاِذنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ.

"کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے اِذن سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

یرموک: رومی فوجوں کی چڑھائی

ابتداء میں رومیوں نے مسلمانوں کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح محمد (ﷺ) تبوک تک آ کر واپس چلے گئے تھے، اسی طرح اب بھی تھوڑی بہت ترکتازیوں کے بعد عرب آخر واپس چلے جائیں گے۔ چنانچہ جب خالد بن سعید نے رومیوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کی تو رومیوں کے اس یقین میں اور بھی پختگی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے ان خبروں کو بھی زیادہ اہمیت نہ دی کہ عکرمہ کی مدد کے لئے مسلمانوں کی فوجیں دم بہ دم شام کی سرحد کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ ان فوجوں کا حشر بھی خالد بن سعید کے لشکر جیسا ہو گا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مجتمع ہونے لگیں جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے تو رومی خوابِ غفلت سے جاگے اور انہیں حالات کی نزاکت کا احساس ہوا۔ ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر انہوں نے پوری قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیا تو عراق کے سے حالات یہاں بھی پیش آئیں گے اور سارا شام مسلمانوں کے قبضے میں چلا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ ہرقل نے ہر اسلامی لشکر کے مقابلے کے لئے زبردست فوجیں روانہ کیں تاکہ ان پر علیحدہ علیحدہ حملہ کر کے ان کی قوت و طاقت کو نابود کیا جا سکے اور انہیں ہمیشہ کے لئے سرزمینِ شام سے نکال دیا جائے۔

مختلف روایات سے پتا چلتا ہے کہ اس موقع پر مسلمان فوجوں کی کل تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی لیکن ان کے مقابلے میں رومی افواج دو لاکھ چالیس ہزار پر مشتمل تھیں۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد چھ ہزار تھی اور ابوعبیدہ، یزید اور عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہم) کے لشکروں میں سے ہر ایک کی تعداد سات اور آٹھ ہزار کے درمیان تھی۔

رومی افواج میں سب سے بڑا لشکر ہرقل کے بھائی تذارق (تھیوڈورِیک) کا تھا جو نوے ہزار سپاہ پر مشتمل تھا۔ یہ لشکر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بالمقابل صف آراء

تھا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے بالمقابل فیقار بن فسطوس کا لشکر تھا جس کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے لئے جرجہ بن تدرا کو بھیجا گیا۔ ہرقل خود حمص میں مقیم تھا اور تمام حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا۔ پل پل کی خبریں اسے مل رہی تھیں اور اس کی تمام تر کوشش سلطنت کو عربوں کے قبضے میں جانے سے بچانے پر صرف ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے بھائی تذارق کو اس عظیم مہم پر مامور کیا تھا۔ اسی تذارق کے ذریعے سے عربوں کو نیست و نابود کرنے اور انہیں ایسا سبق دینے کا تہیہ کیا جا رہا تھا جسے وہ عمر بھر فراموش نہ کر سکیں۔

رومیوں کی عظیم الشان افواج کو دیکھ کر مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیج کر ان کی رائے طلب کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری رائے میں اس نازک ترین موقع پر دشمن سے علیحدہ علیحدہ جنگ کرنا مسلمانوں کے لئے کسی طرح بھی سودمند نہ ہوگا اس لئے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا ہو کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ اگر ہم یکجا ہو گئے تو دشمن کثرت تعداد کے باوجود ہمارے مقابلے پر نہ ٹھہر سکے گا لیکن ہم اپنی موجودہ صورت پر قائم رہے تو ہماری کوئی بھی فوج دشمن کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے گی اور بہت جلد شکست کھا جائے گی۔

دربار خلافت سے بھی وہی مشورہ موصول ہوا جو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے سپہ سالاروں کو لکھا:

> "اکٹھے ہو کر ایک لشکر کی شکل اختیار کر لو اور متحد ہو کر دشمن کے مقابلے کے لئے نکلو، تم اللہ کے مددگار رہو۔ جو شخص اللہ کا مددگار رہوگا اللہ بھی اس کی مدد کرے گا لیکن جو اس کا انکار کرے گا اور ناشکری کا ثبوت دے گا، اللہ بھی اسے چھوڑ دے گا...... گناہوں سے یکسر اجتناب کرو۔ اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہو۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عبیدہ بن جراح کو اسلامی فوجوں کا امیر بنانا

عرب قبائل جہاد کے شوق میں چاروں طرف سے آ کر مدینہ میں اکٹھے ہو رہے

تھے۔ اہل مکہ کی بھی ایک کثیر تعداد مدینہ پہنچ چکی تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام لوگوں کا سردار عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا اور انہیں شام روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''کیا شام میں لڑنے والی فوجوں کی قیادت بھی میرے پاس رہے گی؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''تم صرف ان لوگوں کے سردار ہو جو یہاں سے تمہارے ساتھ بھیجے جا رہے ہیں لیکن شام پہنچ کر اگر اسلامی لشکروں کو مل کر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا تو تمہارے امیر ابوعبیدہ بن جراح ؓ ہوں گے۔''

روانگی کا وقت آیا تو عمرو بن عاص ؓ نے حضرت عمر ؓ سے درخواست کی کہ وہ حضرت ابوبکر ؓ سے سفارش کر کے انہیں شام میں لڑنے والی اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کرا دیں، لیکن عمر ؓ نے صاف جواب دے دیا اور کہا:

''میں تمہیں دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔ میں ہرگز ابوبکر ؓ سے یہ سفارش نہ کروں گا۔ کیونکہ میرے نزدیک درجے کے لحاظ سے ابوعبیدہ ؓ تم سے افضل ہیں۔''

عمرو بن العاص ؓ نے کہا:

''میرے امیر بن جانے سے ابوعبیدہ ؓ کے درجے اور فضیلت میں کوئی فرق نہیں آئے گا''۔

لیکن عمر ؓ پر عمرو بن عاص ؓ کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور انہوں نے جواب دیا:

''عمرو! تمہیں کیا ہو گیا؟ تم اپنے لئے امارت کے خواہش مند ہو اور اس سے تمہاری غرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہیں ایک دنیوی رتبہ اور قدر و منزلت حاصل ہو جائے۔ تمہیں اللہ سے ڈرنا اور اس کی خوشنودی کے سوا اور کسی چیز کا طالب نہ ہونا چاہئے۔ تم لشکر لے کر شام روانہ ہو جاؤ۔ اگر اس مرتبہ تم امیر نہیں بن سکے تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ امارت کے مواقع

آگے چل کر بہت آئیں گے۔"

اس قسم کی باتیں کر کے عمر ﷜ نے عمرو بن عاص ﷜ کو راضی کر لیا اور وہ ابوبکر ﷜ سے قیمتی نصائح حاصل کرنے کے بعد فوج لے کر شام روانہ ہو گئے۔

اگرچہ ابوبکر ﷜ کی طرف سے ابوعبیدہ ﷜ کو پیش قدمی کی ہدایات مل رہی تھیں لیکن اس کے باوجود پیش قدمی کی رفتار بہت سست تھی۔ مدینہ سے بھیجی ہوئی امداد اور عمرو بن عاص ﷜ کے شام پہنچنے پر بھی اس سست روی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ ابوعبیدہ برابر ابوبکر ﷜ کو لکھتے رہے:

"رومی اور ان کے حاشیہ نشین قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بھاری تعداد میں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اس لئے مجھے رائے دیجئے کہ اس موقع پر کیا کرنا چاہئے؟"۔

حضرت خالد بن ولید ﷜ کو سپہ سالار بنا کر شام بھیجنے کا فیصلہ

ابوعبیدہ ﷜ کے پے در پے خطوط سے ابوبکر ﷜ تنگ آ گئے، اور انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اس وقت عراق میں تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا:

"جونہی میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے، عراق سے شام روانہ ہو جاؤ۔ مثنیٰ کی فوج کو عراق ہی میں چھوڑ دو اور اپنے ساتھیوں میں سے بہترین آدمی چن کر ساتھ لے لو۔ شام پہنچ کر ابوعبیدہ بن جراح ﷜ سے ملو، اس وقت شام کی افواج ابوعبیدہ ﷜ کے زیر سرکردگی ہیں، لیکن آئندہ ان فوجوں کے سپہ سالار تم ہو گے۔ والسلام علیک۔"

جب خالد ﷜ کو یہ خبر ملی کہ انہیں عراق سے ہٹا کر شام بھیجا جا رہا ہے تو انہیں بہت غصہ آیا۔ ابھی تک انہوں نے خلیفہ کا خط نہ پڑھا تھا۔ انہیں خیال ہوا کہ یہ سارا کام عمر ﷜ کا ہے، وہ انہیں عراق سے ہٹا کر خود ان کی جگہ لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس خیال کا اظہار

انہوں نے زبان سے بھی کر دیا۔ انہوں نے کہا:

''یہ سب کچھ عمر رضی اللہ عنہ کا کیا دھرا ہے، انہیں اس بات کا حسد ہے کہ اللہ نے عراق میرے ذریعے سے کیوں فتح کرایا۔''

لیکن جب انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خط کھول کر پڑھا جس میں انہیں شام میں مقیم اسلامی افواج کی قیادت سپرد کی گئی تھی تو اطمینان کا سانس لیا۔

جن مورخین نے واقعات اس ترتیب سے بیان کیے ہیں وہ یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خط خالد رضی اللہ عنہ کو ملا تو وہ حیرہ میں تھے اور انبار و عین التمر کی فتوحات ابھی تک وقوع میں نہ آئی تھیں۔ خط ملنے پر انہوں نے تیاری کی اور شام روانہ ہو گئے۔ یہ دونوں مقام راستے میں پڑتے تھے، انہیں فتح کیا اور قراقر پہنچے۔ قراقر سے وہ صحرا کو قطع کر کے سوئی پہنچے جہاں سے سرزمینِ شام شروع ہو جاتی تھی۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک خط ارسال کیا تھا، جس میں لکھا تھا:

''میں نے خالد بن ولید کو رومیوں سے جنگ کرنے کا کام سپرد کیا ہے۔ تم ان کی مخالفت نہ کرنا اور بہ دل و جان اس کے تمام احکام کی اطاعت کرنا۔ میں نے انہیں تمہارا امیر مقرر کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ دینی لحاظ سے تمہارا مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ سے بلند تر ہے لیکن جو جنگی مہارت خالد رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے، وہ تمہیں حاصل نہیں۔ اللہ ہمیں اور تمہیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

ادھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

''میری دعا ہے کہ اللہ ہمیں اور تمہیں خوف کے دن امن عطا فرمائے اور اس دنیا میں دشمنوں کے ہاتھوں شکست کھانے سے محفوظ رکھے۔ میرے

پاس خلیفۂ رسول اللہ ﷺ کا خط آیا ہے جس میں مجھے شام جانے اور وہاں اسلامی لشکروں کی کمان سنبھالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ واللہ! نہ میں نے شامی افواج کی سپہ سالاری کی خواہش کی، نہ میرے خیال میں یہ بات آ سکتی تھی کہ مجھے شامی افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا جائے گا، نہ میں نے کبھی خلیفۂ رسول اللہ ﷺ یا کسی اور شخص کو اشارۃً و کنایۃً کوئی خط ہی لکھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو مرتبہ اس وقت آپ کا ہے، آئندہ بھی اسی طرح برقرار رہے گا۔ نہ آپ کے کسی حکم سے روگردانی کی جائے گی، نہ آپ کی کسی رائے کی مخالفت کی جائے گی اور نہ کوئی کام آپ کے مشورے کے بغیر کیا جائے گا کیونکہ آپ مسلمانوں کے سردار ہیں، آپ کی فضیلت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور نہ آپ کی رائے سے پہلوتہی کی جا سکتی ہے۔ اللہ ہمیں اپنے احسان کی دولت سے مالا مال کر دے اور آگ کے عذاب سے بچائے۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ۔"

خالد ؓ سوئی سے لوئی پہنچے، وہاں سے قصم آئے جہاں انہوں نے بنومشجعہ سے صلح کی۔ یہاں سے وہ غویر اور ذات الضمین کی طرف مڑے اور راستے میں مقیم قبائل کو مرعوب کرتے ہوئے غوطہ دمشق پہنچ گئے۔ راستے میں تدمر کی تسخیر بھی عمل میں آئی۔

غوطہ سے ثنیۃ العقاب کے راستے انہوں نے دمشق کا قصد کیا۔ اس ثنیہ (گھاٹی) کو ثنیۃ العقاب کا نام خالد ؓ کے حملے کے بعد دیا گیا کیونکہ یہاں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا "عقاب" لہرایا تھا۔ دمشق کے مشرقی دروازے سے ایک میل کے فاصلے پر وہ ایک گرجے میں اُترے جسے بعد میں "دیر خالد" کا نام دے دیا گیا۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ ابوعبیدہ ؓ ان سے یہیں ملے تھے اور دمشق کا محاصرہ اصل میں اس روز شروع ہوا تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ خالد ؓ نے دمشق کے سامنے زیادہ دن تک قیام نہ کیا بلکہ آگے بڑھ کر قناۃ بصریٰ پہنچے جہاں مسلمانوں کی افواج مجتمع تھیں۔ اس

اثناء میں مسلمانوں کو خبریں پہنچنی شروع ہوئیں کہ ہرقل نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اجنادین میں ایک عظیم الشان لشکر جمع کیا ہے۔ یہ خبریں سن کر پہلی روایت کے مطابق مسلمان دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اور دوسری روایت کے مطابق بصریٰ کا محاصرہ ختم کر کے رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اجنادین کی جانب روانہ ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات سے چوبیس روز پہلے اجنادین میں مسلمانوں اور رومیوں کی پہلی مڈبھیڑ ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از طرف عبداللہ عتیق بن ابوقحافہ بجانب خالد بن ولید:

السلام علیکم۔ میں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اُن کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ میں تمہیں مسلمانوں کے لشکر پر سپہ سالار مقرر کر کے رومیوں سے جنگ کا حکم دیتا ہوں۔ تم اللہ عزوجل کی مرضی ڈھونڈنے اور خدا کے دشمنوں کے قتل کرنے میں جلدی کرو اور جن لوگوں نے خداوند تعالیٰ کے راستہ میں دل کھول کر جہاد کیا ہے تم بھی ان میں شامل ہو جاؤ۔"

اس کے بعد یہ آیت لکھی۔

"یا ایھا الذین امنو اھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم"

"اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں سخت عذاب سے نجات دیدے۔"

میں تمہیں ابوعبیدہ نیز اس کی فوج پر حاکم مقرر کرتا ہوں۔ والسلام علیک!"

یہ حکم نامہ مجمع بن مفرح الکنانی کو دے کر روانہ کیا۔ وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر عراق کی طرف چلے۔ قریب ہی تھا کہ حضرت خالد قادسیہ کو فتح کر لیں۔ جب انہیں یہ حکم نامہ ملاء

آپ نے پڑھ کر کہا اطاعت وفرمانبرداری اللہ عزوجل اور خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ضروری ہے۔ آپ نے قادسیہ سے رات ہی کو عین التمر کے راستہ سے کوچ کر دیا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کی معزولی اور اپنے شام آنے کی اطلاع دی اور لکھا:

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے افواج اسلام پر سردار مقرر فرمایا ہے جب تک میں آپ کے پاس نہ پہنچ جاؤں اس وقت تک آپ اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں۔'' والسلام علیک!

یرموک پر اسلامی لشکروں کا اجتماع

چاروں اسلامی لشکروں نے ان مشوروں کے تحت یکجا ہو کر دمشق کے راستے میں یرموک کے بائیں کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ تذارق نے یہ دیکھا تو اپنی پوری طاقت دریا کے دائیں کنارے پر لا کر جمع کر دی۔

دریائے یرموک حوران کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مختلف پہاڑوں کے درمیان بڑی تیزی سے گزرتا ہوا خور، اردن اور بحر مردار میں جا گرتا ہے۔ دریائے یرموک اور دریائے اردن کے مقام اتصال سے تیس چالیس میل اوپر دریائے یرموک ایک طویل و عریض میدان کے گرد چکر کاٹتا ہے جسے تین اطراف سے اونچی اونچی پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس میں ایک عظیم الشان فوج آسانی سے خیمہ زن ہو سکتی ہے۔ رومیوں نے یہ جگہ پسند کی اور وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ لیکن اس کے انتخاب میں رومیوں سے سخت غلطی ہوئی۔

یرموک میں رومیوں کی ہزیمت

دونوں فریقوں میں لڑائی ہونے لگی۔ آخر رومی ہزیمت کھا کے بھاگے اور ہزاروں کی تعداد میں وہیں ڈھیر ہو کے رہ گئے۔ اسی طرح رومی مسلسل اکثر مارے گئے اور بہت سے گھوڑوں کے سموں میں روند دیئے گئے۔ آخر آفتاب اپنی کرنوں کے نیزے تانے مغرب کی طرف مائل ہوا۔ دونوں فریق علیحدہ علیحدہ ہوئے، خون بہہ رہا تھا۔ زمین مقتولوں

کی نعشوں سے پٹی پڑی تھی۔ دونوں لشکروں میں زخمی ہی زخمی نظر آ رہے تھے، البتہ رومیوں میں زیادہ تھے اور مسلمانوں میں کم۔ ہر ایک قوم اپنی اپنی اصلاح اور اپنے اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول ہوئی۔ عورتوں نے کھانا تیار کرنا، زخمیوں کو دھونا، ان پر مرہم پٹی لگانا اور جن چیزوں کی مَردوں کو ضرورت ہوئی ان کے فراہم کرنے کی کوشش شروع کی۔

فتوح الشام میں لکھا ہے، لڑائی کا الاؤ اسی طرح گرم تھا اور آغازِ دن سے سورج کے غروب ہونے کے قریب تک اسی طرح اپنے شعلے بھڑکا تا رہا، رات جوں جوں قریب آتی جاتی تھی اس کی گرمی اور شدت اور تیز ہوتی جاتی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نیز دوسرے سردارانِ لشکر اپنے اپنے نشانات لیے ہوئے برابر لڑ رہے تھے حتیٰ کہ رات کی ظلمت نے ان دونوں حریفوں کے لشکروں کے مابین پردہ ڈال دیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، حضرت مرقال بن ہاشم رضی اللہ عنہ، نیز قبیلہ بنی حمیر، لخم اور جذام کو ساتھ لے کر مسلمانوں کی طرف لوٹے۔ اس یوم التعویر کے دن چالیس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ رومی کام آئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس روز نو تلواریں ٹوٹیں۔ بعض حضرات جو جنگِ یرموک میں حاضر تھے، روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اس روز لڑنا سو بہادر اور شجیع جوانوں کے لڑنے کے برابر تھا۔

عامر بن یاسر رحمۃ اللہ علیہ نے بہ سلسلہ روات بیان کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا کہ مشرکین کے مقتولین کی تعداد کا شمار کیا جائے مگر آپ ان کی کثرت کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہو سکے۔ آپ نے حکم دیا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لائی جائیں اور ان میں سے ایک ایک لکڑی ہر مقتول کے اوپر رکھ کر پھر ان لکڑیوں کا شمار کر لیا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مقتولین کی تعداد ایک لاکھ پانچ ہزار ہے اور قیدی چالیس ہزار اور جو نا قوصہ ندی میں ڈوب کر مر گئے وہ علیحدہ رہے۔ جانبازانِ اسلام کا شمار کیا گیا تو چار ہزار شہداء کی لاشیں دستیاب ہوئیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے یرموک کے میدان میں کچھ مقتول سر بھی پائے جو مشتبہ تھے کہ آیا یہ نصرانی عرب کے ہیں یا مسلمان شہداء کے۔ آخر آپ

نے ان کے غسل کا حکم دیا۔ نمازِ جنازہ بھی پڑھی اور دوسرے شہداء کے ساتھ سپرد خاک کر دیئے گئے۔ اس کے بعد مسلمان پہاڑ اور جنگل میں رومیوں کی تلاش کے لئے نکلے۔ ایک چرواہے کو انہوں نے دیکھا کہ اس سے دریافت کیا کہ کیا کوئی رومی ادھر سے گزرا ہے؟ اس نے کہا ہاں ایک سردار جس کے ساتھ چالیس ہزار کے قریب جماعت تھی میرے پاس سے ہو کے گیا ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ یہ سردار باہان ملعون تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا اس کے اور اس کی فوج کے قدموں کے نشانات پر آپ چلے جا رہے تھے، جس وقت مسلمان فوج دشمن فوج کے قریب پہنچی تو انہوں نے تکبیر کے فلک شگاف نعرے بلند کئے، حضرت خالد بن ولید نیز آپ کے لشکر نے حملہ کیا، تلواروں کی پیاس بجھائی اور مقتل عظیم برپا کر دیا۔ بڑے بڑے تو مارے گئے، باہان جو مشہور سپہ سالار تھا، ایک روایت کے مطابق حضرت مالک نخعی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا، اسی طرح دشمن فوج کے ہزاروں فوجی تہ تیغ ہوئے، اور کئی دن کی لڑائی کے بعد آخر جنگ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا۔ جب یرموک فتح ہو چکا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے یرموک کی فتح کی خوشخبری پر مبنی خط دربار خلافت میں بھیجا جو اُس وقت کے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نام تھا، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یرموک کی جنگ کے اختتام سے پہلے ہی وصال فرما چکے تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از خالد بن ولید بخدمت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

السلام علیکم۔ میں اللہ عزوجل کی جن کے سوا کوئی معبود نہیں حمد کرتا ہوں ان کے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ اس کے بعد میں باری تعالیٰ جل مجدہ کی حمد و شکر بجالانے میں اس امر پر کہ مسلمان صحیح وسلامت رہے اور کفار ہلاک، نیز اُن

کی شرارتوں کے شعلے ٹھنڈے اور اُن کے خود شکست ہوئے اور زیادتی کرتا ہوں میں اجنادین کے میدان میں رومیوں کی جمعیت سے جن میں وردان والی حمص بھی شامل تھا ملاقی ہوا انہوں نے باوجود اس کے کہ اپنے لشکروں کو آراستہ و پیراستہ کر کے خوب ٹیپ ٹلو کے ساتھ ظاہر کر رکھا تھا، صلیبیں اٹھا رکھیں تھیں اور اپنے دین کی قسمیں کھا کھا کر عہد و پیمان کر رکھا تھا کہ وہ لڑائی سے کسی طرح اور کسی حالت میں بھی پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں گے۔ مگر ہم نے محض خدائے پاک کی ذات پر بھروسہ کر کے اُن کی طرف خروج کیا۔ باری تعالیٰ جل مجدہ نے جو کچھ ہمارے قلوب میں مضمر تھا اُس کو معلوم کر کے ہمیں صبر بخشا اور فتح و نصر سے ہماری تائید فرمائی۔ پھر نے دشمنان خدا کو گھیر لیا اور ہم نے اُن کو ہر جگہ ہر ایک گھاٹی اور ہر ایک میدان میں قتل کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ جس وقت ہم نے اُن کے مقتولین کی تعداد معلوم کی تو پچاس ہزار تھی، چار سو پچھتر مسلمان بھی اس جنگ میں کام آئے جن میں سے بیس پچیس انصار اور قبیلہ حمار کے اور تیس مکہ معظمہ کے تھے اور باقی دوسرے لوگ تھے۔ دُعا ہے کہ خداوند تعالیٰ جل مجدہ ان سب کو زمرۂ شہداء میں داخل فرمائیں۔

میں یہ خط آج بروز جمعرات ۲ جمادی الاخری کو لکھ رہا ہوں، ہم دمشق جا رہے ہیں آپ ہمارے لئے باری تعالیٰ جل مجدہٗ کے حضور فتح و نصرت کی دعا کریں۔ تمام مسلمانوں کو میری طرف سے سلام عرض کر دیجئے۔" والسلام علیک!

یہ خط آپ نے ملفوف کر کے حضرت عبدالرحمٰن بن حمید الطبعی کے سپرد کیا اور فرمایا کہ اسے مدینہ منورہ لے جائیں اور خود دمشق کی طرف کوچ کر دیا۔

واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد ملک شام کے حالات معلوم کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک روز حسب معمول جس وقت آپ مدینہ طیبہ سے باہر نکلے تو اچانک آپ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن حمید کو آتے دیکھا۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جلدی سے لپک کر دریافت کیا کہاں سے آ رہے ہو؟ انہوں نے کہا شام سے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح بخشی ہے۔ یہ لفظ سنتے ہی خلیفہ اسلام حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سجدہ شکر کے لئے سربسجود ہو گئے۔ عبدالرحمن بن حمید آپ کی طرف بڑھے اور خدمت اقدس میں پہنچ کر عرض کیا یا خلیفہ رسول اللہ! ذرا سجدے سے سر اٹھایئے خداوند تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کو مسلمانوں کی فتح کے سبب ٹھنڈا کر دیا ہے۔ آپ نے سر اُٹھایا اول آہستہ آہستہ خط پڑھا۔ جب آپ اُس کا پوری طرح مطلب سمجھ گئے تو پھر سب کو باآواز بلند سُنایا۔ مدینہ طیبہ میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ لوگ چاروں طرف سے خط کے سُننے کے اشتیاق کے دوڑے اور آپ نے پھر دوبارہ سب کے سامنے اُس خط کو پڑھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ

مکہ، حجاز اور اہل یمن نے جس وقت مسلمانوں کی فتوحات نیز رومیوں سے جو مال غنیمت آیا تھا اُس کی خبر سُنی تو انہوں نے بھی ثواب واجر کی رغبت میں شام کی طرف خروج کا ارادہ کر دیا۔ باشندگان مکہ معظمہ نیز رؤسا اور اکابر گھوڑے اور اسلحہ لے کر ابوسفیان بن صخر بن حرب اور غیدان بن ہشام کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شام پر خروج کرنے کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے آئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی طرف ان کا جانا ناگوار اور خلاف مصلحت معلوم ہُوا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا چونکہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے دراصل کینہ اور بغض وعداوت موجود ہے اس لئے آپ انہیں ہرگز اجازت نہ دیں۔ اللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ کا قول اعظم وبرتر ہے اور ان کا اسفل وبدتر، یہ اب تک اپنے کفر پر موجود ہیں اور چاہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے نور کو پھونکیں مار مار کر بجھا دیں۔ حالانکہ باری تعالیٰ جل مجدہٗ اُن کی خواہش کے خلاف اس کو پورا اور تمام کر کے رہیں گے۔ ہمارا قول اور دعویٰ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ان کا اس کے خلاف دراصل جس وقت خداوند تعالیٰ نے ہمارے دین کو عزت بخشی اور ہماری شریعت کی مدد و نصرت فرمائی تو یہ لوگ تلوار کے خوف سے مسلمان ہو گئے اور اب جب کہ انہوں نے یہ سنا کہ خدائی لشکر نے رومیوں پر فتح پالی تو یہ ہمارے پاس آئے کہ ہم انہیں دشمنوں کی طرف

بھیج دیں تاکہ وہ سابقین اولین انصار و مہاجرین کے برابر ہو جائیں۔ میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ آپ انہیں ہرگز وہاں جانے کی اجازت نہ دیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے خلاف کسی طرح نہیں کر سکتا اور نہ تمہارے کسی قول کو رد کر سکتا ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اہلِ مکہ کا وفد

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ گفتگو اہل مکہ تک پہنچی اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ ہمارے وہاں جانے کی مخالفت کر رہے ہیں، یہ تمام جمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے بائیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے دائیں تشریف رکھے تھے اور مسلمانوں کو جو فتوحات باری تعالیٰ جل مجدہٗ نے عنایت فرمائی تھیں اُن کا ذکر ہو رہا تھا۔ قریش کی یہ جماعت جس وقت یہاں پہنچی تو آپ کو سلام کر کے آپ کے سامنے بیٹھ گئی اور آپس میں مشورہ کرنے لگی کہ سب سے پہلے کون سلسلہ گفتگو شروع کرے۔

آخر ابوسفیان بن حرب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا یا عمر! یہ صحیح ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہمارے اور آپ کے مابین بغض و عداوت کا سلسلہ چلا آ رہا تھا، مگر جس وقت باری تعالیٰ جل مجدہٗ نے ہمیں ہدایت بخشی تو چونکہ ایمان شرک کو مٹا دیتا ہے اس لئے ہم نے آپ کی طرف سے اپنے دل کو بالکل صاف کر لیا۔ لیکن آپ اب تک وہی باتیں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آخر اس پرانی عداوت رکھنے اور نئی دشمنی کرنے کا ایسا وہ کون سا سبب ہے جو مٹائے نہیں مٹتا۔ کیا اب آپ سے یہ امید رکھیں کہ آپ کے دل میں ہماری طرف سے جو بغض اور تنفر موجود ہے اُس کو آپ دھو ڈالیں گے۔ یہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہم سے افضل اور ایمان و جہاد میں اسبق (بہت پہل کرنے والے) ہیں۔ ہم آپکے مراتب کو جانتے ہیں منکر نہیں ہوتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کلام سُن کر حیا کی وجہ سے اول خاموش رہے اور

شرم کی باعث جناب کے جبیں مبارک پر پسینہ کے چند قطرے نمودار ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا واللہ! میرا یہ مطلب نہ تھا جو آپ حضرات سمجھ گئے بلکہ میرا مقصد خونریزی اور شرارت کو روکنا تھا اور بس۔ چونکہ آپ لوگوں میں زمانہ جاہلیت کی خو اور غیرت اب تک باقی ہے اور حسب ونسب تم اب تک لوگوں پر ظاہر کر کے اپنی بڑائی کرتے رہتے ہو۔ ابو سفیان نے کہا میں آپ کو نیز خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں اپنے نفس کو خدا کے راستہ میں سونپ چکا ہوں۔

اس کے بعد اسی طرح تمام روسائے مکہ معظمہ نے بھی کہا۔ آخر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کی اس تقریر اور گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے لئے حسب ذیل دعا مانگی۔ الہا! ان کی خواہشوں اور اُمیدوں سے افضل اُن کو عطا کیجئے۔ ان کے عملوں اور فعلوں کو اچھی اور احسن جزا دیجئے انہیں انکے دشمن پر فتح بخشئے ان کے دشمنوں کو ان پر غلبہ نہ دیجئے آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چند ہی روز کے بعد حضرت عمرو بن معدی کرب زبیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک جماعت یمن سے شام کے ارادے سے آ گئی اور ابھی انہوں نے پڑاؤ بھی نہیں کیا تھا کہ اسی ارادہ اور مقصد سے حضرت مالک بن اشتر نخعی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بہت زیادہ اُنس اور محبت کرتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہمراہ چند معرکوں میں شریک بھی ہو چکے تھے تشریف لے آئے اور مع اہل وعیال کے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں فروکش ہوئے۔

اس طرح مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی بھاری جمعیت جمع ہو گئی اور قوم جرہم کو ملا کر قریب نو ہزار کے لشکر فراہم ہو گیا۔ جس وقت لشکر کا تمام ساز وسامان درست ہو چکا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید اور آپکے لشکر کے نام حسب ذیل خط لکھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازابوبکر صدیق خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطرف خالد بن ولید ودیگر مسلمانان

امابعد! میں اس ذات پاک کی حمد اور تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اُن کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ میں تمہیں ہر حالت میں خواہ پوشیدہ ہو یا ظاہر خداوند تعالیٰ سے ڈرنے مسلمانوں سے نرمی کرنے اُن کی طاقتوں کے موافق کام لینے اُن کی خطاؤں سے درگزر نے اور ہر ایک کام میں ان سے مشورہ کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ نے جو تمہیں فتوحات بخشی تمہاری مدد فرمائی اور کفار کو ہزیمت دی اسے سُن کر میں بہت خوش ہوا۔ تم اپنے گھوڑوں کو برابر بڑھاتے چلے جاؤ حتیٰ کہ تم کفار کے ممالک فتح کرتے کرتے شام کے باغات تک پہنچ جاؤ اور خداوند تعالیٰ اُس کو تمہارے ہاتھ سے فتح کرادیں۔ اسکے بعد حمص اور معرات کی طرف بڑھو اور پھر انطاکیہ کی جانب تم اور تمہارے تمام ساتھیوں پر سلام ورحمۃ اللہ برکاۃ۔ میں تمہارے پاس بہادران یمن شیران نخع اور سرداران مکہ کو بھیج رہا ہوں۔ عمرو بن معدیکرب اور مالک اشتر تمہارے کاموں کیلئے زیادہ مدد اور معاون ثابت ہوں گے جس وقت تم بہت بڑے شہر پہاڑوں والے یعنی انطاکیہ پہنچو تو بادشاہ ہرقل چونکہ وہیں مقیم ہے اگر وہ تم سے مصالحت چاہے تو تم صلح کر لینا اور اگر لڑائی کے لئے آمادہ ہو تو پھر تم بھی جنگ کرنا اور تاوقتیکہ مجھے نہ لکھو پہاڑوں کے دروں میں نہ جانا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل کی موت قریب ہے (اس کے بعد آپ نے لکھا) کل نفس ذائقۃ الموت کہ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ والسلام۔

آپ نے اس کو ملفوف کر کے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت فرمائی اور حضرت عبدالرحمٰن بن حمید الجمعی کے سپرد کر کے فرمایا کہ تم ہی شام کے قاصد تھے۔ تم ہی اس جواب کو بھی شام تک پہنچاؤ۔ حضرت عبدالرحمٰن یہ خط لے کر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور منازل قطع کرتے کرتے شام تک پہنچ گئے۔

نافع بن عمیرہ کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اپنا عریضہ روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد ہی آپ نے فوراً دمشق کی طرف کوچ کر دیا تھا۔ اہل دمشق نے جس وقت اپنے دلیروں اور شجاعوں کے قتل اپنے لشکر نیز جو ہرقل نے اجنادین سے روانہ کیا تھا اُس کی ہزیمت کی خبر سُنی تو خوف کے مارے قلعہ بند ہو گئے۔ گاؤں اور قریوں کے باشندے اپنے اپنے دیہات اور بستیوں کو چھوڑ کر دمشق میں پناہ گزین ہوئے۔ قلعہ کا سامان درست کیا۔ تلواریں، ڈھال اور نیزے اور منجنیق شہر پناہ کی دیواروں پر نصب کیں۔ نشانات اور صلیبوں کو گاڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں اس وقت پہنچے جب یہ بالکل محفوظ ہو چکے تھے۔ آپ کے لشکر کے ساتھ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو دو ہزار لشکر اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن ربیعہ ایک ایک ہزار فوج لے کر پہنچ گئے۔ ان کے بعد ہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دو ہزار کی جمعیت لے کر آ وارد ہوئے۔ اہل دمشق نے جس وقت مسلمانوں کی فوج ظفر موج کو اُمنڈتے ہوئے دریا کی طرح اپنی طرف آتے دیکھا تو انہیں اپنی ہلاکت کا اب کافی یقین ہو گیا۔

عہد صدیقی میں تدوین قرآن کا فیصلہ

قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدون ہو چکا تھا اور بے شمار حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ بے شمار افراد کے پاس قرآن مجید کے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے، امام بن حزم نے لکھا ہے کہ خلیفہ اول ابوبکرؓ کے زمانہ میں کوئی ایسا شہر نہیں تھا۔

جہاں لوگوں کے پاس کثرت سے قرآن مجید کے لکھے ہوئے نسخے نہ ہوں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے لکھے ہوئے نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔
(کتاب الملل والنحل)

عہد صدیقی میں کتابی صورت میں یا ک مستند نسخہ مرتب کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آئی۔ جب حفاظ لڑائیوں میں کثرت سے شہید ہو رہے تھے۔ قرآن لکھا ہوا موجود تھا لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا" بخاری میں زید بن ثابت سے روایت ہے۔

" مجھے ابوبکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد بلوا بھیجا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ عمر بن الخطاب ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمر میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے قراء شہید ہوئے ہیں اور مجھے خطرہ محسوس ہوا ہے کہ اگر اسی طرح دوسری لڑائی میں قراء شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں تو میں نے عمرؓ کو جواب دیا کہ ہم اس کام کو کس طرح انجام دیں۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو عمرؓ نے کہا" خدا کی قسم یہ نہایت ضروری اور بہتر کام ہے اور عمرؓ مجھ سے اس معاملہ میں اصرار اور بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اس کام کے لئے کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہوگئی جو عمرؓ کی ہے۔"

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا:
تم جوان اور زیرک ہو ہم تم پر کسی طرح تہمت نہیں لگا سکتے۔ نیز تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاتب وحی تھے۔ لہٰذا تم پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے میں لگ جاؤ۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو مجھ پر اس قدر گراں نہ گزرتا جتنا قرآن کے جمع کرنے کی ذمہ داری کا بار گراں، جس کا انہوں نے حکم دیا۔ میں نے کہا کہ آپ دونوں کس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا۔ جس کے لئے اس

نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے سینوں کو کھول دیا تھا۔ چنانچہ قرآن کو کھجور کے درخت کی چھالوں سے اور پتھر کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا۔ البتہ یہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے صرف ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ انصاری کے پاس سے ملا اور ان کے سوا کسی اور کے پاس سے وہ مجھے نہ ملا۔ یعنی لقد جاء کم رسول من انفسکم ختم سورہ براءۃ تک۔ پس یہ صحیفے ابوبکرؓ کے پاس اس کی وفات تک رہے، پھر عمرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے پھر حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ پہلے شخص تھے جس نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے اہتمام سے تدوین قرآن کا کام ایک سال کی مدت میں تکمیل پایا حضرت زید بن ثابت نے قرآن مجید کو کس طرح کاغذ کے ٹکڑوں، کھجور کی ٹہنیوں، پتھر کی سلوں چمڑے کے ٹکڑوں اور کجاوہ کی لکڑی سے جمع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کا جو نسخہ کتابی شکل میں تیار کیا وہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ جب آپ نے وفات پائی تو وہ نسخہ حضرت عمرؓ کے پاس آ گیا۔ آپ کی شہادت کے بعد یہ صحیفہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر رضی اللہ عنہ کی تحویل میں آ گیا۔ (البرہان ج ا ص ۲۳۹)

تدوین قرآن پر تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

تدوین قرآن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ

جنگ یمامہ میں اپنے بھائی اور دیرینہ رفقاء کی شہادت کا اَلم ناک حادثہ عمر رضی اللہ عنہ کو اس کام کے متعلق غور و فکر کرنے سے نہ روک سکا جو بلاشبہ اسلامی تاریخ کے عظیم الشان کارناموں میں سے ہے۔ غزوۂ یمامہ میں حفاظ کی ایک کثیر تعداد شہید ہو چکی تھی اور ابھی جنگوں کا سلسلہ جاری تھا جو کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور آئندہ جنگوں میں حفاظ کثرت سے شہید ہونے لگے تو قرآن بالکل مٹ جائے گا اس لئے اسے ایک جگہ جمع کر لیا جائے

تا کہ اس کے مٹ جانے کا خطرہ جاتا رہے۔ اس معاملے پر انہوں نے کئی دن تک خوب غور و فکر کیا اور اس کے بعد ایک دن مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اسے پیش کرتے ہوئے کہا:

"یمامہ کی جنگ میں حفاظ کی بھاری تعداد نے جامِ شہادت نوش کیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ دوسری جنگوں میں بھی حفاظ کی اکثریت شہید ہو جائے گی اور اس طرح قرآن کریم کا بیشتر حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں تا کہ وہ مٹنے سے محفوظ رہے۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اب تک اس معاملے کے متعلق کچھ نہ سوچا تھا۔ اس لئے جونہی انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ باتیں سنیں، فرمایا:

"میں وہ کام کیونکر کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔"

اس پر دونوں بزرگوں کے درمیان طویل گفتگو ہوئی جس کی تفصیل مؤرخین نے بیان نہیں کی مگر آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گئے اور انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کے ذاتی تاثرات

اس کے متعلق صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک روایت درج ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

"جنگ یمامہ کے بعد ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے طلب فرمایا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا، عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جنگ یمامہ میں متعدد حفاظ شہید ہو گئے ہیں، اگر جنگوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور کسی وقت خدانخواستہ تمام حفاظ شہید ہو گئے تو قرآن کا اکثر حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے میری رائے میں آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں کہ آنے والی

نسلوں کے لئے محفوظ رہے۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں ابوبکرؓ نے فرمایا "میں نے یہ سن کر عمرؓ سے کہا کہ میں وہ کام کیونکر کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، لیکن عمرؓ نے کہا اس کام میں اُمت کی بھلائی ہے اس لئے اسے ضرور کرنا چاہئے۔ انہوں نے اپنی بات پر اتنا اصرار کیا کہ آخر اللہ نے میرا بھی سینہ کھول دیا اور میں نے بھی عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا۔" زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ اس وقت عمرؓ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا، تم جوان اور عقل مند انسان ہو، ہم تمہاری صداقت اور راست گفتاری میں کسی قسم کا شک نہیں کر سکتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی لکھنے کا شرف بھی تمہیں حاصل ہوتا رہا ہے اس لئے قرآن کریم کو تلاش کر کے اسے ایک جگہ جمع کر دو۔ واللہ! اگر مجھے پہاڑ کو ایک سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیا جاتا تو یہ کام میرے قرآن جمع کرنے سے زیادہ سہل ہوتا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ دونوں وہ کام کس طرح کر سکتے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ لیکن عمرؓ کی طرح ابوبکرؓ نے بھی یہی کہا کہ اس میں امت کی بھلائی ہے۔ وہ برابر میری باتوں کا جواب دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی طرح میرا بھی سینہ کھول دیا۔ چنانچہ میں نے یہ کام کرنے کی حامی بھر لی اور قرآن کریم کو تلاش کرنے اور چمڑے، لکڑی، پتھر کے ٹکڑوں اور آدمیوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔ سورۃ توبہ کی دو آیتیں نہ مل سکیں۔ آیتیں یہ تھیں: لقد جاء کم رسولٌ من انفسکم عزیزٌ علیہ ما عنتم حریصٌ علیکم بالمومنین رؤف رحیم. فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم. جب ہم نے قرآن کریم کے اوراق لکھ لئے تو معلوم

ہوا کہ ان میں سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں جسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا کرتا تھا۔ آخر وہ آیت بھی حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ملی جن کی اکیلی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی: من المومنین رجالٌ صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضىٰ نحبهٗ ومنهم من ينتظر، یہ آیت مل جانے پر میں نے اسے مذکورہ بالا سورۃ میں شامل کر لیا۔ جن اوراق میں قرآن کریم جمع کیا گیا تھا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی اُم المومنین حفصہ کے پاس آ گئے۔"

یہ ہے زید بن ثابت کی وہ حدیث جو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ تمام روایات اس کی صحت پر متفق ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ زید رضی اللہ عنہ نے جو قرآن جمع کیا تھا، اس میں سورتوں کی کوئی خاص ترتیب مقرر نہ تھی اور یہ بالترتیب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہوتا رہا۔

دیگر روایات

ایک روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ قرآن کریم کو سب سے پہلے جمع کرنے کا شرف عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ انہوں نے ایک آیت کے متعلق دریافت فرمایا تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ آیت فلاں صحابی کو یاد تھی لیکن وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ یہ سن کر انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فوراً قرآن کریم کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ مگر یہ روایت اس سلسلے میں بیان کی ہوئی دیگر تمام روایات کے متناقض ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا مشورہ تو بے شک سب سے پہلے دیا لیکن اسے جمع کرنے کا فخر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کے حصے میں نہیں آ سکتا۔ علی رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت بھی ہماری رائے کی تائید کرتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

"اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحمت نازل فرمائے۔ قرآن کریم جمع کرنے کے کام میں وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ہیں کیونکہ انہی نے سب سے پہلے اسے جمع کیا۔"

جن لوگوں کی رائے میں قرآن کریم جمع کرنے کا کام عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے انجام پذیر ہوا تھا، ان کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے یہ کام شروع کرنا چاہا تو پہلے ایک خطبہ دیا جس میں صحابہ کو ہدایت کی کہ جس جس شخص نے قرآن کریم کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست حاصل کیا ہو وہ اسے ہمارے پاس لائے۔ صحابہ کی عادت تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے، اسے چمڑوں، تختیوں اور ہڈیوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لئے آئے۔ وہ کسی شخص سے اس وقت تک قبول نہ کرتے تھے جب تک وہ اپنے ثبوت میں دو گواہ نہ پیش کر دیتا تھا جو آ کر یہ گواہی دیتے تھے کہ واقعی یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی تھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ اس کام کو ختم نہ کرنے پائے تھے کہ ان کی شہادت ہو گئی۔ ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو بلا کر قرآن کریم جمع کرنے کے لئے ارشاد فرمایا اور ہدایت کی کہ اگر طرز تحریر میں کہیں اختلاف واقع ہو تو اسے مضر کی زبان میں لکھ لیا کرو کیونکہ قرآن کریم مضر ہی کے ایک شخص (رسول اللہ) پر نازل ہوا تھا۔

قرآن جمع ہونے کا زمانہ

قبل اس کے کہ میں تاریخ جمع قرآن پر روشنی ڈالوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تشریح کر دینا چاہتا ہوں کہ "میں وہ کام کیونکر کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول، نبوت تفویض ہونے کے وقت سے مدینہ میں وفات کے وقت تک، مسلسل تئیس سال تک ہوتا رہا۔ بعض اوقات چند آیات نازل ہوتی تھیں، بعض اوقات پوری سورت نازل ہو جاتی تھی۔ سب سے پہلے وحی جو آپ

پر نازل ہوئی، وہ سورہ قلم کی یہ آیات تھیں۔ اقراء باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق، اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم. اور آخری آیت جو راجح قول کے مطابق نازل ہوئی، وہ یہ تھی: واتقوا یومًا ترجعون فیه الی الله ثم توفی کلُّ نفسٍ مّا کسبت وھم لا یظلمون......

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اکثر قرآن مجید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں جمع کر لیا تھا۔ جن اوراق پر وہ قرآن کریم لکھتے تھے، ابوبکر ﷛ کو دیتے جاتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد وہ اوراق عمر ﷛ نے اپنے پاس منگوا لئے۔ زید ﷛ نے جب ان کے عہد میں قرآن کریم کی تکمیل کی تو بقیہ اوراق بھی انہی کے سپرد کر دیے۔ اس طرح قرآن کریم کے مکمل اوراق عمر ﷛ کے پاس جمع ہو گئے۔ یہی اوراق سامنے رکھ کر عثمان ﷛ نے دیگر مصاحف تیار کرائے۔ آج ہم جس قرآن کی تلاوت کرتے ہیں وہ بعینہٖ وہی ہے جو ابوبکر ﷛ نے زید بن ثابت ﷛ کے ذریعے سے جمع کرایا تھا اور یہی قرآن انہی الفاظ اور اسی ترتیب سے قیامت تک پڑھا جائے گا۔

ابوبکر ﷛ کا سب سے بڑا کارنامہ

"اللہ ابوبکر ﷛ پر رحمت نازل فرمائے۔ قرآن کریم جمع کرنے کی وجہ سے وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ہیں۔"

یہ تھے وہ الفاظ جو علی ﷛ نے ابوبکر ﷛ کے متعلق بیان فرمائے اور انہیں الفاظ پر ہر مسلمان کا یقین و ایمان ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت دل میں کئی مرتبہ یہ سوال پیدا ہوا کہ ابوبکر ﷛ کا کون سا کارنامہ سب سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ مرتدین کی سرکوبی اور سرزمین عرب سے ارتداد کا مکمل خاتمہ؟ عراق اور شام کی فتوحات جو اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ثابت ہوئیں جس کی بدولت انسان کو تہذیب و تمدن سے آگاہی نصیب ہوئی؟ یا کلام اللہ کو جمع کرنے کا کام جو ایک امی نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس نے اپنی روشنی سے دنیا بھر کو منور کر دیا۔ جب بھی یہ سوال ذہن میں آیا، یہ جواب دینے میں قطعاً

تردد محسوس نہ ہوا کہ بلاشبہ جمع قرآن کریم ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اور مہتم بالشان کارنامہ ہے اور اسی سے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ برکت نصیب ہوئی۔ جزیرہ عرب کی حالت میں آہستہ آہستہ اضمحلال پیدا ہوتا گیا اور جو قوت وشوکت اسے خلافت راشدہ اور عہد بنی امیہ میں نصیب ہوئی تھی، بنی عباس کے زمانے وہ مفقود ہو گئی۔ اسلامی سلطنت پر بھی آہستہ آہستہ زوال آتا گیا اور مسلمان پستی کی حالت میں گرتے چلے گئے، حتیٰ کہ اسلامی سلطنت کا نام بھی لوگوں کے دلوں سے محو ہونا شروع ہو گیا۔ لوگ عرب کو بھی بھولنے لگے اور اگر اللہ نے مسلمانوں کے لئے حج کرنا فرض قرار نہ دیا ہوتا تو یقیناً ایک دن ایسا بھی آتا کہ عرب کا شمار دنیا کے گمنام گوشوں میں ہونے لگتا۔ لیکن کتاب ابتدائے نزول سے آج تک زندہ موجود ہے اور جب تک دنیا میں ایک بھی انسان کا وجود باقی ہے، کتاب اللہ زندہ اور برقرار رہے گی۔

اس بیان کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمیں جنگ ہائے مرتدین اور اسلامی سلطنت کے قیام کی اہمیت سے انکار ہے۔ بلاشبہ یہ دونوں کام انتہائی اہمیت رکھتے ہیں اور ان سے ہر ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مرتدین کی سرکوبی کے سوا اور کوئی کام نہ کرتے تو بھی یہ ایک کارنامہ ان کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے کافی ہوتا۔ اسی طرح اگر وہ اسلامی سلطنت کے قواعد وضوابط مرتب کرنے کے سوا اور کوئی کام ہاتھ میں نہ لیتے تو بھی یہ کارنامہ ان کا نام تاریخ کے صفحات پر تا ابد زندہ رکھنے کے لئے کافی ہوتا۔ لیکن جب ان عظیم الشان کارناموں کے ساتھ جمع قرآن کا مہتم بالشان کارنامہ بھی ملا لیا جائے جو اپنی شان اور افادیت میں ان دونوں کارناموں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے تو ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مادر گیتی ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا فرزند پیدا کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن مجید پر پوری امت مسلمہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اس کو تواتر کا درجہ حاصل ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن اور عہد رسالت میں مرتب قرآن کے درمیان کامل یک رنگی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور دونوں میں

کوئی فرق نہیں۔

غیر مسلموں کی شہادتیں

سر ولیم میور اپنی تصنیف ''لائف آف محمد'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ ''اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمنان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل وصورت میں محفوظ و مامون ہے جس حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔'' (دیباچہ لائف آف محمد ص ۲۵)

''نیو یونیورسل انسائکلو پیڈیا'' میں ''قرآن'' کے عنوان سے مقالہ درج ہے۔ اس میں لکھا ہے یہ کتاب پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی زندگی کے آخری تیس سال میں اور مدینہ میں نازل ہوتی رہی اور مسلمانوں کے عقیدہ میں کلام الٰہی ہے۔ بہ خلاف حدیث کے جو مجموعہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قرآن پیغمبر کی زندگی میں اور انہی کی زیر ہدایت ونگرانی ضبط تحریری میں آگیا تھا اور ان کے صحابیوں نے اسے حفظ یاد کرلیا تھا اور یہ معمول آج تک جاری ہے چنانچہ صدہا مسلمان کلام پاک کے حافظ ہیں اور اسے سارے کا سارا دہرا سکتے ہیں۔ بغیر کسی غلطی کے اس کتاب کا دعویٰ ہے کہ اس میں تمام کتب آسمانی کے حقائق آگئے ہیں اور یہ کہ آخری اور نا قابل تغیر کتاب ہے نیز یہ کہ نوع انسان کے لئے وہ جامع ترین دستور العمل ہے اور اسلام یعنی دین فطرت کی آخری توضیح ہے اور یہی دین ابراہیم وموسیٰ اور عیسیٰ اور سارے قدیم انبیاء کا رہ چکا ہے۔ اس کی عبارت کا غیر منحرف ہونا مسلم ہے۔

جرمن کے مشہور مستشرق نولڈیکی نے لکھا ہے۔

''یورپ کے جن جن مصنفین نے اب تک اس امر کی زبردست کوشش کی ہے کہ قرآن میں تحریف ثابت کریں۔ وہ اپنی سعی اور جدوجہد میں حیرت انگیز طور پر ناکام ثابت ہوئے ہیں۔'' (انسائیکلو پیڈیا برٹیکا زیر لفظ قرآن)

مشہور مستشرق ہرٹ وگ ہرشفیلڈ اپنی کتاب New researches

into tHe composition and exegesis wo the Quran

میں لکھتا ہے۔" عہد حاضر کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس اصلی نسخے کا ہو بہو عکس ہیں جسے (حضرت) زید رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا اور قرآن کا متن بعینہ وہی ہے۔ جسے محمد نے (لکھا کر) دیا تھا۔"

سرجان ہمرٹن کے زیر اہتمام یونیورسل انسائیکلو پیڈیا شائع ہوا تھا۔ اس میں قرآن کے عنوان سے جو مقالہ درج ہے اس میں تحریر ہے۔" اس کی عبارت کا غیر محرف ہونا مسلم ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ کے نزدیک حدیث اور سنت کی اہمیت

حضرت ابو بکرؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو آپ سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم ڈھونڈتے۔ اگر وہاں سے نہ ملتا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی نظیر ڈھونڈتے۔ آپ کو سنت رسول معلوم کرنے کے لئے لوگوں میں اعلان بھی کرانا پڑتا تا کہ اگر کسی کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث بیان کرتے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ فیصلے کرتے تھے اور اظہار تشکر کے طور پر یہ الفاظ فرماتے" خدا کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہمارے نبی کی باتیں یاد رکھتے ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین جلد ۴ ص ۱۲۰ پر لکھا ہے۔ ابو بکرؓ صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں نص کی خلاف ورزی کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلے یہ اعلان کیا" اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فان عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم"" میری اطاعت کرو۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہوں لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں ہے۔"

صحابہ کرام کے عہد میں تدوین حدیث

تدوین وحفاظت حدیث کا یہ دور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوتا ہے۔ اس دور میں احادیث کی شہرت عام شروع ہوگئی۔ خلفاء نے کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو

پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن سے واضح حکم نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع کرتے اس طرح حدیث عام شہرت پکڑ جاتی۔

قبیصہ کی روایت ہے کہ ایک فوت شدہ شخص کی دادی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئیں اور ترکہ سے حق کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب سے اور نہ سنت رسول سے آپ کا حق ملتا ہے۔ لیکن جب دوسروں (صحابہ کرام) سے اس کے متعلق دریافت کیا تو مغیرہ نے گواہی دی کہ حضرت! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کا چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے ایک گواہ طلب کیا اس پر محمد بن مسلم نے مغیرہ کے بیان کی تصدیق کی اس بناء پر حضرت ابوبکرؓ نے دادی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(ترمذی ۹:۲۷، سنن ابی داؤد ۵:۱۸)

جبکہ سر ولیم میور نے اس موضوع پر چند دلچسپ حقائق بھی لکھے ہیں، جن سے از خود مستشرقین کے اعتراضات "ھباءً منثورًا" ہو گئے، ذیل میں ولیم میور کا یہ بیان پیش کر کے مقدمہ کا اختتام کیا جاتا ہے۔

تدوین قرآن پر ولیم میور کا دلچسپ تجزیہ

سر ولیم میور مستشرق ہونے کے باوجود مسیحیت کے اتنے بڑے پرچارک ہیں کہ اگر اُن کا بس چلتا تو پورے عالم کے گلے میں صلیب لٹکا دیتے۔ جیسا کہ ان کی تصانیف سے واضح ہے۔ جہاں تک ہو سکا میور نے اسلام اور بانیٔ اسلام پر حرف گیری کی گنجائش پیدا کرنے میں کاوش ترک نہیں کی۔ بایں ہمہ (ولیم میور) لکھتے ہیں:

"ارکان اسلام کی بنیاد اس مقدس وحی پر مبنی ہے جس کا کوئی حصہ روزانہ کی ہر ایک نماز میں پڑھنا واجب ہے۔ نماز کے بعض ارکان میں اس مقدس وحی کی تلاوت فرض اور بعض میں سنت ہے اور صدر اول ہی سے مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا جس کے احکام وہ اس "مقدس وحی" سے مستنبط کرتے ہیں۔

اسی ضرورت (نماز میں قرآن پڑھنے) کے لیے صدر اول کا ہر ایک مسلمان

قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کر لیتا جسے وہ اپنی زندگی کا گراں بہا سرمایہ متصور کرتا۔ عرب کے رہنے والوں کے لیے، جنہیں اشعار وانساب وروایات حفظ کر لینے کی جاہلیت سے عادت پڑی ہوئی تھی، قرآن کی آیتیں حفظ کر لینا اور بھی سہل تھا، اس لئے بھی کہ وہ نوشت وخواند کے طریقوں سے عموماً قاصر تھے۔ حضرت محمد ﷺ کے ساتھی بھی ان صفات سے متصف تھے جنہیں قرآنی آیات ان کے محلِ نزول کے ساتھ اس طرح حفظ تھیں کہ وہ جب چاہتے تھے ان کا اعادہ بھی کر سکتے تھے۔

مگر ہم اہلِ عرب کی اس مافوق العادت قوتِ حافظہ کے باوجود تسلیم نہیں کر سکتے کہ اسی ایک طاقت کے بل بوتے پر پورا قرآن محفوظ رہ گیا، بلکہ ہمارے سامنے ایسے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے اصحاب میں اکثر افراد نے اپنے پیغمبر کی زندگی ہی میں قرآن کی متفرق سورتیں املا بھی کر رکھی تھیں، جس کے مجموعہ میں تقریباً سارا قرآن سمٹ آیا۔

اور نبوت سے قبل اہلِ مکہ کا نوشت وخواند سے واقف ہونا بھی ثابت ہے۔ جنگِ بدر میں مکہ والوں میں سے جو لوگ گرفتار ہو کر آئے ان میں سے کچھ ایسے مفلوک الحال اسیر بھی تھے جو اپنی رہائی کا فدیہ مال کی صورت میں ادا کرنے سے قاصر تھے مگر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (حضرت) محمد (ﷺ) نے مکہ کے ایسے اسیروں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ ان میں سے ہر شخص اتنے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ ایسا ہی ہوا اور مسلمانوں کے بے شمار افراد نے ان سے نوشت وخواند سیکھ لی، کیونکہ اہلِ مدینہ تہذیب وتمدن میں مکہ والوں سے بہت پیچھے تھے، اگرچہ ان میں سے بھی اکثر افراد اسلام لانے سے قبل کتابت سے واقف تھے۔

یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ قرآن کی جو آیتیں اور سورتیں مسلمانوں کے حافظہ میں منقوش تھیں وہ کتابت کی شکل میں بھی مسطور ہوتی گئیں۔

پھر یہ بھی ثابت ہے کہ (قبائل) بدوی میں سے جو لوگ اسلام لاتے (حضرت) محمد ﷺ ان کی تعلیم ورہبری کے لیے اپنے اصحاب میں سے ایک یا زیادہ اشخاص (بہ حسبِ ضرورت) ان قبائل میں بھجوا دیتے اور یہ بھی ثابت ہے کہ (حضرت)

محمد (ﷺ) کے مبلغین اپنے ہمراہ ایسی تحریریں بھی لے جاتے جن میں قواعد و اصول اسلام لکھے ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ان مبلغین کی تحریری دستاویزوں میں قرآن بھی تحریری صورت میں ہی ہوتا، خصوصاً وہ آیات جو شعار اسلام کے لیے مختص ہیں اور وہ آیتیں بھی جن کا نماز میں دوہرانا ضروری ہے۔

قرآن خود بھی اپنی کتابت پر نص فرماتا ہے اور کتب سیرت میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے جیسا کہ (حضرت) عمر ﷛ کے اسلام لانے کا واقعہ ہے کہ ان کی ہمشیرہ کی تحویل میں قرآن کی سورۂ طٰہٰ املا شدہ شکل میں موجود تھی اور (حضرت) عمر ﷛ ہجرت سے تین یا چار سال قبل اسلام لائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت سے قبل جب مسلمان تعداد میں بالکل قلیل اور مظلومیت کا بُری طرح شکار تھے، قرآن کی املا پھر بھی ان میں رائج تھی۔ اس کے تسلیم میں کیا عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ (حضرت) محمد ﷺ کے زمانۂ عروج و اقتدار میں انہوں نے قرآن کے متعدد نسخے کتابت نہ کرا لیے ہوں، خصوصاً جب کہ قرآن ہی (حضرت) محمد ﷺ کا قانون بھی تھا، اور ان اوراق کو اطراف و اکناف ملک میں نہ بھجوا دیا ہو۔

حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں قرآن ان دونوں شکلوں میں موجود تھا اور اُن کی رحلت کے ایک سال بعد تک اسی طرح رہا، یعنی:

(الف) حفاظ کے سینوں میں......

(ب) مختلف لکھے ہوئے اجزاء میں!!

اور دن بدن ان دونوں طریقوں میں توسیع ہوتی گئی۔ پس کیونکر تسلیم کرلیا جائے کہ قرآن کی ان دونوں صورتوں (حفظ و تسطیر) میں تطابق نہ ہو جب کہ وہ (قرآن) (حضرت) محمد ﷺ کا عزیز ترین سرمایہ تھا۔ مسلمان اسے نبی ﷺ کی زندگی میں خدا کا کلام سمجھتے کہ اگر کسی کو اس کے متن میں شبہ ہوتا تو فوراً رسول ﷺ سے مراجعہ کیا جاتا، جیسا کہ عمرو بن مسعود ﷛ اور اُبی بن کعب ﷛ کا معاملہ ہے۔

اور نبی ﷺ کی رحلت کے بعد اگر صحابہ کا قرآن کی آیات میں اختلاف ہوتا تو وہ اس کا حل تین صورتوں سے کرتے:

(۱) کتابت شدہ اجزاء سے......

(۲) اقرب الی الرسول صحابہؓ کے باہم مذاکرہ سے......

(۳) کاتبین وحی سے مراجعہ کی صورت میں!!

جنگ یمامہ جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے آغاز ہی میں ہوا، من جملہ دوسرے مسلمانوں کے بے شمار حفاظِ قرآن شہید ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا، مبادا بقیہ حفاظ (قرآن) کسی ایسے حادثہ سے جامِ شہادت نوش کر لیں ضروری ہے کہ آپ قرآن کو یکجا کرا دیں۔

ابوبکرؓ نے اِس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے جو افراد حضرت محمد ﷺ کی ہدایت کے مطابق کتابت وحی پر مامور تھے یکجا کئے، اور زید بن ثابتؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "آپ مردِ عاقل اور نوجوان ہیں، ہم سے ہر ایک کو آپ پر اعتماد ہے، آپ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق وحی الٰہی کتابت کرتے رہے ہیں براہِ کرم پورے قرآن کا تتبع فرما کر اِسے یکجا کرا دیجئے گا۔"

مگر زیدؓ یہ سن کر گھبرا اُٹھے، انہیں خیال گزرا کیا یہ کام مجھے کرنا چاہئے اور کیا یہ مشروع ہے؟ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس طریق سے تو اسے کرایا نہیں۔

لیکن ابوبکرؓ و عمرؓ کے پیہم اصرار سے زیدؓ اس پر راضی ہو گئے اور انہوں نے یہ مہم اس طرح جاری کر دی کہ جس شخص کی تحویل میں جو جو اجزاء تھے ان سے لے کر یک جا کر لئے جن کی مندرجہ ذیل صورتیں تھیں:

(۱) کچھ املا کی صورت میں پتوں پر تھے......

(۲) کچھ املا کی صورت میں سفید پتھر پر تھے......

(۳) کچھ حفاظ کے سینوں میں تھے......

اور بعض روایات کے مطابق:

(۴، ۵) چمڑے اور ہڈیوں پر لکھے ہوئے تھے!!

زیدؓ نے ایک ایک تحریر کو سمیٹ لیا اور حفاظِ قرآن کو اپنے گرد و پیش بٹھا کر دو یا

تین سال میں یہی قرآن جو ہمارے ہاتھ میں ہے مرتب کر دیا۔

یہی نسخہ اس ترتیب کے مطابق ہے جو زید لکھ کر (حضرت) محمد ﷺ کے بالمواجہہ آپ کو سنایا کرتے۔

زید ﷛ کا مرتب کیا ہوا یہ نسخہ عمر ﷛ نے حفاظت کی غرض سے اپنی صاحبزادی اور اپنے نبی کی بیوی (اُم المومنین) حفصہ (رضی اللہ عنہا) کی سپردگی میں دے دیا، تا آنکہ (حضرت) عمر ﷛ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لی اور اسی نسخہ کو مدارِ صحت و اکمال قرار دیا۔

البتہ (حضرت) زید ﷛ کے جمع قرآن سے قبل چند آیتوں میں یا تو اختلاف قرأت یا نسخ کی وجہ سے تفاوت تھا، جس سے بعض مسلمانوں کو خیال گزرا کہ قرآن تو ایک ہی ہے پھر یہ اختلاف کیوں ہے۔ حتیٰ کہ (حضرت عثمان ﷛ کے عہد خلافت میں) جناب ابو حذیفہ ﷛ آرمینیہ اور آذر بائی جان کی لڑائی میں شریک ہوئے، جہاں شام اور عراق کے مسلمان بعض آیات کی مختلف طریقوں سے قرأت کرتے۔

ابو حذیفہ ﷛ اس اختلاف سے تلملا اٹھے اور (حضرت) عثمان ﷛ سے درخواست کی کہ اس بارے میں مسلمانوں کی نگہداشت کیجئے، مبادا وہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں تغیر و تبدل کا سبب بن جائیں۔ اس پر عثمان ﷛ نے زید بن ثابت ﷛ (کاتب وحی بعہد رسالت و جامع قرآن بہ عہد خلیفۂ اول) سے استمداد کی اور ان کی اعانت کے لیے قریش کے دو اور اربابِ بصیرت کو مقرر فرما دیا۔ اس کے ساتھ ہی (اُم المومنین حضرت) حفصہ (رضی اللہ عنہا) کی تحویل میں جو نسخہ تھا آپ سے حاصل کر کے وہ بھی اس جماعت کے سپرد کر دیا۔

اس نظر ثانی میں ان علمائے قریش نے مروجہ آیات اور قرأتوں میں سے ایک ایک آیت کا پہلے نسخہ سے مقابلہ کیا۔ جہاں (حضرت) زید ﷛ اپنے دوسرے رفقاء سے مختلف ہوتے حق ترجیح آپ ہی کو حاصل ہوتا۔

صرف قریش کو اس مہم پر مامور کرنے کا سبب یہ تھا کہ قرآن انہی کے لب و لہجہ میں نازل ہوا تھا، اگرچہ کہنے کو کہا جاتا ہے کہ قرآن سات قرأتوں میں نازل ہوا۔

آخر (عہد عثمانی میں) قرآن پر پھر نظر ثانی ہوئی اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی تکمیل کے بعد نسخہ مصححہ کی کئی نقلیں کرا کے تمام ممالک محروسۂ اسلام میں بھجوا دیں۔

اس کے ساتھ ہی عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام نسخوں کو بھی جلوا دیا جو (حضرت) حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے نسخہ سے مختلف تھے تاکہ تعارض کا خدشہ نہ رہے۔

آخری اعتراض عقل کے سراسر خلاف ہے، خصوصاً بنو اُمیہ اور دوست داران علی رضی اللہ عنہ کے مناقشات پر نظر کرتے ہوئے کہ اتنے شدید اختلافات کے باوجود سب اسی قرآن پر متفق رہے جسے بعد میں لوگوں نے صحیفۂ عثمانی سے نامزد کیا، نہ صرف یہ بلکہ آج تک تمام فرقے قرآن کی صیانت و عصمت پر متفق ہیں۔

پھر (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و جناب عثمان رضی اللہ عنہ) دونوں عہدوں میں اسی قرآن پر اتفاق کیا گیا اور (حضرت) علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، مگر آپ نے کوئی معارضہ نہیں فرمایا۔

آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے تحرف (قرآنی) میں کون سے مفاد وابستہ تھے؟ خصوصاً جب کہ ایسے اقدام کی صورت میں انہیں مسلمانوں کی برہمی کا اندیشہ بھی ہوسکتا تھا۔

پھر (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب قرآن پر نظر ثانی ہوکر اسے شائع کیا گیا تو ان مسلمانوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح قرآن کو سنتے رہے جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حضرت زید رضی اللہ عنہ وغیرہم کو دکھا کر شائع کرایا اور ان صحابہ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

اگر (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کی عصمت پر قرآن کی آیتیں نازل ہوئی ہوتیں جن پر خود (جناب) علی رضی اللہ عنہ بر بنائے مصلحت خاموش ہو گئے تو لازم تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کے انصار و اصحاب ہی عثمان رضی اللہ عنہ کی اس زیادتی پر فریاد کرتے۔

پس! ہمارے (سر ولیم میور) ان ہر دو معارضات سے ثابت ہے کہ موجودہ قرآن سے کوئی ایسی آیت نظر انداز نہیں کی گئی جو (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کی عصمت پر دال ہو۔

جب عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی جو (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کے غلبہ کی بیّن دلیل ہے کیا عقل باور کرسکتی ہے کہ اصحاب علیؓ ناقص قرآن پر صبر کر لیتے اور

ناقص بھی ایسا جس سے ان کے امام (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی فضیلت کی آیات قلم زن کر دی گئی ہوں؟ آخر محبان علی رضی اللہ عنہ ایسے قرآن پر کیوں متفق ہو گئے جو ان کا مخالف اور ان کے پیشواؤں کے مقاصد بیان کرنے میں ناقص رہ چکا تھا؟ بلکہ اصحاب علی رضی اللہ عنہ اسی قرآن کو دینی دستاویز سمجھ کر پڑھتے جسے ان کے مخالف پڑھتے اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرتے۔ نہ صرف یہ بلکہ (حضرت) علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد امارت میں اسی قرآن کے پھیلانے کا فرمان جاری کیا اور اس کے متعدد نسخے نزدیک اور دور بھجوائے حتیٰ کہ خود بھی اپنے قلم سے اسے بارہا لکھا۔

البتہ یہ اعتراض صحیح ہے کہ (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مجمع علیہ نسخہ کے سوا دوسرے تمام مصاحف تلف کر دینے کا حکم دیا جسے بے انصافی کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ اس دور میں کسی نے عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف وتصحیف کی ہے؟ اگر حقیقت میں عثمان رضی اللہ عنہ ایسا ہی کرتے تو یہ راز ضرور آشکار ہو کر رہتا، مگر عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ اتہام متاخرین شیعہ نے اپنے اغراض کے لئے وضع کر لیا۔

بنا بریں ہم پوری طمانیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کے اس نسخہ میں اصلاً تعارض نہ تھا، جس میں زید رضی اللہ عنہ نے قرأت کی مختلف صورتوں میں سے صرف قریش کے لہجہ کو ملحوظ رکھا۔ اس کے بعد ایک سوال اور قابل حل رہ جاتا ہے کہ کیا زید رضی اللہ عنہ کا مرتبہ قرآن بعینہٖ وہی تھا جو (حضرت) محمد (ﷺ) پر بصورت وحی نازل ہوا؟ اس کا مفصل جواب آگے آنے والی چار صورتوں میں ہے کہ زید رضی اللہ عنہ کا مدوّنہ نسخہ اس حد تک ضرور صحیح ہے جس حد تک اکمال وصحت دونوں کا امکان ہو سکتا ہے۔

صورت اوّل

زید رضی اللہ عنہ نے یہ نسخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں مرتب کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ (جناب) محمد (ﷺ) کے ایسے مخلص پیرو تھے جن کا ایمان یہ تھا:

(الف) قرآن آسمان سے نازل شدہ مقدس کلام ہے۔

(ب) وہ نبی ﷺ (پاک) کے عہدِ رسالت میں مسلسل بیس سال شب و روز ان کی "معیت" میں رہے۔

(ج) انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں بے طمع سادگی اور اُمت کی اصلاح و بہبود کے لیے پُر اسرار حکمت سے اپنا منصب سرانجام دیا۔

یہ ایسی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ان کے قرآن جمع کرانے میں ان پر کسی بدگمانی کا امکان نہیں ہو سکتا۔ ابوبکر ﷺ صدقِ ایمان سے جانتے تھے کہ قرآن خداوندِ عالم کی طرف سے ان کے پیغمبر ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل ہوا۔ ان کا یہ عقیدہ محرک تھا کہ وہ قرآن کے جمع و ترتیب و اکمال اور صحت پر پوری توجہ دیتے۔ یہی عقیدہ (حضرت) عمر ﷺ کا تھا اور اسی کے مطابق قرآن (موجودہ صورت میں) مدوّن ہوا۔ جس عہد میں قرآن مدوّن ہوا، اس عہد کے ہر مسلمان کا یہی ایمان تھا۔

جن مسلمانوں نے کاتبین وحی (حضرت زیدؓ بن ثابت وغیرہم) کی امداد ہر اس شکل میں کی جو ان کے قبضہ اختیار میں تھی کہ جن حضرات کو صرف زبانی (قرآن) یاد تھا انہوں نے مذکورہ مجلس میں حاضر ہو کر اسی طرح انہیں سنا دیا، جن کی تحویل میں ہڈیوں یا درخت کے پتوں پر جو آیات لکھی ہوئی تھیں انہوں نے وہ ٹکڑے اسی طرح زیدؓ کے سامنے رکھ دیئے۔ ابوبکر ﷺ کی طرح یہ مسلمان بھی اپنے دلوں میں پوری رغبت لیے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے نبی (صلوات اللہ علیہ وسلامہٗ) نے جو کچھ وحی الٰہی بتا کر پڑھا ہے اس کے اظہار میں کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو چکا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز قرآن کے ہم پلہ نہیں، کیونکہ وہ اسے صدقِ دل سے خدا کا مقدس کلام سمجھتے تھے۔

پھر جب یہی قرآن ایسے لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہے جو خدا پر افتراء باندھیں تو قرآن کو وحی الٰہی تسلیم کرنے والے لوگ اس میں کمی بیشی کی جرأت کیسے کر سکتے تھے، ایسا کرنا تو ایمان کی نفی ہے۔

صورت دوم

(حضرت) محمد ﷺ کی وفات سے دو یا تین سال بعد قرآن کے انہی قاریوں کو

خلفائے اربعہ قومی سرمایہ سمجھتے اور انہیں ممالک محروسۂ اسلام میں اقامت دین و تبلیغ کے لئے بھیجتے۔ کیا عہد نبوی ﷺ کے ان حفاظ قرآن اور زید بن ثابتؓ کے درمیان جمع قرآن کے مقصد میں کوئی واسطہ نہ رہا ہوگا؟ یہ ایسے واقعات ہیں جن سے نہ صرف مسلمانوں میں سے ہر فرد کی بے غرضی اور خلوص واضح ہوتا ہے بلکہ تمام ایسے وسائل و ذرائع ان کے قبضہ میں تھے جن سے انہوں نے اپنی کتاب پوری صحت و تکمیل کے ساتھ مرتب کر لی۔

صورت سوم

قرآن کی صحت و اکمال ہر دو صفات کے متعلق ہمارے سامنے یہ دلیل بھی ہے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) کے پیروؤں نے اپنے نبی کی زندگی میں قرآن کے کسی نہ کسی حصہ کی املا کر لی تھی، جس کی دوسری نقلیں ایک دوسرے مسلمان کے پاس ہونا قابل تسلیم ہے۔ گمان غالب ہے کہ اس دور کے جو مسلمان نوشت و خواند سے واقف تھے، ان کے سامنے قرآن کے یہ تحریری اجزاء ضرور رہتے ہوں گے۔

اس دلیل کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کے ایسے اجزاء زید بن ثابتؓ کے جمع کردہ نسخہ میں ضرور شامل ہوئے ہوں گے۔ پس ظاہر ہے کہ زیدؓ کا مرتبہ نسخہ اس دور میں قرآن لکھنے اور پڑھنے والوں کے دلوں پر منقش اور مادی چیزوں مثلاً ہڈیوں اور درختوں کے پتوں وغیرہ پر پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے مرتبہ نسخہ پر اس دور کے جاننے اور پڑھنے والوں نے پورا اتفاق کیا حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس قرآن کا کوئی لکھا ہوا جزو رہ بھی گیا تو اس نے یہ دیکھ کر کہ وہ قرآن میں شامل ہو چکا ہے، اس کی جگہ زید ﷛ ہی کا جمع کردہ نسخہ قابل وثوق سمجھا۔ صحابہ (کرام ﷡) میں سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا کہ زید ﷛ اور ان کے رفقائے جامعین نے قرآن کے فلاں ٹکڑے یا اس آیت اور لفظ کو جو ہمارے پاس محفوظ ہے نظر انداز کر دیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ صحابہ ﷡ میں سے کسی نے زید ﷛ کے مرتبہ قرآن سے کوئی اختلاف نہ کیا۔ اگر اختلاف ہوتا تو احادیث کی ان کتابوں میں یہ تذکرہ بھی ضرور مل سکتا جن میں

(حضرت) محمد ﷺ کے ایسے اقوال وافعال تک کی حکایت موجود ہے جن کا تعلق زیادہ اہم امور سے نہیں ہے۔

صورت چہارم

قرآن کی ترتیب خود اس کی شاہد ہے کہ جامعین نے اس میں پوری دقتِ نظر کا لحاظ رکھا۔ اس کی مختلف سورتیں اس سادگی سے ایک دوسری کے ساتھ مربوط کر دی گئیں جن کی ترتیب دیکھ کر کسی تصنیفاتی تکلف کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ جامعینِ قرآن میں تصنیف کی شوخی سے زیادہ ایمان واخلاص کا جذبہ کارفرما تھا اور اسی ایمان کے ولولہ میں وہ نہ صرف سورتوں بلکہ آیتوں کی ترتیب میں بھی تصنع سے اپنا دامن بچاتے ہوئے نکل گئے۔

نتیجہ

ہم پورے شرح صدر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عہد عثمانؓ میں زید بن ثابتؓ نے قرآن کی جس صورت میں نظر ثانی کی، وہ نہ صرف حرفاً حرفاً صحیح ہے بلکہ اس کے جمع کرنے کے موقع پر جو اتفاقات یک جا ہوتے گئے ان کی رو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں سے کوئی آیت وحی اوجھل ہو سکی اور نہ جامعین نے از خود کسی آیت کو قلم انداز کیا۔ پس یہی قرآن ہے جسے (حضرت) محمد (صلوات اللہ علیہ) نے پوری دیانت وامانت کے ساتھ دوسروں کو سنایا۔

(از کتاب ''حیات محمد ﷺ'' مؤلفہ محمد حسین ہیکل ص ۱۴ تا ۲۹)

سر ولیم میور کی اس طویل ترین بحث کے بعد کوئی بھی صاحب فہم اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب وتدوین میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم نے جو کاوشیں فرمائیں، وہ ہر لحاظ سے باعث اطمینان ہیں، اور اللہ رب ذوالجلال کے وعدہ کے مطابق قرآن کریم کی حفاظت کے لئے اُسی ذاتِ برحق کے غیبی انتظامات کا حصہ تھیں۔ چنانچہ اللہ کا برحق وعدہ آج بھی قرآن مجید کی موجودہ صورت میں قائم و دائم ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت اپنی صداقت وحقانیت کی روشنی بکھیرتا رہے گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سفرِ آخرت

ابھی مسلمانانِ اسلام محسنِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر سوگاں تھے کہ اس انجمن کا ایک چراغ بھی گل ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت قلیل عرصہ بعداز وصال نبوی اس دنیا میں رہ کر مالکِ حقیقی کو جا ملے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ پوشی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لاغر اور کمزور ہوتے گئے۔ اس کی ایک وجہ تو امت کے بھٹکنے کا ڈر تھا کیونکہ حضور کے وصال کے بعد ہزاروں فتنوں نے سر اٹھایا ہوا تھا اور ان کے کچلنے کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر وقت چوکس رہتے تھے۔ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ اسلام کے صاف اور ستھرے چہرے پر کسی قسم کا داغ لگ جائے، یہ فکر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ دراصل حضرت ابوبکرؓ کی موت کا سبب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہی ہوا، یہ صدمہ آپ کو ایسا ہوا تھا کہ آپ برابر ہر روز زار و نحیف ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ سفرِ آخرت اختیار کیا۔ حضور اکرمؐ کی وفات پر جبکہ تمام امت پر غم کے بادل چھا گئے تھے، انہوں نے لوگوں کو پیغامِ تسکین دیا لیکن خود ان کی بے قراری ختم نہ ہوئی۔

آپ کی بیماری کی نسبت کئی روایتیں ہیں۔ یاک تو یہ کہ کسی شخص نے آپ کی خدمت میں کچھ پکا ہوا گوشت بھیجا تھا، آپ نے حارث بن کلا کو بھی کھانے میں شریک کیا، اس زہر کا اثر ایک سال کے بعد ظاہر ہوا اور دونوں صاحب ایک برس کے بعد ایک ہی روز فوت ہوئے۔ اور دوسری روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح منقول ہے کہ ۷ جمادی الآخر پیر کے روز آپ نے غسل کیا، اس روز چونکہ سردی تھی آپ کو بخار ہو گیا پندرہ روز آپ نماز کے لئے بھی نہ نکل سکے۔ آخر شنبہ کی رات ۲۲ جمادی آلآخر کو بعمر تریسٹھ سال انتقال فرمایا۔

آپ بخار کی حالت میں مسجدِ نبویؐ میں آتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے۔ جب

ان کی طبیعت کچھ زیادہ علیل ہوگئی اور جسم میں توانائی بالکل کم ہوگئی تو حضرت عمرؓ بن خطاب سے نماز پڑھانے کو کہا، اس کے بعد حالت زیادہ کمزور ہوتی گئی، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو کسی طبیب کو بلایا جائے، آپ نے فرمایا طبیب دیکھ چکا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا کہتا ہے؟ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی انی فعال لما اُرید "میں جو ارادہ کر لیتا ہوں کر ڈالتا ہوں۔"

آپ ﷺ کی طرف سے بطور جانشین حضرت عمر ﷺ کا تقرر

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی صحت کی امید نہیں رہی تھی اور یقین ہو گیا تھا کہ وقتِ آخر آپہنچا ہے تو اس وقت آپ کو خلافت کا خیال آیا، اس لئے چیدہ چیدہ صحابہ کو بلایا اور حضرت عمرؓ کی جانشینی کے متعلق ان کی آراء دریافت کیں، ایک صحابی نے عرض کی کہ حضرت عمرؓ بہت سخت واقع ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ بعد میں نرم ہو جائیں گے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اپنی رائے سے انہیں آگاہ کیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کا ہم سے کیا سلوک تھا، جب وہ خلیفہ ہوں گے تو نامعلوم کیا کریں؟ آپ بارگاہِ رب العزت میں جا رہے ہیں، غور کر لیجئے اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ "خداوند کریم سے یہ کہوں گا کہ میں نے تیری مخلوق پر تیری مخلوق کے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔" آپ کو ہر وقت اس بات کی فکر لگی رہتی تھی کہ کہیں بعد میں امت فتنہ و فساد میں نہ پڑ جائے اور میں خدا کے حضور میں جواب دہ ہوں۔ بیماری کے دوران جب غشی طاری ہو جاتی تو ہوش آنے پر پوچھتے تھے کہ فلاں بات کیسی تھی اور فلاں کام ہو چکا ہے اور کیسے ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق جب رائے پختہ ہو گئی تو ایک روز حضرت ابوبکرؓ بالا خانے پر تشریف لے گئے، شدتِ ضعف کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی، ان کی بی بی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہ دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں، نیچے آدمی جمع تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مخاطب کر کے کہا:

"آیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں ولی عہد مقرر کروں، اس کو

خوب سمجھ لو اور میں یہ قسم کہتا ہوں کہ میں نے غور وفکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور میں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں کیا، میں عمرؓ بن الخطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں تم میرا کہا سنو اور مانو"

سب نے کہا: "سمعنا و اطعنا ...... ہم نے سنا اور مانا"

حضرت عمر ﷛ کے بارے میں تحریری عہد نامہ

اس کے بعد نیچے اتر آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے کہا کہ عہد نامہ لکھو، چنانچہ حسب ذیل عہد نامہ لکھا گیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ عہد نامہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کی آخر زندگی کا ہے جبکہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور عالم آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت میں ہے جہاں کافر مومن، بدعقیدہ عقیدتمند اور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے میں نے عمرؓ بن الخطاب کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے لہٰذا ان کا حکم سنو اور مانو خوب سمجھ لو کہ اس بارہ میں خدا، اس کے رسولؐ اس کے دین، خود اپنی تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کرنے کی میں نے پوری کوشش کی ہے۔ اگر وہ عدل کریں گے تو ان کی نسبت میرا یہی خیال اور علم ہے، اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائے گا۔ نیت میری بخیر ہے، غیب کا علم نہیں، جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے، اور تم پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں......"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کو نصیحتیں کیں اور فرمایا:

"اے عمرؓ میں نے تم کو امت کی باگ ڈور دے دی ہے، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا، اس خدا تعالیٰ کے ہم پر بعض حقوق ہیں جو دن کے ہیں ان کو رات کو وہ قبول نہیں کرے گا اور رات والوں کو دن کو قبول نہیں کرے گا، وہ نوافل کو قبول نہیں کرتا جبکہ فرض ادا نہ کیے گئے ہوں، اگر کسی کے

اعمال اچھے ہوں گے تو وہ فلاح پائے گا اور اگر بدیوں کا وزن بڑھ گیا تو مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا، اے عمر! فلاح ونجات قرآن مجید پر عمل کرنے سے مل سکتی ہے، تم نے دیکھا نہیں کہ قرآن مجید میں جہاں لوگوں کے بدل جانے پر ان کی غلطیوں پر ان پر عذاب نازل ہوا اور وہاں اچھے کاموں کے کرنے پر انہیں اس دنیا میں بھی چین ملا اور آخرت کے دن جنت کی خوشخبری سنائی گئی جو قائم ودائم رہنے والا جہاں ہے، برائیوں سے بچنے کے لئے خدا سے مغفرت مانگا کرنا اور اچھے کاموں کے لئے دعا کیا کرنا، اگر تم میری ان نصیحتوں پر عمل کرو گے تو مجھے اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آخری نصیحتیں

یہ سب کچھ ۲۲ رجمادی الثانی پیر کے دن ہوا، اسی حالت میں مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ عراق سے مدینہ کو آئے اور آپ کو تمام حالاتِ جنگ سنائے، اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے صرف چند گھنٹے باقی تھے، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

"مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ فوج ضرور اور جلد روانہ کرنا، کہ مصیبت کی وجہ سے تم کو دین کی خدمت اور حکمِ ربانی کی تعمیل سے نہ رکنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کون سی مصیبت ہو سکتی ہے، تم نے دیکھا کہ اس روز میں نے کیا کیا تھا، قسم ہے رب کی! اگر میں اس روز حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اٹھتی، اگر خدا تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کو عراق بھیج دینا اس لئے کہ وہ کار آزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہے۔"

امت کے حق میں آخری دعا

اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

"اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے، اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فساد نہ ہو میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے، میں نے خوب غور وفکر کے بعد رائے قائم کی ہے، بہترین اور قوی شخص کو ولی عہد مقرر کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے، میرے لئے تیرا جو حکم آنا تھا آچکا، اب میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں وہ تیرے بندے ہیں اور ان کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے، اے اللہ ان کے حاکموں کو صلاحیت دے اور ولی عہد کو خلفائے راشدین کے زمرہ سے کر اور اس کی رعیت کو صلاحیت بخش۔"

وفات سے قبل بیت المال سے جو وظیفہ حاصل کیا تھا، حکم دیا کہ فلاں زمین فروخت کر کے بیت المال کا روپیہ واپس کر دیا جائے، آپ کے پاس جو کچھ خلافت کے وقت ملا تھا ان میں ایک اونٹنی، ایک حبشی غلام اور چادر تھی، وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس پہنچانے کو فرمایا۔

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر نزع کی بے ہوشی کا وقت آنے لگا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ تم میری بیٹی ہو میں ہر حال میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں، تمہاری خوشحالی سے مجھے راحت ہے اور غربت سے رنج، وہ درخت کھجور کا جو میں نے تمہیں دیا تھا جس سے پانچ دس کھجوریں اترا کرتی ہیں، اس سے اب تک جو کچھ تم نے نفع اٹھایا تھا تمہارا تھا، لیکن میرے بعد یہ مشترکہ ہو جائے گا، تو بہنوں بھائیوں کو محروم نہ کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بھلا ایسا ہو سکتا ہے، لیکن میری بہن تو صرف ایک ہی ہے، آپ نے فرمایا کہ نہیں ایک ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں بھی ہے۔

عبداللہ احمد نے "زوائد الزہد" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میری دو مستعملہ چادریں دھو کر انہی میں مجھے کفنا دینا، مانا کہ میں تمہارا باپ ہوں اگر عمدہ کپڑوں میں کفنایا گیا تو کچھ بڑھ نہ جاؤں گا

اور برے کپڑوں میں کفنایا گیا تو گھٹ نہ جاؤں گا، آپ نے یہ بھی وصیت کی کہ مجھے اسماء بنت عمیس (آپ کی زوجہ محترمہ) غسل دیں اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (آپ کے بیٹے) مجھ پر پانی ڈالیں، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وصیت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر دفن کر دینا۔

عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حسرت سے شعر پڑھا جس کے معنی یہ ہیں۔

"نورانی صورت جس کے چہرہ کی تازگی سے بادل سیراب ہوتے تھے۔
یتیموں کے کی شفیق اور بیواؤں کی پناہ تھے"۔

آپ نے آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، ابوبکرؓ اس کا مستحق نہیں"۔

انتقال پُر ملال

آپ کا آخری کلام یہ تھا "اے رب تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحوں سے ملا۔"

۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گذرنے پر مغرب اور عشاء کے درمیان وفات پائی، آپ کی وفات کی خبر آنِ واحد میں تمام مدینہ میں پھیل گئی اور کہرام مچ گیا، وصالِ نبوی کے دن کا نقشہ دوبارہ لوگوں کے سامنے آ گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی وفات کی خبر سنی تو رو پڑے اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ آج خلافتِ نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل پر ایک بلیغ خطبہ دیا، اس کے بعد نماز جنازہ کی امامت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی اور اسی شب کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب اس طرح دفن کیے گئے کہ ان کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ کے برابر رہا۔ آپ کی عمر ۶۳ سال تھی، ایامِ خلافت ۲ برس ۳ مہینے ۱۱ دن خلافتِ راشدہ

کی اساس تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی وفات پر سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ کا خطبہ

خلیفۃ الرسول ﷛ کی وفات سے صحابہ کرام ﷛ کیا پوری مملکت اسلامیہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان غمزدوں میں ایک سیدنا علی ﷛ بن ابی طالب بھی تھے۔ آپ ﷛ کو بھی سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کی وفات سے سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ کو جب خلیفۂ رسول کے انتقال کی خبر ملی تو آپ ﷛ نے ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور اپنے مکان سے فوری طور پر باہر نکل کر فرمایا:

''اَلیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ'' ......

آج خلافت نبوت منقطع ہوگئی ہے''۔

پھر آپ اس مکان پر تشریف لائے جہاں سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کی رکھی تھی۔ اس مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ ﷛ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کے مناقب وفضائل بیان فرمائے۔ آپ نے صحابہ کرام ﷛ کے سامنے فرمایا:

(ترجمہ) ''اے ابوبکرؓ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مونس وغمخوار، راحت جان، معتمد، محرم راز اور مشیر تھے۔ آپ اسلام لانے والوں میں اوّل تھے اور آپ ﷛ سب سے زیادہ مخلص و مومن تھے۔ آپ کا یقین سب سے زیادہ محکم، آپ سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والے، اللہ کے دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ بے نیاز اور دوسری چیزوں کی پرواہ نہ کرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر، اسلام پر سب سے زیادہ مہربان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے سب سے زیادہ بابرکت رفاقت و دوستی میں ان سب سے بہتر، مناقب وفضائل میں ان سب سے بڑھ چڑھ کر، پیش قدمیوں میں سب سے افضل وبرتر، درجہ میں سب سے بلند، وسیلہ کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سب سے زیادہ قریب اور

سیرت، عادات، بزرگی اور فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بلند تر، حضور علیہ السلام کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ومحترم اور معتمد۔ پس اللہ تعالیٰ اسلام اور اپنے رسول کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بمنزلہ گوش وچشم تھے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت تصدیق کی جب دوسرے لوگوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآنِ حکیم میں "صدیق" کے لقب سے یاد فرمایا: "والذی جاء بالصدق وصدق بہ" ۔ سچائی لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی تصدیق کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت غم خواری اور مؤاسات کی جب دوسرے لوگوں نے بخل کیا۔ اور آپ مکروہات اور ناگوار حالات میں آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت بھی کھڑے رہے جب کہ دوسرے لوگ آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ آپ نے مصائب اور تکالیف میں بھی آپ ﷺ کی صحبت ورفاقت کا حق بوجوہِ احسن ادا کیا۔ آپ ثانی اثنین اور یارِ غار تھے۔ اور آپ پر سکون نازل ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہجرت میں بھی آپ ﷺ کے رفیق تھے اور اللہ کے دین میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے خلیفہ بنے جس نے اس وقت خلافت کا حق ادا کیا جبکہ لوگ مرتد ہو گئے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا وہ حق ادا کیا جو کسی دوسرے پیغمبر کے خلیفہ نے ادا نہیں کیا تھا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت مستعدی دکھائی جب کہ آپ کے ساتھی سست ہو گئے تھے اور آپ نے اس وقت جنگ کی جب کہ وہ عاجز ہو گئے تھے۔ جب وہ کمزور اور ناتواں تھے تو آپ قوی اور مضبوط رہے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کو اس وقت تھامے رکھا جب کہ لوگ پست ہو گئے تھے۔ آپ بلا نزاع وتفرقہ

خلیفۂ برحق تھے اگرچہ اس سے منافقوں کو غصہ، کفار کو رنج، حاسدوں کو کراہیت اور باغیوں کو غیظ تھا۔ آپ حق بات پر ڈٹے رہے جبکہ لوگ بزدل ہو گئے، اور آپ ثابت قدم رہے جب کہ دوسرے ڈگمگائے۔ آپ اللہ کے نور کو لیے بڑھتے رہے جب کہ لوگ کھڑے منہ دیکھ رہے تھے۔ آخر کار انہوں نے آپ کی پیروی کی اور ہدایت پائی۔ آپ کی آواز ان سب سے زیادہ پست تھی مگر آپ کا مرتبہ ان سب سے زیادہ بلند تھا۔ آپ کا کلام سب سے زیادہ سنجیدہ تھا اور سب سے زیادہ آپ کی گفتگو درست تھی۔ آپ سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے لیکن جب بولتے تو آپ سب سے زیادہ بلیغ تھے۔ شجاعت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ نہایت معاملہ فہم اور عمل کے اعتبار سے سب سے اشرف تھے۔ بخدا، آپ دین کے یعسوب (سردار) تھے۔ جب لوگ دین سے ہٹے تو آپ آخری سردار تھے اور جب دین کی طرف متوجہ ہوئے تو اس وقت آپ مومنین کے لیے ایک رحمدل باپ کی حیثیت رکھتے تھے یہاں تک کہ وہ آپ کی اولاد کی طرح ہو گئے۔ جن بھاری بوجھوں کے لیے وہ اپنے آپ کو کمزور سمجھتے تھے آپ نے انہیں اٹھالیا۔ جس چیز کو انہوں نے چھوڑ دیا آپ نے اس کی نگرانی اور حفاظت کی اور جس شے کو وہ نہیں جانتے تھے آپ نے وہ انہیں سکھائی۔ جب وہ درماندہ و عاجز ہوئے تو آپ نے مستعدی دکھائی۔ جب وہ گھبرائے تو آپ نے صبر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی آپ نے دادرسی کی اور وہ اپنی ہدایت کی خاطر آپ کی راہ کی طرف لوٹے اور وہ کامیاب ہوئے اور جس شے کا اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ پالیں گے وہ انہوں نے پالی۔ آپ کافروں کے لیے عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے اور اس کے مقابلہ میں مومنین کے لیے رحمت، انسیت اور پناہ تھے۔ آپ نے اوصاف و کمالات کی فضا میں پرواز کی۔ آپ نے ان کا عطیہ پایا۔ ان کی اچھائیاں لے لیں۔ آپ کی حجت کو شکست نہیں ہوئی، آپ کی بصیرت کمزور نہیں ہوئی۔ آپ کا نفس

بزدل نہیں ہوا اور نہ ہی آپ کے دل میں خوف پیدا ہوا اور نہ ہی وہ کمزور ہوا۔ آپ اس پہاڑ کی مانند تھے جس کو آندھیاں اور ہواؤں کے تند و تیز جھکڑ ہلا نہیں سکتے تھے۔ اور جیسا کہ آپ کے اور میرے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آپ رفاقت اور مالی خدمت دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے۔ اور فرمانِ نبوی کے مطابق جسمانی لحاظ سے اگرچہ کمزور لیکن اللہ کے معاملہ میں قوی اور طاقتور تھے۔ اپنے نفس کے اعتبار سے متواضع تھے۔ حق تعالیٰ کے نزدیک آپ عظیم تھے اور لوگوں کی آنکھوں اور ان کے دلوں میں بھاری بھرکم اور جلیل القدر تھے۔ آپ کی نسبت نہ کوئی طنز کرتا تھا اور نہ کوئی حرف گیری۔ آپ میں نہ کسی کو کوئی طمع تھی اور نہ آپ کسی کی کوئی رورعایت کرتے تھے۔ ضعیف و ناتواں آدمی آپ کے نزدیک قوی تھا کہ آپ اس کو حق دلاتے تھے اور قوی اور طاقتور آپ کے نزدیک ضعیف اور ذلیل تھا کہ آپ اس سے حق لیتے تھے۔ دور و نزدیک دونوں قسم کے لوگ آپ کی نگاہ میں یکساں اور برابر تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ فرمانبردار اور متقی ہوتا وہی آپ کا سب سے زیادہ مقرب تھا۔ آپ کی شان حق، صداقت اور نرمی تھی۔ لہٰذا آپ کا قول حکم قطعی اور آپ کا معاملہ بردباری اور دور اندیشی تھا اور آپ کی رائے علم اور عزم تھی۔ آپ اس وقت دنیا سے رخصت ہوئے جبکہ راستہ ہموار اور مشکل آسان ہو گئی۔ فتنہ و فساد کی آگ بجھ گئی اور دین آپ کی وجہ سے معتدل اور ایمان قوی ہو گیا۔ اسلام اور مسلمان ثابت قدم ہو گئے۔ اللہ کا امر غالب آ گیا اگرچہ کافروں کو اس سے تکلیف ہوتی تھی۔

آپ نے سخت پیش قدمی کی اور اپنے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا۔ آپ خیر سے کامیاب ہوئے اور آپ اس بات سے اعلیٰ اور بلند و بالا ہیں کہ آپ پر آہ و بکا اور گریہ وزاری کی جائے۔ آپ کی موت کی مصیبت تو آسمانوں میں بھی بری طرح محسوس کی جا رہی ہے اور ساری دنیا کو ہلا کر رکھ

دیا ہے۔ ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہیں اور ہم نے اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیا ہے۔

بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی وفات جیسا جانگداز حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ آپ دین کی عزت، جائے پناہ اور حفاظت گاہ تھے۔ مومنوں کے لیے ایک گروہ، قلعہ اور دارالامن تھے۔ منافقوں کے لیے غلظت اور غضب تھے۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے نبی سے ملا دے اور ہم کو آپ کے اجر سے محروم اور آپ کے راستہ سے گمراہ نہ کرے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ ج ۱ص ۱۸۳، ۱۸۴)

کچھ الفاظ کی تبدیلی اور اختصار کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کو محمد بن ابی بکر بن عبداللہ بن موسیٰ التلمسانی نے اپنی کتاب "الجوہرۃ فی نسب النبی واصحابہ العشرۃ ج ۲ ص ۱۶۲" پر اور "منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۳۶۶" پر بھی نقل کیا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کے دوران تمام موجود لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ اس خطبہ کو سنتے رہے لیکن جونہی آپ نے یہ خطبہ ختم فرمایا تو سب لوگوں کی بے تحاشا چیخیں نکل گئیں اور سب لوگوں نے بآواز بلند کہا:

"اے رسول اللہ کے داماد! بے شک آپ نے سچ فرمایا"۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں سب سے بہتر شخص

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہتر اور افضل سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے صاحبزادے سیدنا محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ابا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال ابوبکر! قال قلت ثم مَن؟ قال عمرؓ، وخشیت ان یقول

عثمان ، قلت ثم انت؟ قال ما انا الا رجل من المسلمین.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سے سب سے بہتر کون شخص ہے؟ سیدنا علی ﷺ نے جواب میں فرمایا، ابوبکر ﷺ سب سے بہتر ہیں۔ میں نے پھر کہا، ان کے بعد کون ہے؟ فرمایا عمر ﷺ۔ مجھے گمان ہوا کہ آپ عمر ﷺ کے بعد عثمان ﷺ کا نام لیں گے، لہٰذا میں نے خود پوچھا کہ پھر آپ؟ آپ ﷺ نے (کسر نفسی کے طور پر) فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام مسلمان ہوں“۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۱۸، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۸۸)

گزشتہ صفحات میں غزوۂ بدر کے بیان میں ایک روایت پیش کی جا چکی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ﷺ خلیفۂ بلا فصل حضرت صدیق اکبر ﷺ کو اشجع الناس (تمام لوگوں سے زیادہ شجاع اور دلیر) قرار دیتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ ﷺ کے نزدیک ابوبکر الصدیق ﷺ کی چار فضیلتیں

اس نوع کی متعدد روایات (جو علی المرتضیٰ ﷺ سے مروی ہیں) علی متقی ہندی نے کنز العمال میں اور فاضل سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اور محب الطبری نے ریاض النضرۃ میں صاحب تخریج علماء کے حوالہ سے نقل کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱)...... ”ابوالزناد روایت کرتا ہے کہ ایک شخص نے (حضرت علی ﷺ کے دور خلافت میں) ان سے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین مہاجرین و انصار نے (آپ پر) ابوبکر ﷺ کو کس طرح مقدم کر دیا حالانکہ منقبت میں آپ زیادہ فائق ہیں اور اسلام لانے میں اور صلح جوئی میں آپ پیش پیش ہیں اور سبقت لے جانے والے اعمال میں آپ مقدم ہیں۔ تو علی المرتضیٰ ﷺ نے فرمایا کہ (اے شخص) اگر تو قریشی ہے تو خیال یہ ہے تو (قبیلہ) عائذہ سے ہوگا۔ اُس نے کہا کہ ہاں! پھر فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ مومن کو (ناجائز عمل) سے بچالیتا ہے تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ اگر

تو زندہ رہا تو تجھے میری طرف سے ایسا اندیشہ اور خوف لاحق ہوگا جو تجھے (اس غلط نظریہ سے) روک ڈالے گا۔

اَے بیچارے! (تم جانتے نہیں؟) کہ مجھ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ چار چیزوں میں سبقت لے گئے۔ (ایک تو) نماز کی امامت اور (قوم کی پیشوائی) میں۔ (دوسرا) ہجرت کرنے میں۔ (تیسرا) غار کی رفاقتِ نبوی میں۔ (چوتھا) اسلام کے اظہار اور اس کی اشاعت میں۔

بیچارے! (تم نہیں جانتے؟) کہ تمام لوگوں کی اللہ نے مذمت کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح کی ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ . الخ

(کنز العمال جلد سادس ص ۳۱۸، بحوالہ خیثمہ وابن عساکر)

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اظہارِ غم

''اے ابا جان! اللہ آپ کے چہرے کو تر و تازہ رکھے اور دینِ اسلام کو آفات و مصائب سے بچانے کے لئے جو مساعی آپ نے کی ہیں ان کا بہتر بدلہ آپ کو دے۔ آپ نے اس فانی دنیا کو چھوڑ کر اسے ذلیل کر دیا ہے اور آخرت کو اپنے دم سے عزت بخشی ہے۔ آپ کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارے لئے سب سے زیادہ دردناک حادثہ ہے۔ اللہ نے اپنے کلام میں بندوں کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے بدلے بہترین انعامات کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لئے ہم ان انعامات کے طالب ہیں جو اس نے صبر کرنے کے بدلے میں ہم سے کر رکھے ہیں۔ اللہ آپ پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کیفیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو اس صدمے کے باعث گفتگو کا یارا ہی نہ رہا تھا۔ وفات کے بعد جب وہ حجرے میں داخل ہوئے تو صرف یہ الفاظ ان کے منہ سے نکل سکے:

''اے خلیفۂ رسول اللہ! تمہاری وفات نے قوم کو سخت مصیبت اور مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہم تو تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے، تمہارے مرتبے کو کس طرح پا سکتے ہیں؟''

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر مدینہ سے باہر قبائل عرب میں پھیلی تو کوئی دردمند آنکھ ایسی نہ تھی جو اس سانحہ عظیمہ کے باعث پُرنم نہ ہوئی ہو۔ جب مکہ میں یہ خبر پہنچی تو وہاں بھی ہر طرف سے آہ و شیون کی آوازیں آنے لگیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ اس وقت تک زندہ تھے۔ جب انہوں نے گریہ وزاری کی آوازیں سنیں تو لوگوں سے واقعہ پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کا لڑکا فوت ہو گیا۔ یہ سن کر ان کے دل پر اس قدر سخت صدمہ ہوا کہ وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئے اور اس کے بعد اور کوئی بات نہ کی۔ جب لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ترکے میں سے ان کا حصہ ان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لڑکے اس کے زیادہ حق دار ہیں۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے والد کو بھی زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ ہوا اور وہ اس عظیم حادثے کی تاب نہ لاتے ہوئے چھ مہینے بعد وفات پا گئے۔

صحابہ کی بے چینی اور بے قراری یقیناً حق بجانب تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی سربلندی کی خاطر جو مشکلات اور تکالیف برداشت کیں اور جس طرح اپنے آپ کو اس کی خدمت کے لئے وقف کیا، اس کی نظیر اور کوئی نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنے پاک نمونے سے دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں بھی دین کی تڑپ پیدا کر دی تھی۔ انہوں نے ہر قسم کی سختیاں جھیل کر اور ایمان و استقامت اور عزم و استقلال سے کام لے کر اسلام کو ہر امکانی

خطرے سے بچایا اور اس راہ میں اپنی جانوں کی بھی پرواہ نہ کی۔ اللہ نے خلیفہ کے عہد میں مومنوں کا امتحان لیا تھا، وہ اس امتحان میں پورے اترے اور خلیفہ کے ایمان و ایقان اور مسلمانوں کی جرأت و ہمت کی بدولت اسلام عرب کی حدود سے نکل کر رومی اور ایرانی مقبوضات میں دور دور تک پھیل گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے اللہ جو کام کرانا چاہتا تھا، جب وہ پورا ہو چکا تو اس نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

اگر آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر نہ کرتے......

اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر نہ کرتے تو نہ معلوم اس کا کیا نتیجہ نکلتا۔ یہ آخری کارنامہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انجام دیا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کی بدولت اسلام عروج کی آخری منزل تک پہنچ گیا۔ عمر کے عہد میں اسلام کو جو ترقی نصیب ہوئی، اسے دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ عمر کا انتخاب خدائی انتخاب تھا جو اسی کی دی ہوئی توفیق سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اس انتخاب میں زبان ابوبکر رضی اللہ عنہ کی لیکن مشیت خدا کی کام کر رہی تھی۔

لاریب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ وہ مقدس وجود تھے جنہوں نے اپنے آپ کو دنیوی آلائشوں سے کلیۃً پاک کر کے خالصۃً اللہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ دونوں کی طبیعتیں مختلف تھیں لیکن مقاصد ایک ہی تھے...... یعنی عدل و انصاف کا قیام اور اعلاء کلمۃ الحق...... دونوں بزرگوں نے ان مقاصد کے حصول کیلئے اپنی زندگیاں یکسر وقف کر دی تھیں اور دونوں نہایت درجہ کامیاب و کامران ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔

اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضل فرمائے اور انہیں اس دنیا کی طرح بہشت میں بھی اپنی نوازش ہائے بے پایاں سے نواز کر اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں جگہ دے۔ آمین

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خراج تحسین

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سب سے زیادہ صاحب فراست اور

دانشمند تین شخص ہیں:

(۱) عزیز مصر، جب اس نے اپنی بیوی کو ہدایت کی:

"یوسف کو عزت کے ساتھ رکھو، یہ کسی دن ہمیں نفع پہنچائے گا ہم اسے اپنا لڑکا بنالیں گے"۔

(۲) شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر، جب اس نے اپنے باپ سے کہا:

"ابا جان! اس کو ملازم رکھ لیں، بہترین ملازم وہ ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو!"

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ! جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔"

(مختصر سیرت الرسولؐ از شیخ محمد بن عبدالوہاب، ص ۷۶۷)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہم پر رائی بھر بھی ظلم نہیں کیا (حضرت محمد باقرؒ)

ابو عقیل کہتے ہیں: "میں نے حضرت محمد باقر رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ میری جان آپ پر قربان، کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے حقوق کے بارے میں کچھ ظلم کیا، یا تمہارے حق دبائے رکھے؟ فرمایا نہیں! اس اللہ کی قسم! جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا۔ تاکہ تمام جہانوں کے لیے وہ نذیر بن جائے۔ ہمارے حقوق میں سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ میں نے کہا "آپ پر قربان جاؤں، کیا میں ان سے محبت رکھوں؟" فرمایا "ہاں! تو برباد ہو جائے انہیں دونوں جہانوں میں دوست رکھ، اور اگر اس وجہ سے تجھے کوئی نقصان ہو تو میرے ذمہ ہے۔ پھر امام نے فرمایا مغیرہ اور بنان سے خدا نپٹے، ان دونوں نے ہم اہل بیت پر جھوٹ گھڑا"۔

(ابن حدید، شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۸۲)

آپ رضی اللہ عنہ کیلئے جنت کی بشارت

صحیح مسلم کی ایک روایت ملاحظہ ہو جس میں واضح طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کیلئے جنت کی بشارت ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : "مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْیَوْمَ صَائِمًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا ، قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْیَوْمَ جَنَازَةً قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا ، قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْیَوْمَ مِسْكِیْنًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا، قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْیَوْمَ مَرِیْضًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِیْ امْرِیءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آج تم میں سے کون شخص روزہ سے ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں روزہ سے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، آج تم میں سے کون شخص جنازہ کے ساتھ (نماز جنازہ کیلئے یا قبرستان) گیا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، آج تم میں سے کس شخص نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج تم میں سے کس شخص نے بیمار کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (سن لو) جس شخص میں یہ باتیں جمع ہوتی ہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (مسلم)

اولیاتِ صدیقی رضی اللہ عنہ

(۱) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آزاد مردوں میں سب سے اوّل مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں اور کسی دوست کے ساتھ بغیر مشورہ اور صلاح کے ایمان لائے ہیں۔

(۲) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حویلی کے صحن میں مسجد بنائی ، اور اس میں نماز اور تلاوت قرآن کی ابتدا کی۔ یہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی۔

(۳) نبی کریم ﷺ کے ساتھ مل کر جماعت کی صورت میں سب صحابہ سے پہلے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

(۴) آپ ﷜ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد نبوی کی بنیاد سب سے پہلے رقم خرچ کر کے ڈالی، اور اپنی طرف سے رقم خرچ کر کے سب اصحاب سے سبقت حاصل کی۔

(۵) حضرت علی ﷜ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ صدیق اکبر ﷜ پر رحم فرمائے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا۔

(۶) پہلا حج جو اسلام میں ہوا ہے اس میں حضور ﷺ نے آپ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا پھر آئندہ سال حضور ﷺ حج کو خود تشریف لے گئے۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۵)

(۷) آنحضور ﷺ کے اس عالم سے رخصت ہونے کے اختیار کی اطلاع پانے پر سب سے اوّل صدیق اکبر ﷜ کے آنسو جاری ہوئے۔ حالانکہ باقی سب صحابہ ان کی اس حالت پر متعجب تھے کہ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف انتقال کے اختیار ملنے کی اطلاع دے رہے ہیں اور صدیق ﷜ رو رہے ہیں۔

(۸) حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا (قیامت میں) جو زمین سے اٹھوں گا پھر ابوبکر ﷜ اٹھیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶ بحوالہ ترمذی)

(۹) حضور ﷺ نے فرمایا ضرور تُو (اے ابوبکر!) وہ پہلا شخص ہو گا جو میری اُمت میں سے جنت میں داخل ہو گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶ بحوالہ ابی داؤد)

(۱۰) صدیق اکبر ﷜ وہ پہلی عظیم شخصیت ہیں کہ اسلام میں خلیفۂ رسول ﷺ اور خلیفۃ المسلمین کے نام سے موسوم ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۷)

خصوصیات صدیقی ﷜

(۱) تمام صحابہ کرام ﷡ میں سے صرف صدیق اکبر ہیں جن کی چار پشتیں صحابی ہیں۔ ابوعتیق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق بن ابوقحافہ رضی اللہ عنہم۔

(ازالۃ الخفاء فارسی مقصد دوم ص ۱۶)

(۲) واقعۂ ہجرت میں (جو اسلام میں بڑی فضیلت اور اہمیت رکھتا ہے) ابتدائے ہجرت سے آخری اوقات تک حضرت ابوبکر صدیق ﷺ حضور ﷺ کی معیت میں رہے ہیں۔ (الاصابہ ص۳۳۵ جلد۲، استیعاب جلد۲ ص۲۴۴)

(۳) قیام غار ثور کا شرفِ معیت اور حاضری صدیق اکبر ﷺ کو ہی حاصل ہوئی ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید نے ثانی اثنین ......الخ میں فرمایا ہے۔

(۴) "والمقه جی المشاید کلها الی ان مات" یعنی صدیق اکبر ﷺ سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ حاضری کے تمام ضروری مقامات میں سب جگہ حاضر رہے۔

(اصابہ مع استیعاب ص۳۳۴ جلد۲)

(۵) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صحبت اور سنگت کے اعتبار سے اور مال و دولت صرف کرنے کے اعتبار سے تمام لوگوں میں مجھ پر زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ﷺ ہیں۔ (بخاری جلد اوّل ص۵۱۶)

(۶) "عتیق" آگ سے آزاد شدہ کا لقب خصوصی حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے آپ کو ہی حاصل ہوا۔ (اصابہ ص۳۳۴، جلد۲)

(۷) حضور ﷺ کی مرض الوفات کے دوران حضور ﷺ نے مسلمانوں کی نماز کیلئے ابوبکر صدیق ﷺ کو ہی امام بنایا۔ (طبقات ابن سعد ص۲۱۶ جلد۳)

(۸) حضور ﷺ کی وفات جیسے ہوش ربا حادثہ اور قیامت خیز واقعہ کے وقت بھی باہوش وبااستقلال رہنے والے صرف صدیق اکبر ﷺ ہیں۔

(۹) حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لینا ابوبکر ﷺ کو ہی نصیب ہوا ہے۔

(۱۰) حضور ﷺ کی آخری آرام گاہ کے بالکل متصل آرام گاہ تا قیامت آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے۔

پانچواں باب

☆ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نظامِ حکومت

☆ آپ رضی اللہ عنہ کا عسکری نظام

☆ آپ رضی اللہ عنہ کا طرزِ زندگی

☆ آپؓ کی خلافت میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی مالی امداد

☆ تمام آمدنی رعایا میں تقسیم

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی تکمیل

☆ آپ رضی اللہ عنہ کی وصیتیں اور نصیحتیں

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت

اسلام نے حکومت کا جو نظام تجویز کیا تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مفتوحہ ممالک میں اسے پوری طرح رائج کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ عراق میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بلدیاتی نظم ونسق کا کام خود وہاں کے باشندوں کے سپرد کر رکھا تھا۔ مسلمان صرف عام نگرانی اور سیاسی امور کی نگہداشت کرتے تھے۔ اس طرح کوئی باقاعدہ منظم حکومت معرض وجود میں نہ آ سکی۔ جنگی صورتِ حال کے پیشِ نظر ایک عبوری طرزِ حکومت اختیار کر لیا گیا اور بیشتر توجہ جنگی امور کی تکمیل پر دی گئی۔

شام کا حال بھی عراق سے مختلف نہ تھا۔ شورائی نظام حکومت یہاں کے باشندوں کے لئے اسلام کی طرح بالکل نئی چیز تھا۔ فتوحاتِ اسلامیہ کے وقت یہاں مطلق العنانی دور دورہ تھا۔ شہنشاہ ملک کے سیاہ وسفید کا مالک تھا اور من مانی کرتا تھا۔ پادری اور راہب شہنشاہ کے ایجنٹ کے طور پر کام کر رہے تھے اور مطلق العنانی کو جائز ٹھہرانے کے لئے زمین آسمان کے قلابے ملاتے تھے۔

ایک طرف حکومت کے دباؤ دوسری طرف مذہبی پیشواؤں کے وعظ کے نتیجے میں عوام الناس اپنے فرماں رواؤں کو انتہائی تقدیس کی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے اور انہیں ان کے آگے سجدہ کرنے میں بھی باک نہ تھا۔ اسلامی فتوحات کے موقع پر جب انہوں نے ایسے نظامِ حکومت کا مشاہدہ کیا جس کی بنیاد عدل وانصاف اور شوریٰ پر تھی اور جہاں اس شاہی کر وفر اور رُعب ودبدبہ کا نام ونشان تک نہ تھا جسے دیکھنے کے وہ صدیوں سے عادی تھے تو ان کے دل بے اختیار اسلام کی طرف مائل ہونے شروع ہوئے اور انہوں نے بڑی گرم جوشی سے مسلمانوں کا خیر مقدم کیا۔ اسلام کی طرف لوگوں کے اس میلان کے باعث

مسلمانوں کی سلطنت بڑھتی ہی چلی گئی اور اس کے ڈانڈے ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف افریقہ سے جا ملے۔ مسلمان جہاں بھی گئے حق وصداقت، عدل وانصاف اور ایمان واحترام کا علم لہراتے ہوئے گئے اور حریت ومساوات اور محبت وشفقت کے بیج ہر زمین میں بودیئے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ عرب اور دوسرے مفتوحہ علاقے میں اسلامی نظامِ حکومت کاملاً رائج کر سکتے۔ ان دنوں اس سلسلے میں جو کام ہوا، وہ ابتدائی نوعیت کا تھا۔ بعد میں آنے والے خلفاء کے عہد میں سلطنت نے جس طرح منظم صورت اختیار کر لی تھی اور جس طرح باقاعدہ محکموں کا قیام عمل میں آ چکا تھا، اس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں نہ تھا۔ ان کے عہد میں نہ حکومت نے باقاعدہ تنظیمی شکل اختیار کی تھی اور نہ مختلف محکمے قائم ہوئے تھے۔

اس کے دو طبعی سبب تھے:

اول یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد پچھلے تمام زمانوں سے مختلف تھا اور انہیں بالکل نئے سرے سے ایسے وقت میں ایک حکومت کی تشکیل کرنی پڑی تھی جب پچھلی تہذیبیں دم توڑ چکی تھیں اور ان کی جگہ ایک نئی تہذیب نے لے لی تھی۔ عقائد کے لحاظ سے ایک انقلاب آ چکا تھا اور جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ فکر ونظر کے انداز بدل چکے تھے اور معاشرے میں زبردست تبدیلی آ چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں قلیل وقفے کے اندر ایک بالکل نیا نظامِ حکومت رائج کرنا کس قدر دشوار امر تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا عسکری نظام

منظم حکومت عمل میں نہ آنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ زمانہ حرب وپیکار کا تھا۔ ابوبکر کی حکومت عسکری حکومت کہلانے کی زیادہ مستحق تھی۔ جنگ وجدل کے مواقع پر مقررہ نظم ونسق کا قیام تک ناممکن ہوتا ہے۔ چونکہ ایسے علاقے میں ایک منظم حکومت کا قیام عمل میں لایا جا سکے جہاں اسلام سے قبل نظم ونسق کا وجود ہی نہ تھا۔

خلافت کے بعد ابوبکر کو سب سے پہلے مرتدین کا سامنا کرنا پڑا اور پہلا سال

ان کی بغاوتیں فرو کرنے میں گزر گیا۔ ابھی مرتدین سے جنگوں کا سلسلہ جاری تھا کہ ایرانیوں سے جھڑپیں شروع ہوگئیں اور ابو بکر کی توجہ عراق کی طرف منعطف ہوگئی۔ عراق میں کامل امن و امان نہ ہوا تھا کہ شام پر چڑھائی کا مسئلہ درپیش ہوگیا۔ اس صورت میں نظامِ حکومت وسیع بنیادوں پر قائم کرنا اور اس کی تفاصیل طے کرنا ناممکن تھا۔

اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے دو بڑے مقصد تھے اور انہی کی تکمیل میں وہ ہمہ تن مشغول رہتے تھے۔ اوّل مسلمانوں میں اتحاد پیدا کر کے انہیں دشمن کے مقابلے کے لئے تیار کرنا، دوم دشمن پر فتح حاصل کر کے وسیع اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھنا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عسکری حکومت کا نظام اس بدوی طریق کے زیادہ قریب تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے بھی پہلے قبائلِ عرب میں رائج تھا۔ اس وقت حکومت کے پاس کوئی منظم لشکر موجود نہ تھا بلکہ ہر شخص اپنے طور پر جنگی خدمات کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا تھا۔ جب طبلِ جنگ پر چوٹ پڑتی اور لڑائی کا اعلان کر دیا جاتا تو قبائل ہتھیار لے کر نکل پڑتے اور دشمن کی جانب کوچ کر دیتے۔

ہر قبیلے کا سردار ہی اپنے قبیلے کی قیادت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ ان کی عورتیں بھی انہیں ہمت دلانے اور جوش و خروش پیدا کرنے کے لئے ساتھ ہوتی تھیں۔ سامانِ رسد اور اسلحہ کے لئے وہ مرکزی حکومت کی طرف نہ دیکھتے تھے بلکہ خود ہی ان چیزوں کا انتظام کرتے تھے۔ حکومت کی طرف سے انہیں تنخواہ بھی ادا نہ کی جاتی تھی بلکہ وہ مالِ غنیمت ہی کو اپنا حق الخدمت سمجھتے تھے۔

میدانِ جنگ میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تھا اس کا ۴/۵ حصہ جنگ میں حصہ لینے والوں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا تھا اور پانچواں حصہ خلیفہ کی خدمت میں دارالحکومت ارسال کر دیا جاتا تھا جسے وہ بیت المال میں جمع کر دیتا تھا۔ خمس کے ذریعے سے سلطنت کے معمولی مصارف پورے کئے جاتے تھے اور مدینہ کے مفلس و قلاش اور محتاج لوگوں کی امداد کی جاتی تھی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ جونہی خمس مدینہ پہنچے، اسے تقسیم کر دیا جائے اور ایک درہم بھی آئندہ کے لئے اٹھا نہ رکھا جائے۔ بعض لوگوں نے ان کے سامنے تجویز پیش کی کہ

بیت المال پر پہرے دار مقرر کیے جائیں لیکن انہوں نے یہ تجویز نامنظور کر دی کیونکہ بیت المال میں کچھ بچتا ہی نہ تھا جس کی حفاظت کے لئے پہرے دار مقرر کیے جاتے۔

طریق رسول ﷺ کی اتباع

ابوبکر کی حکومت کا نظام نہایت سادہ اور بدویانہ طرز کا تھا۔ اپنے عہد کی منظم اور متمدن سلطنتوں کا رنگ انہوں نے بالکل قبول نہ کیا۔ عہدِ رسالت سے اتصال کے باعث ان کا عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے بڑی حد تک مشابہ ہے۔ ابوبکر بھولے سے بھی وہ کام نہ کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے تھے اور وہ کام کرنا سعادت سمجھتے تھے جو آپ نے کیا تھا لیکن وہ جامد مقلدین کی طرح نہ تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ اختیار کرنے کی وجہ سے ان کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھل چکا تھا۔ یہی اجتہاد تھا جس کے باعث اللہ نے ان کے ذریعے سے عراق اور شام فتح کرائے اور ان کے ہاتھ سے ایسی متحدہ سلطنت کی بنیاد رکھوائی جس کا دستور العمل احکام الٰہی اور شوریٰ پر مبنی تھا۔ وہ افراط و تفریط سے ہمیشہ پاک اور اللہ کے نور سے حصہ لے کر ہمیشہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔

یہ خیال ہر وقت ان کے دل میں جاگزیں رہتا تھا کہ جہاں وہ بندوں کے سامنے جواب دہ ہیں وہاں اللہ کے سامنے بھی جواب دہ ہیں اور وہ قیامت کے دن ان سے ان کے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ اللہ اور بندوں کے سامنے جواب دہی کا یہی تصور تھا جس نے ہمیشہ آپ کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیے رکھا اور ان کا ایک قدم ایک لمحے کے لئے بھی جادۂ استقامت سے ہٹنے نہ پایا۔

ابوبکر کے بعد اسلامی حکومت مختلف ادوار میں سے گزرتی رہی۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایرانی اور رومی سلطنتوں کا نظام حکومت سامنے رکھ کر مختلف شعبوں کی تشکیل کی لیکن کتاب اللہ اور اس کی مقررہ حدود سے مطلق تجاوز نہ کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں عمر رضی اللہ عنہ کا مقررہ طرزِ حکومت ہی جاری رہا۔ خلافت راشدہ کے بعد جب سلطنت

امویوں کے ہاتھ میں آئی تو شورائی طرز حکومت کی جگہ موروثی بادشاہی نے لے لی۔ عباسیوں کے زمانے میں بھی موروثی بادشاہی کا سلسلہ قائم رہا۔

عباسیوں کے عہد میں سلطنت پر اہل روم اور اہل ایران کا اثر اس قدر بڑھ گیا کہ خلفاء ان کے ہاتھوں میں بے بس ہو کر رہ گئے۔ ایران اور روم کی مکمل فتح عمر ؓ اور عثمان ؓ کے عہد میں ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت سلطنت پر عجمی باشندوں کا اثر بہت کم تھا۔ امویوں کے عہد میں ان کا اثر قدرے بڑھا مگر سلطنت عربی رنگ میں رنگی رہی۔ عباسیوں نے چونکہ خلافت اہل ایران کی مدد سے حاصل کی تھی اس لئے ان کے عہد میں ان لوگوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا اور آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ خلفاء ان کے ہاتھوں محض کٹھ پتلیاں بن کر رہ گئے۔

اس اثناء میں علماء اسلام، جن میں اکثریت غیر عربوں کی تھی، حکومت کے لئے قواعد اور تفاصیل مرتب کرنے میں مصروف رہے۔ ان علماء میں اکثر اختلاف ہو جاتا تھا جو بعض اوقات بڑھتے بڑھتے فساد اور شورش کی صورت اختیار کر لیتا تھا اور حاکم وقت کو سختی سے اسے فرو کرنا پڑتا تھا۔ کتنا بڑا فرق تھا ابوبکر ؓ کی اور اُمویوں اور عباسیوں کی حکومتوں میں...... اول الذکر حکومت بالکل سادہ تھی لیکن اس کی وجہ سے ایک دن کے لئے بھی ملک کے امن و امان میں خلل نہ پڑا۔ مؤخر الذکر حکومتیں شان و شوکت کے لحاظ سے جواب نہ رکھتی تھیں، بڑے بڑے علماء و فضلاء حکومت کا آئین تیار کرنے میں مصروف تھے۔ لیکن اندرونی بغاوتوں نے ان سلطنتوں کو ایک دن کے لئے چین سے نہ بیٹھنے دیا اور یہ ہمیشہ داخلی جھگڑوں اور خانہ جنگیوں ہی میں مصروف رہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طرز زندگی

حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسیّب وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم سے مَروی ہے (لیکن ان کی حدیثیں آپس میں مل گئی ہیں۔ بہر حال) یہ حضرات فرماتے ہیں ہجرت کے گیارہویں سال ۱۲ ربیع الاوّل کو پیر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال

ہوا۔اسی دن لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت ہوئے۔آپ کا قیام اپنی بیوی حضرت حبیبہ بنت خارجہ بن زید بن ابی زُہیر کے ہاں سخ محلہ میں تھا جو کہ قبیلہ بنو حارث بن خزرج میں سے تھیں۔اپنے لئے بالوں کا ایک خیمہ ڈال رکھا تھا۔اس میں انہوں نے کوئی اضافہ نہیں کیا یہاں تک کہ اپنے مدینہ والے گھر منتقل ہو گئے۔

بیعت کے بعد چھ ماہ تک سخ ہی ٹھہرے رہے۔اکثر صبح پیدل مدینہ منورہ جاتے۔کبھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے اور ان کے جسم پر ایک لنگی اور گیروے رنگ سے رنگی ہوئی ایک چادر ہوتی۔چنانچہ مدینہ آتے اور لوگوں کو نمازیں پڑھاتے۔جب عشاء کی نماز پڑھا لیتے تو سخ اپنے گھر والوں کے پاس واپس آتے۔جب حضرت ابوبکر خود (مدینہ میں) ہوتے تو خود لوگوں کو نماز پڑھاتے۔جب خود نہ ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے۔جمعہ کے دن، دن کے شروع میں سخ ہی رہتے۔اپنے سر اور داڑھی پر مہندی لگاتے۔پھر جمعہ کے وقت تشریف لے جاتے اور لوگوں کو جمعہ پڑھاتے۔

حضرت ابوبکرؓ تاجر آدمی تھے، روزانہ صبح بازار جا کر خرید و فروخت کرتے۔ان کا بکریوں کا ایک ریوڑ بھی تھا۔جو شام کو ان کے پاس واپس آتا کبھی ان کو چرانے خود جاتے اور کبھی کوئی اور چرانے جاتا۔اپنے محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ بھی نکال دیا کرتے۔جب یہ خلیفہ بنے تو محلہ کی ایک لڑکی نے کہا (اب تو حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بن گئے ہیں لہٰذا) ہمارے گھر کی بکریوں کا دودھ اب تو کوئی نہیں نکالا کرے گا۔حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر فرمایا نہیں۔میری عمر کی قسم! میں آپ لوگوں کے لئے دودھ ضرور نکالا کروں گا اور مجھے اُمید ہے کہ خِلافت کی ذمہ داری جو میں نے اُٹھائی ہے یہ مجھے اُن اَخلاقِ کریمانہ سے نہیں ہٹائے گی جو پہلے سے مجھ میں ہیں۔

چنانچہ خِلافت کے بعد بھی محلہ والوں کا دودھ نکالا کرتے اور بعض دفعہ ازراہِ مذاق محلہ کی لڑکی سے کہتے اے لڑکی! تم کیسا دودھ نکلوانا چاہتی ہو؟ جھاگ والا نکالوں یا بغیر جھاگ کے۔کبھی وہ کہتی جھاگ والا اور کبھی کہتی بغیر جھاگ کے۔بہرحال جیسے وہ کہتی ویسے

یہ کرتے۔ چنانچہ سخ محلہ میں چھ ماہ ایسے ہی ٹھہرے رہے پھر مدینہ آگئے اور وہاں مستقل قیام کر لیا پھر اپنی خلافت کے بارے میں غور کیا تو فرمایا اللہ کی قسم! تجارت میں لگے رہنے سے تو لوگوں کے کام ٹھیک طرح سے نہیں ہو سکیں گے۔ ان کے کام تو تب ہی ٹھیک ہو سکیں گے جب کہ میں تجارت سے فارغ ہو کر مسلمانوں کے کام میں پورے طور سے لگ جاؤں اور ان کی دیکھ بھال کروں لیکن میرے اہل وعیال کے لئے گزارہ کے قابل خرچہ ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ سوچ کر انہوں نے تجارت چھوڑ دی اور مسلمانوں کے بیت المال میں سے روزانہ اتنا وظیفہ لینے لگے جس سے ان کا اور ان کے اہل وعیال کا ایک دن کا گزارہ ہو جائے اور اس وظیفہ سے حج اور عمرہ بھی کر سکیں۔

چنانچہ شوریٰ والوں نے ان کی ان تمام ضرورتوں کے لئے سالانہ چھ ہزار درہم مقرر کئے۔ جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو فرمایا ہمارے پاس مسلمانوں کے بیت المال میں سے جو کچھ (بچا ہوا) ہے وہ واپس کر دو کیونکہ میں اس مال سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتا اور میں مسلمانوں کا جتنا مال استعمال کر چکا ہوں اس کے بدلہ میں میں نے اپنی فلاں علاقے والی زمین مسلمانوں (کے بیت المال) کو دے دی۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد وہ زمین اور ایک دودھ والی اونٹنی اور تلواروں کو تیز کرنے والا غلام اور ایک چادر جس کی قیمت پانچ درہم تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سب چیزیں دی گئیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ اپنے بعد والوں کو مشکل میں ڈال گئے (کہ ان کی طرح کون کر سکے گا کہ ساری زندگی اپنا سارا مال اور ساری جان اسلام پر لگائی اور جب مجبوری میں لینا پڑا تو کم سے کم لیا اور دنیا سے جاتے وقت وہ بھی واپس کر گئے)۔

حضرت ابوبکرؓ نے ۱۱ھ میں حضرت عمر بن خطاب کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ پھر رجب ۱۲ھ میں خود عمرے کے لئے تشریف لے گئے۔ چاشت کے وقت مکہ مکرمہ داخل ہوئے اور اپنے گھر تشریف لے گئے (حضرت ابوبکرؓ کے والد) حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس کچھ نوجوان بیٹھے ہوئے تھے جن سے وہ باتیں کر رہے تھے کسی نے ان کو بتایا کہ یہ آپ کے بیٹے آگئے ہیں تو وہ کھڑے ہو گئے

لیکن حضرت ابوبکرؓ اونٹنی بٹھائے بغیر جلدی سے اونٹنی سے نیچے اُتر گئے اور کہنے لگے اے ابا جان! آپ کھڑے نہ ہوں۔ پھر ان سے مل کر ان سے چمٹ گئے اور ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور بڑے میاں یعنی حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنے کی خوشی میں رو پڑے۔ مکہ کے ذمہ دار اور سردار حضرات و حضرت عتاب بن اسید، حضرت سہیل بن عمرو، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل، حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ ملنے آئے اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور یوں کہا سَلَامٌ عَلَیْکَ اے خلیفۂ رسول اللہ اور سب نے ان سے مصافحہ کیا۔ پھر جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع کیا تو حضرت ابوبکرؓ رونے لگے۔ پھر ان سب نے حضرت ابوقحافہؓ کو سلام کیا۔

حضرت ابوقحافہؓ نے (حضرت ابوبکرؓ کا نام لے کر) کہا اے عتیق! یہ لوگ مکہ کے سردار ہیں۔ ان کے ساتھ حُسنِ سلوک سے رہنا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے ابا جان! اللہ کی مدد سے ہی انسان نیکی کر سکتا ہے اور برائی سے بچ سکتا ہے اور مجھ پر (خلافت کے) بہت بڑے کام کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے جسے ادا کرنے کی مجھ میں بالکل طاقت نہیں ہے۔ ہاں اللہ مدد فرمائے تو پھر یہ ذمہ داری ادا ہو سکتی ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ گھر گئے اور غسل کیا اور باہر آئے۔ آپ کے ساتھی آپ کے پیچھے چلنے لگے۔ آپ نے ان کو ہٹا دیا اور فرمایا آرام سے چلو (میرے پیچھے بھیڑ کرنے کی ضرورت نہیں ہے) راستہ میں لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملتے ان کے ساتھ چلتے اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کرتے اور حضرت ابوبکرؓ روتے جا رہے تھے یہاں تک کہ بیت اللہ تک پہنچ گئے۔ پھر آپ نے طواف کے لئے اضطباع کیا (یعنی دائیں کندھے کے نیچے سے اِحرام کی چادر نکال کر اس کے دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال دیئے) پھر حجر اسود کا بوسہ لے کر سات چکر لگائے پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنے گھر واپس آ گئے۔

جب ظہر کا وقت ہوا تو گھر سے باہر آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا پھر دار الندوہ کے قریب بیٹھ گئے اور فرمایا کوئی آدمی ایسا ہے جو کسی ظلم کی شکایت لایا ہو یا کسی حق کا مُطالبہ کر رہا ہو؟ اس پر کوئی نہ آیا تو لوگوں نے اپنے امیر (حضرت عتّاب بن اَسِید) کی تعریف کی۔

پھر عصر کی نماز پڑھائی اور بیٹھ گئے۔ پھر لوگوں نے ان کو رخصت کیا اور یہ مدینہ منورہ کو واپس ہو گئے۔ ۱۲ھ میں لوگوں کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود حج کیا اور صرف حج کا احرام باندھا جسے اِفراد کہا جاتا ہے اور مدینہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا۔

آنحضرت ﷺ کی اہلِ ایمان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نصیحت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اپنے ملنے والوں کو یہ تھی کہ آئندہ مجھے نہ پاؤ تو تم ابوبکر کے پاس آنا (وہ میری نیابت میں تمہاری بات سنیں گے) ایک عورت آپ کے پاس ایک معاملہ لے کر آئی، آپ ﷺ نے فرمایا:

ان لم تجدینی فاتی ابابکر...... (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۶)

''تو آئے اور مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی آنا۔''

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ میری نیابت اور خلافت ابوبکر کے پاس آئے گی اور اللہ اور مسلمان انہی کو میرا جانشین چنیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳)

حبشی بن جنادہ کہتے ہیں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اس نے کہا کہ حضور ﷺ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے تین دفعہ ہاتھ بھر کر کھجوریں دے گے مگر آپ کی وفات ہو گئی۔ اس نے یہ صورتِ حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی کہ اب اس وعدے کو کون پورا کرے گا؟ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

''اے ابا الحسن! یہ شخص کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے تین مشت کھجوروں کا وعدہ فرمایا تھا، آپ اسے تین دفعہ دونوں ہاتھ بھر کر کھجوریں دیں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوبکر صدیق کی پیش کردہ کھجوروں سے اسے تین دفعہ ہاتھ بھر کر کھجوریں دیں، جب آپ تعمیلِ حکم کر چکے تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اب ان کھجوروں کو جو آپ نے اسے دی ہیں شمار کریں، ہر بار کھجوریں ساٹھ عدد نکلیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا:

''حضور ﷺ نے سچ فرمایا، میں نے آپ کو ہجرت کی رات جبکہ ہم مکہ سے مدینہ کی طرف جا رہے تھے کہتے سنا ہے، اے ابوبکر میری اور علی کی ہتھیلی کے پیمانے برابر ہیں''۔ (کتاب الامالی جلد ۱ ص ۶۷)

غور کیجئے اس خلافت میں کس طرح یہ دونوں حضرات آپس میں شیر و شکر تھے، حضرت صدیق اکبر ﷛ کس طرح حضور ﷺ کے کیے گئے وعدوں کو پورا کرنے کے پابند تھے اور کس طرح لوگ آپ کو جانشینِ رسول سمجھ کر آپ کے پاس آتے تھے اور آپ بھی کس فرطِ عقیدت سے حضور ﷺ کی طرف سے لی گئی ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے تھے حضرت علی ﷛ کی مٹھی سے دلوانا بتلاتا ہے کہ آپ کس طرح قدم قدم پر آپ سے موافق ہونے کی تمنا رکھتے آپ نے اس شخص کو اتنی ہی کھجوریں دیں کہ اگر حضور ﷺ خود بھی دیتے تو گنتی یہی ہوتی غور کیجئے آپ نے کس طرح حضور ﷺ کی مٹھی کا پیمانہ بھی اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر چلنے میں آپ کس طرح حضور ﷺ سے وفاداری کی لذت محسوس کرتے تھے۔

خلافتِ صدیقی میں حضرت علی ﷛ کی مالی امداد

الحمدللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے وہ بادل چھٹ گئے جو انتشار پسندوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ابھار رکھے ہیں اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حضرت علی کی یہ بیعت دل سے تھی منافقانہ نہ تھی، اس کی تائید ان واقعات سے ہوتی ہے جن میں حضرت علی ﷛ کا خلیفۂ اول سے مالی امداد قبول کرنا، آستانۂ خلافت پر دلی حاضری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کا گزارہ الاؤنس فدک کی آمدنی سے آتا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں فدک کی وہی آئینی پوزیشن قائم رکھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی کہ اس کی آمدنی حضرت سیدہ کے ہاں پہنچتی رہے یہ اس لئے کہ آپ (حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ) حضور کے اختیار کردہ طریقے سے سرِ مو تجاوز نہ کرنا چاہتے تھے، حضرت علی اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فدک کی مالی امداد کو قبول کرنا بتلاتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عن ہ کے مابین ہرگز کوئی مناقشہ یا ناراضگی نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں اپنی مالی پالیسی کی اس طرح وضاحت فرمائی:

انما یاکل ال محمد فی هذا المال الی واللہ لا اغیر شیئا من صدقة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من حالها التی کانت علیه فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولا عملن فی ذالک بما عمل فیها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ (طحاوی شریف جلد ا ص ۲۹۸ باب الصدقه علی بنی هاشم)

"بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اسی سے اپنی خوراک پائے گی بخدا میں صدقاتِ رسول کو اس حال سے جس میں وہ حضور ﷺ کے وقت میں تھے کسی چیز کو اس کے مقام سے نہ بدلوں گا اور اس میں میرا عمل وہی رہے گا جو ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔"

صحیح بخاری کے الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے:

انما یاکل ال محمد فی هذا المال واللہ لقرابة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم احب الی ان اصل من قرابتی.

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۶)

"بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اسی سے کھائے گی بخدا مجھے حضور ﷺ کے اقرباء اپنے اقرباء سے زیادہ عزیز ہیں کہ میں انہیں اپنے سے ملا رکھوں۔"

خیال کیجئے، آپ نے یہ الفاظ محض سطحی طور پر نہیں کہے، قسم کھا کر کہے ہیں، فرماتے ہیں:

والذی نفسی بیدہ لقرابة رسول اللہ صلی اللہ غلیه وسلم

احب الیّ ان اصل من قرابتی. (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۶)

خلافت صدیقی میں اقرباءِ رسول کے منصرم امور کون تھے

یہ بات اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا مال خمس میں حصہ ہوتا تھا، حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں بنی ہاشم میں سے تھے اور دونوں اقرباء رسول میں سے تھے، ان دونوں کے اپنے اپنے گھر تھے اور دونوں کی اپنی اپنی اولاد تھی، زید بن حارثہؓ کو بھی حضورﷺ نے بیٹا بنا رکھا تھا۔

اصولاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے سب سے زیادہ قریبی تھے لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو سب اقرباء رسول میں مقدم سمجھتے تھے۔ اور حضور کے ان قرابتداروں کو جو خمس ملتا وہ آپ ہی حضور کے جملہ اقرباء میں تقسیم فرماتے اور یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کی اس حیثیت کو باقی رکھا اور آپ ہی عہد صدیقی میں خمس اقرباء رسول میں تقسیم کرتے تھے۔

حضرت علیؓ نے یہ عہدہ حضورﷺ سے مانگ کر لیا تھا

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہا، حضور اس مال خمس پر آپ مجھے متولی بنا دیں آپ کے سامنے ہی میں اسے بنو ہاشم میں تقسیم کرنے لگ جاؤں آپ کے بعد کوئی مجھ سے اس کے بارے میں اختلاف نہ کرسکے گا۔ یہ معاملہ چونکہ بنو ہاشم کا اپنا اندرونی معاملہ تھا حضورﷺ نے اسے منظور فرمالیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی خمس تقسیم کرنے لگے۔ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

فقسمتہ فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ولّانیہ ابوبکر رضی اللہ عنہ فقسمتہ فی حیاتہ ثم ولّانیہ عمرؓ فقسمتہ فی

حیاتہ. (کتاب الخراج ص ۲۰ مسند احمد ص ۸۵)

''سو میں ہی اسے حضور ﷺ کے عہد میں تقسیم کرتا رہا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ان اموالِ خمس کا متولی بنایا اور میں ہی انہیں آپ کی حیات میں تقسیم کرتا رہا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ان اموال کا والی رکھا اور آپ کے عہد میں بھی میں ہی انہیں تقسیم کرتا رہا۔''

ہمیں افسوس ہے کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ان اموال کی تقسیم اور مصارف میں آپس میں اُلجھ پڑے اور ان میں سنگین اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی ان میں دخل دینا پسند نہ کیا، آپ یہی چاہتے تھے کہ آپ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے سرِ مو انحراف نہ ہونے پائے۔ یہ اختلاف چلتے رہے یہاں تک کہ حضرت علی حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا حق چھوڑ دیا، پھر یہ اموال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان میں رہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان سے کنارہ کش ہو گئے اور یہ سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ لگے، آپ کے بعد یہ حضرت حسن کے ہاتھ میں رہے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور ان کے بعد حضرت زین العابدین اور حضرت حسن کے بیٹے حسن (مثنیٰ) دونوں کی مشترکہ تولیت میں رہے اور یہ دونوں انہیں وصول کرتے رہے۔''

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۶ مسند ابی عوانہ ج ۴ ص ۱۴۰ السنن کبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۲۹۹)

شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید بھی لکھتا ہے:

''حضرت علی حضرت عباس پر غالب آ گئے اور پھر یہ اموال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہے پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں۔''

ان مباحث سے یہ بات بالکل کھل جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان

حضرات اہل بیت کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی تھی، اموال خمس برابر ان کی تولیت میں دیئے جاتے رہتے اور یہ حضرات بھی بکمال رضاء ورغبت انہیں وصول کرتے رہے، ان حضرات میں کچھ بھی کشیدگی ہوتی یا کسی طرف غصب خلافت یا غصبِ فدک کی گرانی ہوتی تو صورتِ حال اور باہمی معاملات اس طریق پر قائم اور جاری نہ رہتے حضرت زین العابدینؒ کے بیٹے حضرت زیدؒ کہتے ہیں:

اما انا فلو کنت مکان ابی بکر لحکمت بمثل ما حکم به ابوبکر فی فدک. (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۹۰ سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۲)

''میں بھی اگر حضرت ابوبکر ﷺ کی جگہ ہوتا تو فدک کے بارے میں وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکر نے کیا تھا''۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرات اہل بیت باغ فدک کی آمدنی برابر وصول کرتے رہے اور صحابہ کرامؓ نے فدک اپنے کسی حق میں ہرگز نہ روک رکھا تھا زمین کی قیمت اس کی آمدنی کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہی زمین کی اصل دولت ہے۔

جب فدک کی آمدنی حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد پر صَرف ہوتی رہی تو یہ بات کتنی بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے غصب فدک کیا یا یہ کہ وہ ان سے ناراض رہیں۔ معترضین یہ نہیں سوچتے کہ اگر فدک آپ سے چھن گیا تھا تو پھر حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد کا گزر اوقات آخر کس تنخواہ سے ہوتا رہا ہے۔

آپ ﷺ کا نظم وضبط اور عدل وانصاف

مرتدین کی سرکوبی سے فراغت کے بعد جب اسلامی فوجوں نے ایران وروم کی عظیم الشان وباجبروت سلطنتوں کی طرف توجہ منعطف کی اور عراق وشام کے میدانوں میں معرکے سر ہونے لگے تو ابوبکر ﷺ کی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ اپنے فرائض کی بجا آوری میں انہیں اس درجہ انہماک تھا کہ مملکت کے علاوہ دیگر تمام امور

ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو بھی فراموش کر کے اپنے آرام وآسائش اور صحت تک کو اس راہ میں قربان کر دیا۔

ابوبکر ؓ کی اختیار کردہ سیاست کامیابی اور ظفر مندی کی ضامن تھی۔ ان کا عہد جہاں عدل وانصاف اور رعایا پر رحمت وشفقت کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا، وہاں اس اولوالعزمی کا بھی جواب نہیں جس کا نمونہ انہوں نے اپنے مختصر سے عہد خلافت میں پیش کیا۔ انہوں نے انتہائی شجاعت سے سارے عرب کو اسلامی حکومت کا مطیع وفرماں بردار بنا دیا لیکن قبائل کو ان کے جائز حقوق دینے سے کبھی پہلوتہی نہ کی بلکہ جو آزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرما رکھی تھی، اسی آزادی سے انہوں نے بھی انہیں بہرہ ور کئے رکھا اور سوا زکوٰۃ کے، جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ادا کیا کرتے تھے، ان سے اور کسی چیز کی ادائیگی کا مطالبہ نہ کیا۔ اس زکوٰۃ کا بھی بیشتر حصہ انہی قبائل کے فقراء اور مساکین پر خرچ ہو جاتا تھا۔

سلطنت کو خراج اور مال غنیمت کے ذریعے سے جو آمدنی ہوتی تھی، ابوبکر اس میں سے ایک درہم بھی اپنی ذات پر خرچ کرنا حرام سمجھتے تھے۔ وہ سلطنت کے خزانے سے صرف اتنی رقم لیتے تھے جتنی مسلمانوں نے ان کے لئے گزارے کے طور پر مقرر کر رکھی تھی۔ آمدنی کا بیشتر حصہ جنگوں کی تیاری میں خرچ ہوتا تھا اور بقیہ فقراء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابتدائی عہد خلافت میں بیت المال سخ میں تھا جہاں ابوبکر ؓ قیام پذیر تھے، لیکن بعد میں جب کام کی زیادتی کے باعث انہیں اپنا قیام مدینہ میں منتقل کرنا پڑا تو بیت المال کو بھی اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔

جب ایران سے بھاری مقدار میں مال غنیمت آنا شروع ہوا تو ان سے عرض کیا گیا کہ بیت المال کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسی شخص کو مقرر کر دیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ جتنا مال ان کے پاس آتا تھا وہ اسے اسی وقت لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور بیت المال میں اتنا بچتا نہ تھا کہ اس کی حفاظت کے لئے نگران کی ضرورت پڑتی۔ ایک مرتبہ ان کے عہد خلافت میں مدینہ کے قریب قبیلہ بنوسلیم میں سونے کی ایک

کان دریافت ہوئی۔ سونا بڑی قیمتی دھات ہے لیکن انہوں نے حسب معمول کان سے حاصل ہونیوالا سونا بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور کچھ بچا کر نہ رکھا۔

تقسیم اموال میں مساوات

تقسیم اموال میں وہ مساوات کا اصول ملحوظ رکھتے تھے اور ابتدائی دور کے مسلمانوں اور بعد میں اسلام قبول کرنے والوں، آزاد لوگوں اور غلاموں، مردوں اور عورتوں میں کسی قسم کا فرق روا نہ رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ وہ لوگوں کے وظائف ان کے مرتبے کے مطابق کیوں مقرر نہیں کرتے لیکن انہوں نے یہ جواب دے کر انہیں خاموش کر دیا کہ جو لوگ ابتداء میں اسلام لائے وہ اپنا اجر آخرت میں اللہ سے پائیں گے، دنیا میں انہیں وہی کچھ ملے گا جو دوسرے مسلمانوں کو ملتا ہے۔

عدل وانصاف اور مساوات کے اس سلوک نے تمام لوگوں کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گرویدہ کر دیا تھا اور ہر شخص کے دل میں ان کی تعظیم وتکریم کے جذبات پنہاں تھے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ولی، رفیق اور سب سے زیادہ قابل اعتماد مشیر تھے۔ عثمان، علی، طلحہ اور زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کا بھی اپنی اپنی جگہ ان سے خصوصی تعلق تھا۔ ان لوگوں سے مشورہ لئے بغیر وہ کوئی کام نہ کرتے تھے لیکن اس قدر احتیاط کے باوجود ان کے مشوروں کو قبول کرنا ان کے لئے لازم نہ تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کی خاطر مشورے کے بہانے وہ کسی کام کی ذمہ داری دوسروں پر نہ ڈالتے تھے بلکہ ہر قسم کی ذمہ داری خود اٹھاتے تھے۔ اس کی متعدد مثالیں ان کے عہد میں نظر آتی ہیں۔

چنانچہ جب اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنے کا مسئلہ درپیش تھا تو ان کے تمام مشیروں کی رائے تھی کہ یہ وقت اس کام کے لئے موزوں نہیں کیونکہ مدینہ کے چاروں طرف مرتدین کا زور ہے اور اسامہ کے لشکر کی روانگی کے باعث مدینہ میں لڑنے والوں کی تعداد بے حد کم رہ جائے گی لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کے مشوروں کو رد کرتے ہوئے اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ ہونے کا حکم دیا اور مرتدین سے اس طرح مقابلہ کیا کہ ان کے تمام مشیروں

کو ان کی فراست، عقل مندی اور کمال دوراندیشی کا اعتراف کرنا پڑا۔ بعدازاں جب مالک بن نویرہ کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا زور لگایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیں اور ایک مسلمان کو قتل کرنے کے جرم میں انہیں سزا دیں لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہر بار ان کی درخواست کو رد کر دیا اور بعد میں دنیا نے دیکھ لیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کتنی صائب اور دوراندیشی پر مبنی تھی۔

کام کا بوجھ ان پر جتنا پڑتا جاتا تھا، ان کی طبیعت میں اتنا ہی انکسار، فروتنی اور سادگی آتی جاتی تھی۔ جب تک آپ سخ میں رہے، آرام کے لئے بھی کچھ نہ کچھ وقت نکال لیا کرتے تھے۔ عموماً وہ صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر سخ سے مدینہ آیا کرتے تھے اور نماز پڑھا کر امور سلطنت میں معروف ہو جاتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی آرام بھی کرتے تھے۔ اور ان کی جگہ عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے۔ جمعے کے روز وہ دوپہر تک وہاں ہی رہتے تھے اور سر اور ڈاڑھی کو خضاب لگاتے تھے۔ اس کے بعد مدینہ آ کر جمعے کی نماز پڑھاتے تھے۔ لیکن کام بڑھ جانے کے باعث جب انہیں سخ کا قیام ترک کر کے مدینہ میں رہنا پڑا تو انہوں نے آرام کا سارا وقت مسلمانوں کی خاطر قربان کر دیا اور لحہ لحہ سلطنت کے امور کی دیکھ بھال میں صَرف کرنے لگے۔ لیکن کام کی انتہائی کثرت کے باوجود انہوں نے اپنے لئے بھی کوئی خادم مقرر نہ کیا۔ دن کا بڑا حصہ وہ مسجد میں تشریف فرما رہتے اور لوگوں کی شکایات سنتے۔ جہاد کے متعلق مختلف ہدایات بھیجتے اور لوگوں کو مشورے دیتے رہتے تھے۔ جب ضروری ہوتا تو ان سے مشورے لیتے بھی تھے۔ سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے معاملات مسجد ہی میں ان کے سامنے پیش کئے جاتے تھے اور وہیں بیٹھے بیٹھے آپ ان کے متعلق احکام صادر فرما دیتے تھے۔

غریبوں اور مسکینوں پر مہربانی و شفقت

غریبوں اور مسکینوں پر بے حد مہربان تھے۔ سردیوں میں کمبل خریدتے اور انہیں محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر فقراء اور حاجت مندوں کی

حاجت روائی کرتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب ذکر کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک بوڑھی اندھی عورت رہتی تھی۔ میں روزانہ علی الصباح اس کی خبر گیری کے لئے جایا کرتا تھا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہتی جب وہاں جا کر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص پہلے ہی سے آ کر اس بڑھیا کا سارا کام کاج کر گیا ہے۔ آخر ایک روز میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اس شخص کا پتا لگا کے ہی رہوں گا۔ ابھی رات باقی تھی کہ میں بڑھیا کی جھونپڑی کے قریب چھپ کر بیٹھ رہا اور اس شخص کا پتا لگا کے ہی رہوں گا۔ ابھی رات باقی تھی کہ میں بڑھیا کی جھونپڑی کے قریب چھپ کر بیٹھ رہا اور اس شخص کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے آ رہے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہی میں نے دل میں کہا "ابوبکر رضی اللہ عنہ! یقیناً یہ کام تمہارے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔" چنانچہ انہوں نے آ کر اس اندھی عورت کا کام کاج کیا اور واپس چلے گئے۔

یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات ان کے تمام اعمال کے لئے نمونہ تھی۔ عرب کی آتش فشاں سرزمین میں، جہاں ہر طرف بغاوت اور ارتداد کے شعلے بھڑک رہے تھے، مایوس دلوں کے لئے ان کی ذات اس مشعل کی مانند تھی جو اندھیری رات اور تنگ وتاریک مکان میں ضیا افروز ہو اور تاریکی کو روشنی میں تبدیل کر رہی ہو۔ سارا عرب ان کے عدل وانصاف، رحمت وشفقت، حکمت اور حسن سیاست سے بہرہ اندوز ہو رہا تھا اور یہی خصوصیات ان کی کامیابی کا اصل باعث تھیں۔

جہاد اور غنیمت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کامل یقین تھا کہ اللہ انہیں ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے گا۔ اللہ نے اپنے رسول سے دین کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ خواہ زمین وآسمان مل جاتے لیکن خدائی باتوں کا ٹلنا ناممکن تھا۔ چنانچہ اس کے وعدے پورے ہوئے۔ مرتدین کی جنگوں میں مسلمانوں کو شاندار کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ عراق کے میدان ہائے جنگ میں فتح ونصرت ان کے قدم چوم رہی تھی اور مسلمان ہردم تائید ایزدی سے بہرہ یاب ہو رہے تھے۔ کوئی جنگ

ایسی نہ ہوتی تھی جس میں کثیر مال غنیمت ہاتھ نہ آتا ہو۔ دربار خلافت میں مال غنیمت کا صرف پانچواں حصہ جاتا تھا باقی میدان جنگ ہی میں لشکر کے درمیان تقسیم ہو جاتا تھا اور ہر سپاہی کے حصے میں ہزاروں درہم آتے تھے۔ جنگوں میں پیچھے رہنے والے لوگ جب یہ دیکھتے تھے تو ان کے دلوں میں بھی لڑائیوں میں شرکت کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا اور جونہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے جہاد میں شمولیت کا اعلان ہوتا تو فوراً ہی قبائل عرب دیوانہ وار آگے بڑھ کر ان کی دعوت پر لبیک کہتے تھے۔

- لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف مال غنیمت کا لالچ عربوں کشاں کشاں میدان میں ہائے کارزار کی طرف لے جاتا تھا بلکہ جنگوں میں شامل ہونے کا بڑا سبب وہ جذبہ شہادت تھا جو ہر مسلمان کے دل میں موجزن رہتا تھا۔ کون شخص اس بات سے بے خبر تھا کہ مجاہدین اور ان کے دشمن کی قوت وطاقت اور تعداد میں کوئی نسبت ہی نہ تھی۔

دشمن ہمیشہ بہترین جنگی تیاریوں اور جرار لشکروں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل میدان جنگ میں آیا اور اپنی شان وشوکت کا مظاہرہ کرنے میں کبھی کسی قسم کی کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ ان حالات میں شریک، جنگ ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن نڈر اور بے خوف مجاہدین نے اللہ کے راستے میں کسی بھی خطرے کی پروانہ کی اور ہمیشہ دشمن کی صفوں میں دورانہ گھستے چلے گئے۔ حصول شہادت کا یہی جذبہ دیکھ کر خالد رضی اللہ عنہ بن ولید ایرانی سرداروں کو یہ پیغام بھجوایا کرتے تھے کہ "میں تمہارے پاس ایک ایسی قوم کو لا رہا ہوں جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنے تم زندگی کے۔"

یہ قانون قدرت ہے کہ جو قوم موت سے بے خوف ہوتی ہے، اقوام عالم میں اسی کو زندہ رہنے کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور جو لوگ اپنی خواہشات اللہ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں، قوموں کی سرداری کا تاج انہیں کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے لیے موت پسند کی جس پر انہیں ہمیشہ کے لئے زندگی عطا کی گئی۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں ہر قسم کی تکالیف اور مصائب برداشت کیے، اس لئے انہیں دونوں جہاں کی عزت سے سرفراز کیا گیا۔ پھر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مال غنیمت کا شوق بھی کسی حد تک

انہیں میدان جنگ میں لے جانے کا باعث بنا۔ عرب قبائل کی فطرت میں یہ بات داخل تھی کہ وہ غنیمت کو دیکھ کر کسی طرح صبر نہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ اسلام نے آکر اس نفسانی جذبے کو بڑی حد تک مٹا دیا تھا اور غنیمت کے لالچ میں دشمن سے جنگ کرنے کی بجائے اللہ کے دین کی خاطر جہاد میں شرکت کرنے کی تمنا ان کے دلوں میں پیدا کر دی تھی لیکن قدرتی جذبے کو یکسر مٹانا آسان نہ تھا۔ کسی نہ کسی حد تک یہ جذبہ ان کے دلوں میں موجود تھا۔

چنانچہ خود خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے الیس کی جنگ کے اختتام پر کہا تھا کہ عراق میں مال و دولت کی فراوانی اور مال غنیمت کی کثرت، جو عربوں کے خواب و خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی، آتش جنگ بھڑکا دینے کے لئے یقیناً کافی تھی۔

مرتد قبائل جنہیں ارتداد کی سزا میں عراق کی جنگوں میں شرکت سے بہ زور منع کر دیا گیا تھا، اپنے بھائیوں کے گھروں میں دولت کی ریل پیل دیکھ کر اپنے کیے پر پچھتا رہے تھے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جو لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے تھے، وہ نہ صرف کامیابی و کامرانی سے ہمکنار بلکہ مال و دولت سے بھی بہرہ ور ہو رہے تھے مگر مرتدین کے حصے میں حسرت و مایوسی کے سوا کچھ نہ تھا۔

ساری آمدنی فوری تقسیم

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المال (مدینہ کے محلہ) سنح میں تھا جو کہ لوگوں میں مشہور و معروف تھا اور کوئی آدمی اس کا پہرہ نہیں دیا کرتا تھا تو ان سے عرض کیا گیا اے خلیفہ رسول اللہ! کیا آپ بیت المال کے پہرے کے لئے کسی کو مقرر نہیں فرماتے؟ انہوں نے فرمایا بیت المال کے بارے میں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے اس لئے پہرہ دار مقرر کرنے کی ضرورت نہیں میں نے کہا کیوں؟ انہوں نے فرمایا اسے تالا لگا ہوا ہے ان کا معمول یہ تھا کہ جو کچھ اس بیت المال میں آتا وہ سارا لوگوں کو دے دیتے یہاں تک کہ بیت المال میں کچھ نہ بچتا۔

پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سنح محلہ سے مدینہ منورہ منتقل ہو گئے تو انہوں نے اس گھر میں اپنا بیت المال بھی منتقل کر لیا جس میں وہ رہا کرتے تھے۔ ان کے پاس قبیلہ

وادیوں کی کانوں سے اور قبیلہ جہینہ کی کانوں سے بہت مال آیا کرتا تھا اور ان کے زمانہ خلافت میں قبیلہ بنو سلیم کی کان بھی کھل گئی تھی وہاں سے بھی زکوٰۃ کا مال آنے لگا تھا یہ سب کچھ بیت المال میں رکھا جاتا تھا اور حضرت ابوبکرؓ سونے چاندی کے ٹکڑے کروا کر لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے ہر سو آدمیوں کو ایک مقدار دیا کرتے تھے (جسے وہ آپس میں تقسیم کر لیتے) تمام لوگوں میں مال برابر تقسیم فرماتے آزاد، غلام، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو برابر ملا کرتا تھا اور بعض دفعہ اس مال سے اونٹ، گھوڑے اور ہتھیار خرید کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کو دے دیا کرتے۔

ایک سال گرم اُونی چادریں خریدی تھیں جو دیہات سے لائی گئی تھیں اور سردی کے موسم میں مدینہ کی بیوہ عورتوں میں انہوں نے یہ چادریں تقسیم کی تھیں حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا اور وہ دفن ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ کے مقرر کردہ بیت المال کے نگرانوں کو بلایا اور ان کو لے کر حضرت ابوبکرؓ کے بیت المال میں گئے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات بھی تھے ان حضرات نے جا کر بیت المال کو کھولا تو اس میں نہ کوئی دینار ملا اور نہ کوئی درہم البتہ مال رکھنے کا ایک موٹا کھردرا کپڑا ملا اسے جھاڑا تو اس میں سے ایک درہم ملا یہ دیکھ کر ان حضرات نے حضرت ابوبکرؓ کے لئے یہ دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے اور مدینہ منورہ میں درہم و دینار تولنے والا ایک آدمی تھا جو حضورﷺ کے زمانے میں تولنے کا کام کیا کرتا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس جو مال آتا تھا وہ اسے بھی تولتا تھا اس سے پوچھا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جو مال آیا اس کی کل مقدار کتنی ہوگی؟ اس نے کہا دو لاکھ۔

(بحوالہ کنز العمال الصحابہ حصہ دوم صفحہ ۲۸۰)

دنیا میں سب کا حصہ برابر

حضرت اسماعیل بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ مال لوگوں میں تقسیم کیا اور سب کو برابر حصہ دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے خلیفہ رسول اللہ آپ اہل بدر اور دوسرے لوگوں کو برابر رکھ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا دنیا

تو گذارنے کی چیز ہے اور بہترین گذارے کی چیز وہ ہے جو درمیانی درجہ کی ہو (لہٰذا اس دنیا میں تو میں نے سب کو برابر رکھا ہے) اور اہل بدر کو دوسرے لوگوں پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا اثر اجر و ثواب میں ظاہر ہوگا (کہ آخرت میں ان کا اجر و ثواب برابر نہیں ہوگا بلکہ اہل بدر کا اجر و ثواب دوسروں سے زیادہ ہوگا۔

حضرت ابن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ (سب میں مال برابر تقسیم نہ کریں بلکہ مال کی تقسیم میں درجات مقرر کریں (اور جس کے دینی فضائل جتنے زیادہ ہوں اس کو اتنا زیادہ مال دیں اس پر انہوں نے فرمایا لوگوں کے دینی فضائل کا بدلہ تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) عطا فرمائیں گے دنیاوی ضروریات میں سب کے درمیان برابری کرنا ہی بہتر ہے۔

(بحوالہ کنز العمال ج ۲ صفحہ ۳۰۶)

حضرت اسلمؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے لوگوں میں مال برابر تقسیم کیا تو ان بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ! اگر آپ حضرات مہاجرین اور انصار کو دوسروں پر فضیلت دیں (اور ان کو دوسروں سے زیادہ دیں) تو یہ زیادہ اچھا ہوگا انہوں نے فرمایا تم لوگ چاہتے ہو کہ مال زیادہ دے کر ان کے دینی فضائل ان سے خریدلوں (یہ ہرگز مناسب نہیں ہے) مال کی تقسیم میں ان سب کو برابر رکھنا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے بہتر ہے۔ حضرت غفرہ رحمۃ اللہ علیہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عمر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلی مرتبہ مال تقسیم کرنے لگے تو ان سے حضرت عمر بن خطاب نے کہا کہ حضرات مہاجرین اولین اور اسلام میں سبقت رکھنے والوں کو زیادہ دیں تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں ان سے ان کے اسلام میں پہل کرنے کی نیکی کو (دنیا کے بدلے میں) خریدلوں؟ (نہیں ایسے نہیں ہوسکتا) چنانچہ انہوں نے مال تقسیم کیا اور سب کو برابر دیا۔

حضور ﷺ کے وعدوں کی تکمیل

حضرت غفرہ رحمۃ اللہ علیہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

جب حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا تو بحرین سے مال آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ جس آدمی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ قرضہ ہو یا حضور ﷺ نے اسے کچھ دینے کا وعدہ فرمایا ہو وہ کھڑا ہو کر لے لے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میرے پاس بحرین سے مال آئے گا تو میں تمہیں تین مرتبہ اتنا دوں گا اور دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر اشارہ فرمایا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا اُٹھو اور خود اپنے ہاتھ سے لے لو۔

چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ لپ بھر کر لیا اسے گنا گیا تو وہ پانچ سو درہم تھے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ انہیں مزید ایک ہزار گن کر دے دو (تا کہ تین لپیں ہو جائیں) اس کے بعد لوگوں میں دس دس درہم تقسیم کئے اور فرمایا یہ تو وہ وعدے پورے ہو رہے ہیں جو حضور ﷺ نے لوگوں سے کئے تھے اگلے سال اس سے بھی زیادہ مال آیا تو لوگوں میں بیس بیس درہم تقسیم کئے اور پھر بھی کچھ بچ گیا تو غلاموں میں پانچ پانچ درہم تقسیم کئے اور فرمایا یہ تمہارے غلام تمہاری خدمت کرتے ہیں تمہارے کام کرتے ہیں اس لئے ہم نے ان کو بھی کچھ دے دیا ہے اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ آپ حضرات مہاجرین وانصار کو دوسروں سے زیادہ دیں تو یہ زیادہ بہتر ہو گا کیونکہ یہ پرانے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان حضرات کا خاص مقام تھا حضرت ابوبکرؓ نے کہا ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اس کا بدلہ تو اللہ تعالیٰ ہی ان کو دیں گے یہ مال ومتاع تو بس گزارے کی چیز ہے اسے برابر تقسیم کرنا کم زیادہ دینے سے بہتر ہے آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسی اصول پر عمل فرمایا۔

زمین کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا اے خلیفہ رسول اللہ! ہمارے علاقہ میں ایک شوریلی زمین ہے اس میں نہ گھاس اُگتی ہے اور نہ اس سے کوئی اور فائدہ حاصل ہوتا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو وہ ہمیں بطور جاگیر دے دیں تا کہ ہم اس میں ہل چلائیں اور اسے کاشت کریں شاید وہ آباد ہو جائے چنانچہ آپ نے وہ زمین ان کو بطور جاگیر دینے کا ارادہ کر لیا اور

ان کے لئے ایک تحریر لکھی اور یہ طے کیا کہ حضرت عمرؓ اس فیصلہ پر گواہ بنیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ وہاں موجود نہیں تھے وہ دونوں تحریر لے کر حضرت عمرؓ کو اس پر گواہ بنانے کے لئے ان کے پاس گئے۔ جب حضرت عمرؓ نے اس تحریر کا مضمون سنا تو ان دونوں کے ہاتھ سے تحریر لی اور اس پر تھوک کر اسے مٹادیا۔ اس پر ان دونوں کو غصہ آگیا اور دونوں نے حضرت عمرؓ کو بُرا بھلا کہا۔ حضرت عمرؓ نے کہا حضور ﷺ تم دونوں کی تالیف قلب فرمایا کرتے تھے (اور تالیف قلب کی وجہ سے تم دونوں کو زمین دی تھی) جبکہ اس وقت اسلام والے تھوڑے تھے اور آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے (اس تمہاری تالیف قلب کی کوئی ضرورت نہیں ہے) تم دونوں چلے جاؤ اور میرے خلاف جتنا زور لگا سکتے ہو لگا لو اور اگر تم لوگ اللہ سے حفاظت مانگو تو اللہ تمہاری حفاظت نہ کرے۔ یہ دونوں غصہ میں بھرے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے کہا اللہ کی قسم سمجھ نہیں آرہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا اگر وہ چاہتے تو خلیفہ بن سکتے تھے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی غصہ میں بھرے ہوئے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے آپ مجھے بتائیں کہ آپ نے یہ زمین جو ان آدمیوں کو بطور جاگیر دی ہے یہ آپ کی ملک ہے یا تمام مسلمانوں کی ہے؟

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا نہیں تمام مسلمانوں کی ہے؟

عمرؓ نے کہا تو پھر آپ نے سارے مسلمانوں کو چھوڑ کر صرف ان دو کو کیوں دے دی؟

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس جو مسلمان تھے میں نے ان سے مشورہ کیا تھا ان سب نے مجھے ایسا کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے کہا آپ نے اپنے پاس والوں سے تو مشورہ کیا لیکن کیا آپؓ نے تمام مسلمانوں سے مشورہ کر کے ان کی رضامندی حاصل کی ہے؟ (چونکہ یہ بات ظاہر تھی کہ اس امر میں سارے مسلمانوں سے مشورہ نہیں لیا جا سکتا اس وجہ سے حضرت ابوبکر نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم اس امر کو سنبھالنے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتے ہو لیکن تم مجھ پر غالب آگئے اور تم نے مجھے زبردستی خلیفہ بنا دیا۔

حضرت عطیہ بن بلال رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سہم بن منجاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے
کہ اقرع اور زبرقان دونوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ
بحرین کا خراج (محصول) ہمارے لئے مقرر فرمادیں ہم آپ کو اس بات کی ضمانت دیتے
ہیں کہ ساری قوم کا کوئی آدمی (دین اسلام سے) نہیں پھرے گا چنانچہ حضرت ابوبکر ایسا
کرنے پر تیار ہوگئے اور ان کے لئے ایک تحریر لکھی اور یہ معاملہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی
اللہ عنہ کی وساطت سے طے ہوا۔ ان حضرات نے چند گواہ بھی مقرر کئے جن میں حضرت عمرؓ
بھی تھے جب یہ تحریر حضرت عمر کے پاس آئی اور انہوں نے اسے دیکھا تو انہوں نے اس پر
گواہ بننے سے انکار کر دیا اور فرمایا نہیں اب کسی کے اکرام اور تالیف قلب کی ضرورت نہیں
ہے پھر اس تحریر کے لکھے ہوئے کو مٹا کر اسے پھاڑ دیا اس پر حضرت طلحہ کو بہت غصہ آیا اور
انہوں نے حضرت ابوبکر کے پاس آکر کہا آپ امیر ہیں یا عمر؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا امیر تو
حضرت عمر ہیں لیکن بات میری ماننی ضروری ہے۔ یہ سن کر حضرت طلحہ خاموش ہوگئے۔
(کنز العمال ج ۴ صفحہ ۳۹۰)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض
سے بصریٰ تشریف لے گئے ان کے ساتھ حضرت نعیمان اور حضرت سویبط بن حرر رضی اللہ عنہما
بدری صحابی بھی تھے حضرت سویبط کھانے کے سامان کے ذمہ دار تھے حضرت نعیمان نے ان
سے کہا مجھے کچھ کھانا کھلا دو۔ حضرت سویبط نے کہا حضرت ابوبکرؓ گئے ہوئے ہیں جب وہ
آجائیں گے تو کھلا دوں گا حضرت نعمان کی طبیعت میں ہنسی اور مزاح بہت زیادہ تھا وہاں
قریب میں کچھ لوگ اپنے جانور لے کر آئے ہوئے تھے حضرت نعیمان نے ان سے جا کر کہا
میرا ایک خوب چست اور طاقتور عربی غلام ہے تم لوگ اسے خرید لو ان لوگوں نے کہا بہت
اچھا حضرت نعیمان نے کہا بس اتنی بات ہے کہ وہ ذرا باتونی ہے اور شاید وہ یہ بھی کہے کہ میں
آزاد ہوں اگر تم اس کے اس کہنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دو گے تو پھر رہے۔ یہ سودا مت کرو
اور میرے غلام کو نہ بگاڑو۔ انہوں نے کہا نہیں ہم تو اسے خریدیں گے اور اسے نہیں چھوڑیں
گے چنانچہ ان لوگوں نے دس جوان اُونٹنیوں کے بدلے میں انہیں خرید لیا حضرت نعیمان دس
اونٹنیاں ہانکتے ہوئے آئے اور ان لوگوں کو بھی ساتھ لائے اور آکر لوگوں سے کہا یہ رہا تمہارا

وہ غلام اسے لے لو۔

جب وہ لوگ حضرت سویبط کو پکڑنے لگے تو حضرت سویبط نے کہا حضرت نعیمان غلط کہہ رہے ہیں میں تو آزاد آدمی ہوں ان لوگوں نے کہا انہوں نے تمہاری یہ بات ہمیں پہلے ہی بتا دی تھی چنانچہ وہ لوگ حضرت سویبط کے گلے میں رسی ڈال کر لے گئے اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ واپس آئے تو انہیں اس قصہ کا پتہ چلا تو وہ اور ان کے ساتھی ان خریدنے والوں کے پاس گئے اور ساری بات بتا کر ان کی اونٹنیاں انہیں واپس کیں اور حضرت سویبط کو واپس لے کر آئے پھر مدینہ واپس آکر ان حضرات نے حضور ﷺ کو یہ سارا واقعہ سنایا تو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ اس قصہ کو یاد کر کے سال بھر ہنستے رہے۔ (ان حضرات کے دل بالکل صاف ستھرے تھے اور حضرت سویبط کو پتا تھا کہ حضرت نعیمان کی طبیعت میں ہنسی مذاق بہت ہے اس لئے انہوں نے کچھ برا نہ سمجھا)

ذمی رعایا کے حقوق

عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیروؤں کو اسلامی ممالک محروسہ میں پناہ دی گئی تھی اور عہد ناموں کے ذریعہ سے ان کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے' حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا بلکہ اپنے مہر و دستخط سے پھر اس کی توثیق فرمائی۔ اسی طرح خود ان کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے وہاں کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ چنانچہ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اس کے یہ الفاظ تھے۔

لا یھدم لھم بیعة ولا کنیسة و لا قصر من قصور ھم التی کا نوا یتحصنون اذا نزل بھم عدو لھم ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا من اخراج الصلبان فی عیدھم.

"ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائیگا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس (اور گھنٹے بجانے) کی ممانعت نہ ہوگی، اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے نہ جائیں گے۔"

یہ معاہدہ نہایت طویل ہے' یہاں صرف وہی جملے نقل کیے گئے ہیں جن سے مسلمانوں کی غیر معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

خلیفہ اول کے عہد میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کیے گئے تھے۔ معاہدوں میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جائے گا نیز بیت المال اس کا کفیل ہوگا! کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے تعصبی در عایا پروری کی نظیر پیش کر سکتی ہے۔

اسلام کی طاقت کا سبب

حضرت ابوبکرؓ کی حکومت جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہ تھی بلکہ عرب سے بھی باہر نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی اور اسلامی سلطنت کا قیام عرب کے علاوہ عراق اور شام میں بھی عمل پذیر ہو چکا تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر عربی علاقوں میں اسلامی سلطنت کا قیام محض چند حملوں کا نتیجہ تھا جن میں اتفاق سے مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوگئی یا اس انقلاب نے' ان فتوحات کے لئے راستہ صاف کیا اور اس طرح مسلمانوں کو دنیا کے ایک وسیع خطے میں اسلامی سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کا موقع مل گیا؟

اسلام کی ابتدائی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے کسی شخص سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اسلامی افواج کی کامیابی کو وقتی اور اتفاقی قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ فتوحات واقعات و حوادث کے ایک لمبے سلسلے کی کڑی ہیں۔ اسلام نے دنیا میں آ کر جو انقلاب پیدا کیا' اس کا برپا ہونا لابدی تھا کیونکہ اسلامی تعلیمات ایک انقلاب پذیر قوت اپنے اندر رکھتی تھیں اور نا ممکن تھا کہ یہ قوت اپنا اثر دکھائے بغیر رہتی۔

اسلام کو طاقت و قوت بخشنے والے عوامل میں عقیدے کی حریت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اسلام آزادی ضمیر کا سب سے بڑا علم بردار ہے اور دین کے معاملے میں کسی شخص پر جبر کا روادار نہیں۔ گو اس کی دعوت ساری دنیا کے لئے عام ہے لیکن وہ کسی شخص کو اپنا عقیدہ

بدلنے پر مجبور نہیں کرتا۔ ہاں' یہ اُمید ضرور رکھتا ہے کہ اس کی پیش کردہ تعلیمات پر لوگ غور کریں۔ اسے اطمینان ہے کہ جو لوگ سچے دل سے ان تعلیمات کا مطالعہ کریں گے' ان کے لئے انہیں قبول کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں اور عقل سلیم انہیں قبول کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کر سکتی۔

آزادیٔ ضمیر کی رعایت

جہاں اسلام آزادی ضمیر کا سب سے بڑا علم بردار ہے' وہاں اسلام کے مخالف آزادی ضمیر کے سب سے بڑے دشمن ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کو عقائد و اعمال میں آزادی دے دی گئی اور انہیں اختیار دے دیا گیا کہ وہ جو مذہب اور طریقہ چاہیں اختیار کر لیں تو اسلام کی پاک تعلیم انہیں اپنی طرف کھینچ لے گی اور ان کے حق میں سوائے نامرادی اور ناکامی کے اور کچھ نہ آئے گا۔

اسلام نے آزادی ضمیر کا جو اصول دنیا کے سامنے پیش کیا تھا' اس پر مسلمانوں نے پوری طرح عمل کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے لاتعداد ممالک فتح کئے لیکن کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا اس کے برعکس انہوں نے جس شہر کو فتح کیا وہاں کے باشندوں کو کامل مذہبی آزادی دے دی۔ جو شخص بہ رضا و رغبت اسلام قبول کر لیتا اسے وہی حقوق مل جاتے تھے جو دوسرے مسلمانوں کو ملے ہوئے تھے لیکن جو شخص اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتا' اسے جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ جزیہ کوئی تاوان نہ تھا جو غیر مسلمانوں سے نفرت وحقارت کے باعث ان پر عائد کیا گیا ہو بلکہ اس کی حیثیت زکوٰۃ کی طرح ایک ٹیکس کی تھی جو سلطنت کی طرف سے ان کی حفاظت کے بدلے ان پر عائد کیا جاتا تھا۔

چنانچہ اہل عراق اور اہل شام سے صلح کے جو معاہدات کئے گئے ان میں یہ صراحت کر دی گئی تھی کہ غیر مسلموں سے جزیہ صرف ان کے مال وجان کی حفاظت کے بدلے وصول کیا جائے گا اور اسلامی حکومت ذمہ دار ہوگی کہ غیر مسلم اپنے اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کر سکیں اور دینی عبادات بے خوفی سے بجا لا سکیں۔ آج بھی کتب تاریخ میں جو معاہدات محفوظ ہیں' ان میں اسلامی حکومت کی طرف سے غیر مسلموں کے گرجوں' کلیساؤں' معبدوں'

پیشواؤں اور راہبوں کی حفاظت کی شقیں موجود ہیں۔ اگر کبھی ایسی صورت حال پیش آجاتی کہ مسلمان اپنے مواعید کی بجا آوری سے قاصر ہو جاتے تو نہ صرف آئندہ کے لئے جزیہ لینا بند کر دیا جاتا بلکہ پچھلی وصول کی ہوئی رقم بھی انہیں واپس کر دی جاتی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی حکومت کی انفرادیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیوں کے ہاتھوں قائم شدہ حکومت' جس کی بنیاد حریت و مساوات اور اخوت و محبت کے اصولوں پر قائم کی گئی تھی' رومی شہنشاہیت سے یکسر مختلف تھی اور آج کل کی جمہوریتیں بھی افادیت کے لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اسلامی سلطنت کا یہ مقصد قطعاً نہ تھا کہ لوگوں کو عربوں کا مطیع و منقاد بنایا جائے اور انہیں رومیوں اور ایرانیوں کی غلامی سے نکال کر عربوں کی غلامی میں دے دیا جائے۔ اس کے برعکس اس کا اولیں مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو آزادی کی فضا میں سانس لینے کا موقع دیا جائے اور ان کے درمیان اخوت و مروت اور رحمت و شفقت کے ناقابل شکست رشتے پیدا کر دیئے جائیں۔ اسلامی سلطنت میں مفتوح اقوام کا درجہ فاتحین سے کسی طرح کم نہ تھا۔ مفتوح اقوام عربوں کی طرح تمام بنیادی حقوق سے بہرہ ور تھیں۔ جو شخص اسلام لے آتا تھا۔ اس سے مسلمانوں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا اور جو شخص اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوتے تھے جو عرب کے دوسرے غیر مسلموں کو حاصل تھے۔ عرب فاتحین نے اپنے کسی بھی فعل سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ عربوں اور غیر عربوں میں تفریق کے حامی ہیں۔ اہل عراق اور اہل شام میں جو لوگ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے' ان سے وہی سلوک کیا گیا جو نجران اور عرب کے دوسرے علاقوں کے عیسائیوں سے کیا جاتا تھا۔ بے شک مسلمان ان لوگوں میں اسلام کی تبلیغ اور ان پر اتمام حجت کرنے میں کوئی دقیقہ سعی فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان کی دعوت پر کان نہ دھرتا اور اسلام قبول نہ کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا تو یہ خدائی فرمان ذہن میں رکھ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے تھے:

من اهتدیٰ فانما یهتدی للنفسه و من ضل فانما یضل علیها و ما انا علیکم بوکیل.

(جو شخص ہدایت قبول کرتا ہے' اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچے گا اور جو شخص گمراہی کے راستے پر گامزن رہنا چاہتا ہے اس کے نقصان کا ذمہ دار بھی وہ خود ہے۔ اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دو "میرا کام صرف یہ ہے کہ تم لوگوں تک آواز پہنچادوں' ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ تمہاری ہدایت اور گمراہی کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔")

(ابوبکر صدیق اکبرؓ از محمد حسین ہیکل صفحہ ۴۰۲)

انسانی ضمیر پر بسا اوقات جمود کی حالت بھی طاری ہو جاتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کی نشوونما بالکل رک چکی ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں مسلمانوں کے ادبار اور پستی کی وجہ یہی ہے کہ طبعی قوانین کے مطابق انسانی ضمیر پر جمود کی حالت طاری ہو چکی ہے لیکن جمود کی یہ حالت ہمیشہ کے لئے برقرار نہیں رہ سکتی۔ یقیناً ایسا وقت آئے گا جب یہ حالت ختم ہوگی' انسان کی مخفی صلاحیتیں ایک بار پھر بیدار ہوں گی اور انسانی ضمیر آہستہ آہستہ پختگی کی آخری حد تک پہنچ جائے گا۔ یہ حالت خواہ صدیوں بعد پیدا ہو' بہر حال پیدا ضرور ہو گی۔ یہی وہ دن ہوگا جب انسان اخلاق کے اس بلند ترین مرتبے تک پہنچ جائے گا جس کا اسلام اس سے تقاضا کرتا ہے۔ زمین پر ہر طرف امن وسلامتی کا دور دورہ ہوگا اور بنی نوع انسان کی باہمی کدورت وشکر رنجی مفقود ہو جائے گی۔

لیکن یہ صورت حال تب ہی پیدا ہوگی کہ کل روئے زمین کے لوگ آسمانی آواز پر کان دھر کر اللہ کی بادشاہی میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ انسانی ضمیر تب ہی حد کمال کو پہنچ سکتا ہے کہ زمین کا چپہ چپہ اللہ کے نور سے معمور ہو جائے۔ اگر زمین کا ایک تو آسمانی نور سے حصہ پالے لیکن باقی حصے بہ دستور ضلالت وگمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈھکے رہیں تو مناقشات اور جنگ وجدل کا سلسلہ ختم نہیں ہو سکتا۔ اس صورت حال کا مداوا کرنے کے لئے ہر زمانے میں ایسے انسان پیدا ہوتے رہیں گے جو ابوبکرؓ کے نقش قدم پر چل کر انسانی ضمیر کو جھنجوڑنے کا کام انجام دیں گے اور جس طرح والدین اور استاد ہر ممکن طریقے سے اپنے بچوں اور شاگردوں کی تربیت کرتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی بنی نوع انسان کی تربیت کے لئے مناسب حال طریقے استعمال کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔

انسانی ضمیر نے حد کمال کو پہنچنے کے لئے اب تک جو ترقی کی ہے اس میں بڑا اثر اسلامی تعلیمات کا ہے اور آئندہ بھی وہ ترقی کی منازل اسی وقت طے کر سکے گا جب وہ اسلام کی پیش کردہ تعلیمات کو اپنا لے۔ یہ وقت یقیناً آئے گا اور زمین کا گوشہ گوشہ اللہ کے نور سے جگمگا اٹھے گا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو برنارڈ شا کا خراج تحسین

ہم یہ بات محض خوش اعتقادی کی بناء پر نہیں کہہ رہے بلکہ مغربی مفکرین بھی غور وفکر کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے ہیں چنانچہ ذیل میں ہم مشہور انگریز ادیب جارج برنارڈ شا کا ایک حوالہ پیش کرتے ہیں جسے پڑھنے سے ہماری رائے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ برنارڈ شا لکھتا ہے:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ دین کو ادیان عالم میں بہت ہی بلند مرتبہ حاصل ہے۔ دیگر ادیان کے برعکس اس دین میں دائماً زندہ رہنے کی حیرت انگیز قوت موجود ہے۔ اس کی وجہ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اپنے اندر مختلف طریقہ ہائے حیات کو سمونے کی اہلیت اور بنی نوع انسان کے ہر طبقے کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں بھی اسے روز بہ روز مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ جہالت و تعصب کے باعث ازمنہ وسطیٰ میں اسلام کو انتہائی بھیانک صورت میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا اور انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ اسلام یسوع مسیح کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کا نجات دہندہ سمجھتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ اگر آج بھی دنیا کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خو بو رکھنے والے کسی شخص کی خدمات میسر آ جائیں تو بنی نوع انسان کی تمام مشکلات یکسر کافور ہو سکتی ہیں اور زمین میں امن و امان اور خوش بختی کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔ آج زمانے کو انہیں چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

"انیسویں صدی عیسوی میں کارلائل اور گبن جیسے جلیل القدر مفکرین نے اسلام کو حقائق و انصاف کی کسوٹی پر پرکھا اور جو نتائج اخذ کر کے دنیا کے سامنے

پیش کئے ان کی بناء پر یورپ والوں کے نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی اور انہوں نے اسلام پر ہمدردانہ نظر سے غور وفکر کرنا شروع کیا۔ موجودہ بیسویں صدی میں تو اسلام کے متعلق اہل یورپ کے نقطہ نظر میں بہت زیادہ تبدیلی آچکی ہے اور نفرت وعداوت کی جگہ اسلام کی محبت نے لے لی ہے۔ اس رفتار کو دیکھتے ہوئے کچھ تعجب نہیں کہ اگلی صدی تک اسلام پورے طور پر اہل یورپ کے دلوں میں گھر کر جائے اور اسے وہ نجات کا ذریعہ سمجھ کر جوق در جوق اس میں داخل ہونا شروع ہو جائیں۔

"میری اپنی قوم اور یورپ کے دیگر ممالک کے متعدد اشخاص اسلام قبول کر چکے ہیں اور اب یہ بات بلاشک وشبہ کہی جا سکتی ہے کہ یورپ کے کلیۃ اسلام قبول کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔"

(بحوالہ صدیق اکبر از محمد حسین ہیکل صفحہ ۴۳۹)

حالات جنگ میں بھی رحمت وشفقت کے مظاہرے

حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر روانہ فرمائے اور ان کا حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔ جب یہ لشکر سوار ہو کر چلے تو حضرت ابوبکر ان لشکروں کے اُمراء کے ساتھ رخصت کرنے کے لئے ثنیۃ الوداع تک پیدل گئے۔ ان امراء نے کہا یا خلیفۃ رسول اللہ! آپ پیدل چل رہے ہیں اور ہم سوار ہیں۔ انہوں نے کہا میں ثواب کی نیت سے یہ چند قدم اللہ کے راستہ میں اُٹھا رہا ہوں پھر حضرت ابوبکر ان کو ہدایات دینے لگے اور فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں اللہ کے راستہ میں جہاد کرو اور جو اللہ تعالیٰ کو نہ مانے اس سے جنگ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا مددگار ہے اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور بدعہدی نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا اور زمین میں فساد نہ پھیلانا اور تمہیں جو حکم دیا جائے اس کے خلاف نہ کرنا، جب تقدیر خداوندی سے مشرک دشمن سے تمہارا سامنا ہو تو اسے تین باتوں کی دعوت دینا، اگر وہ تمہاری باتیں مان

لیں تو تم ان سے قبول کر لینا اور رُک جانا (سب سے پہلے، ان کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ
اسے مان لیں تو تم ان سے اسے قبول کر لو اور ان سے (جنگ کرنے سے) رُک جاؤ۔ پھر
ان سے کہو کہ وہ اپنا وطن چھوڑ کر مہاجرین کے وطن منتقل ہو جائیں اگر وہ ایسا کر لیں تو انہیں
بتاؤ کہ ان کو وہ تمام حقوق ملیں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہ تمام ذمہ داریاں
عائد ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اپنے وطن میں ہی
رہنا پسند کریں اور مہاجرین کے وطن نہ آنا چاہیں تو انہیں بتا دینا کہ ان کے ساتھ دیہات
میں رہنے والے مسلمانوں والا معاملہ ہوگا اور ان پر اللہ تعالیٰ کے وہ تمام احکام لاگو ہوں گے
جو تمام مومنوں پر اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت
کئے بغیر انہیں فئے اور مال غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا اور اگر اسلام قبول کرنے سے وہ
انکار کریں تو انہیں جزیہ ادا کرنے کی دعوت دو۔ اگر وہ اسے مان جائیں تو تم ان سے اسے
قبول کر لو اور ان سے (جنگ کرنے سے) رُک جاؤ اور اگر وہ (جزیہ دینے سے بھی) انکار کر
دیں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کرو۔ کھجور کے کسی درخت کو ضائع نہ کر
اور نہ اسے جلانا اور کسی جانور کی ٹانگیں نہ کاٹنا اور نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا اور نہ (ان کی)
کسی عبادت گاہ کو گرانا اور بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا اور تم ایسے لوگوں کو بھی پا
گے جو خلوت خانوں میں گوشہ نشین ہوں گے انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دینا کہ وہ اپنے کا
میں لگے رہیں اور تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جن کے سروں میں شیطان نے اپنے گھونسلے
بنا رکھے ہوں گے (یعنی وہ ہر وقت شیطانی حرکتوں میں لگے رہتے ہوں گے۔ اور گمر
کرنے کے شیطانی منصوبے چلاتے ہوں گے ایسے لوگوں کی گردنیں اُڑا دینا۔
(بیہقی ج۹ صفحہ ۸۵)

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضر
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مرتد عربوں کی طرف بھیجا تو انہیں یہ ہدایات دیں کہ وہ ا
مرتدین کو اسلام کی دعوت دیں اور ان کو اسلام کے فائدے اور ذمہ داریاں بتائیں اور ا
کے دل میں ان کی ہدایت کی پوری طلب ہو ان مرتدین میں سے جو بھی اس دعوت کو قبو
کرے گا وہ کالا ہو یا گورا اس کا اسلام قبول کر لیا جائے گا اس لئے کہ جو شخص اللہ کا انکار ک

ہے اور کفر اختیار کرتا ہے اس سے اللہ پر ایمان لانے کے لئے قتال کیا جاتا ہے لہذا جسے اسلام کی دعوت دی گئی اور اس نے اسلام کو قبول کرلیا اور اس نے اپنے ایمان کو سچا کر دکھایا تو اب اس پر کوئی گرفت اور مواخذہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ خود اس سے حساب لیں گے اور جو مرتد اسلام کی دعوت کو قبول نہ کرے حضرت خالد اسے قتل کردیں۔

حضرت صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ میں پڑاؤ ڈالا تو حیرہ کے معزز شرفاء قبیصہ بن ایاس بن حیہ طائی کے ساتھ شہر سے نکل کر حضرت خالد کے پاس آئے قبیصہ کو کسریٰ نے نعمان بن منذر کے بعد حیرہ کا گورنر بنایا تھا چنانچہ حضرت خالد نے قبیصہ اور اس کے ساتھیوں سے کہا میں تمہیں اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں اگر تم اسے قبول کرلو تو تم مسلمان شمار ہو گے اور جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ تمہیں ملیں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد ہیں وہ تم پر ہوں گی اگر تم (اسلام قبول کرنے سے) انکار کرو تو پھر جزیہ ادا کرو اور اگر اس سے بھی انکار کرو تو میں تمہارے پاس ایسے لوگوں کو لے کر آیا ہو کہ تمہیں زندہ رہنے کا جتنا شوق ہے ان کو اس سے کہیں زیادہ مرنے کا شوق ہے ہم تم سے لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے۔ قبیصہ نے حضرت خالد سے کہا ہمیں آپ سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور آپ کو ہم جزیہ دیں گے چنانچہ حضرت خالد نے ان سے نوے ہزار درہم پر صلح کرلی اسی واقعہ کو بیہقی نے ابن اسحاق سے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت خالد نے ان سے کہا کہ میں تمہیں اسلام کی طرف اور اس بات کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تم کلمہ شہادت

اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ وان محمدًا عبدہٗ ورسولہ

پڑھ لو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور مسلمانوں کے تمام احکام کا اقرار کرو۔ اس طرح تمہیں بھی وہ حقوق حاصل ہو جائیں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور تم پر بھی وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مسلمانوں پر ہیں ہانی نے پوچھا کہ اگر میں اسے نہ چاہوں تو پھر حضرت خالد نے کہا کہ تم اس سے انکار کرتے ہو تو پھر تم اپنے ہاتھوں جزیہ ادا کرو۔ اس نے کہا اگر ہم اس سے بھی انکار کردیں تو؟ حضرت خالد نے کہا اگر تم اس سے بھی انکار کرتے ہو تو میں تم کو ایک ایسی قوم کے ذریعہ روند ڈالوں گا کہ ان کو موت اس سے زیادہ پیاری ہے جتنی تم کو

زندگی پیاری ہے۔ ہانی نے کہا ہمیں اس ایک رات کی مہلت دیں تاکہ ہم اس بارے میں غور کر سکیں حضرت خالد نے کہا ہاں تمہیں مہلت ہے صبح ہانی نے آکر کہا ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم جزیہ ادا کریں گے آئیں ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔ (بیہقی ج۹ صفحہ ۱۸۷)

غلاموں کے حقوق

غلامی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بدقسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے اس کے بعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے عام قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا؟ تو یہ ترتیب حسب ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے،

۱۔ حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟

۲۔ آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھا یا آزاد کر دیا؟

۳۔ غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا؟

صحابہ کرام کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنا

اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کر کے بیدریغ قتل کر دیا جاتا تھا چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق یہ حکم ہے،

حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداءً

جب تم لوگ خوب خونریزی کر چکو تو قیدی بناؤ انکے بعد صرف دو صورتیں ہیں یا احسانا ان کو آزاد کر دو یا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو۔

اور صحابہ کرام نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی چنانچہ ایک بار حجاج کے

پاس ایک اسیر جنگ آیا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے کہا ہم اس پر مامور نہیں ہیں۔ اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔

اسیران جنگ کو آرام و آسائش کی فراہمی

صحابہ کرام اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور ان کے آرام و آسائش کے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے۔ خود قرآن مجید نے صحابہ کرام کی اس فضیلت کو نمایاں کیا ہے۔

ویطعمون الطعام علی حبّہٖ مسکینا ویتیماً و اسیرًا......

باوجود یہ کہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں،

معجم طبرانی میں ہے کہ صحابہ کرام اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف و مراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھالیتے تھے، مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے،

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولید ﷛ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرادی، ادفؤا اسراکم...... اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اوڑھاؤ۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

اگرچہ صحابہ کرام تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کرتے تھے، لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف و مراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب جنگ مصر میں بلبیس پر حملہ کیا اور مقوقس شاہ مصر کی بیٹی ارمانوسہ گرفتار ہو کر آئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لئے اس کے ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اس کو پہنچا آئے۔

اسیران جنگ کو اعزہ و اقارب کے ساتھ رکھنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ و اقارب سے جدا نہ کئے جائیں صحابہ کرام اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے تھے ایک بار حضرت ابوایوب

انصاریؓ کسی فوج میں تھے، اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے علیحدہ کر دیا گیا، بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ماں سے بچوں کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ واقارب سے جدا کر دے گا۔

لونڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھیں ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس میں حاملہ وغیر حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گذر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاریؓ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا، مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا السبی فلا یطؤها حتی تحیض

یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں، جب تک ان کو حیض نہ آجائے وہ ان سے جماع نہ کریں۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا،

ایها الناس انی لا اقول فیکم الا ماسمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول قام فینا یوم حنین فقال لا یحل لامرئ یومن بالله والیوم الآخر ان یسقی ماء ه زرع غیره یعنی اتیان الحبالی من السبایا وان یصیب امراة ثیبا من السبی حتی یستبرئها.

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر

ایمان لایا۔ اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آب پاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم جماع کرے۔

حضرت ابوبکرؓ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت

حضرت اغر۔ اغرّ بنی مالک رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کہتے ہیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہا تو انہوں نے آدمی بھیج کر حضرت عمرؓ کو بلایا۔ جب وہ آ گئے تو ان سے فرمایا:

"میں تمہیں ایک ایسے کام کی طرف بلانے لگا ہوں کہ جو بھی اس کی ذِمّہ داری اُٹھائے گا یہ کام اسے تھکا دے گا۔ لٰہذا اے عمرؓ! اللہ کی اطاعت کے ذریعہ تم اس سے ڈرو اور اس سے ڈرتے ہوئے اس کی اِطاعت کرو۔ کیونکہ اللہ سے ڈرنے والا ہی (ہر خوف سے) امن میں ہوتا ہے اور (ہر شر اور مصیبت سے) محفوظ ہوتا ہے۔ پھر اس امرِ خلافت کا حساب اللہ کے سامنے پیش کرنا ہوگا اور اس کام کا مستحق صِرف وہی ہے جو اس کا حق ادا کر سکے اور جو دوسروں کو حق کا حکم دے اور خوف باطل پر عمل کرے اور نیکی کا حکم کرے اور خود بُرائی پر عمل کرے اس کی کوئی اُمید پوری نہ ہو سکے گی اور اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے (وہ اعمال آخرت میں اس کے کام نہ آئیں گے) لٰہذا اگر تم پر مسلمانوں کی خلافت کی ذِمّہ داری ڈال دی جائے تو پھر تم اپنے ہاتھوں کو ان کے خون سے دُور رکھ سکو اور اپنے پیٹ کو ان کے مال سے خالی رکھ سکو اور ان کی آبرو ریزی سے اپنی زبان کو بچا سکو تو ضرور ایسے کرنا اور نیکی کرنے کی طاقت صِرف اللہ ہی سے مِلتی ہے۔"

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اِنتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ وصیت نامہ لکھوایا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

''یہ ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے وصیت ہے (اور وہ یہ وصیت نامہ اس وقت کر رہے ہیں) جبکہ ان کا اس دنیا میں آخری وقت آ گیا ہے اور وہ اس دنیا سے جا رہے ہیں اور ان کی آخرت شروع ہو رہی ہے جس میں وہ داخل ہو رہے ہیں اور یہ موت کا وقت ایسا ہے کہ جس وقت کافر بھی غیب پر ایمان لے آتا ہے اور فاسق و فاجر بھی متقی بن جاتا ہے اور جھوٹا آدمی بھی سچ بولنے لگ جاتا ہے۔ مَیں نے اپنے بعد عمر بن خطاب کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ اگر وہ عدل و انصاف سے کام لیں تو ان کے بارے میرا گمان یہی ہے۔ اور اگر وہ ظلم کریں اور بدل جائیں تو (اس کا وبال ان پر ہی ہو گا اور ان کو خلیفہ بنانے سے) میرا ارادہ خیر کا ہی ہے اور مجھے غیب کا علم نہیں۔ ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کے ظلم کا انجام کیا ہو گا؟ اور وہ کس بُرے ٹھکانہ کی طرف لوٹنے والے ہیں؟''

پھر انہوں نے آدمی بھیج کر حضرت عمرؓ کو بلایا اور ان کو زبانی یہ وصیت فرمائی:

''اے عمرؓ! کچھ لوگ تم سے بغض رکھتے ہیں اور کچھ تم سے محبت کرتے ہیں پُرانے زمانے سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ خیر کو بُرا سمجھا جاتا ہے اور شر کو پسند کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا پھر تو مجھے خلافت کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا لیکن خلافت کو تمہاری ضرورت ہے۔ کیونکہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ان کے ساتھ رہے ہو۔ اور تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ حضور ہمیں اپنی ذات پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ حضور کی طرف سے ہمیں جو ملتا تھا ہم اسے استعمال کرتے اور پھر اس میں سے جو بچ جاتا وہ ہم حضورؐ کے گھر والوں کی بھیج دیا کرتے (یعنی حضورؐ اپنے گھر والوں کو پہلے نہ دیتے بلکہ ان پر ترجیح دیتے ہوئے پہلے ہمیں دیتے) اور پھر تم نے مجھے بھی دیکھا ہے اور میرے ساتھ بھی

رہے ہو اور میں نے اپنے سے پہلے والے کی یعنی حضور کی اِتباع کی ہے۔ اللہ کی قسم! یہ بات نہیں ہے کہ میں سو رہا ہوں اور خواب میں تم سے باتیں کر رہا ہوں یا کسی وہم کے طور پر تمہارے سامنے یہ شہادتیں دے رہا ہوں اور میں نے (سوچ سمجھ کر) جو راستہ اختیار کیا ہے اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹا ہوں۔ اے عمرؓ! اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ رات میں اللہ تعالیٰ کے کچھ حقوق ایسے ہیں جنہیں وہ دن میں قبول نہیں کرتے ہیں اور دن میں کچھ حقوق اللہ کے ایسے ہیں جن کو وہ رات میں قبول نہیں کرتے ہیں (یعنی انسان دن میں انسانوں پر محنت کرے اور مسلمانوں کے اجتماعی کام میں لگا رہے اور رات کو کچھ وقت اللہ کی عبادت ذکر و تلاوت اور دعا میں مشغول رہے۔ دن و رات کی یہ ترتیب اللہ نے مقرر فرمائی ہے) اور قیامت کے دن صرف حق کے اِتباع کرنے کی وجہ سے ہی اَعمال کا ترازو بھاری ہوگا اور جس ترازو میں صرف حق ہی ہو اس کا بھاری ہونا ضروری ہے اور قیامت کے دن صفر باطل کے اِتباع کرنے کی وجہ سے ہی ترازو ہلکا ہوگا اور جس ترازو میں صرف باطل ہی ہو اس کا ہلکا ہونا ضروری ہے۔ سب سے پہلے میں تمہیں تمہارے اپنے نفس سے ڈراتا ہوں۔ پھر لوگوں سے ڈراتا ہوں۔ کیونکہ لوگوں کی نگاہیں (لالچ کی وجہ سے) جھانکنے لگ گئی ہیں اور ان کی نفسانی خواہشات پھول گئی ہیں۔ یعنی زور پکڑ چکی ہیں لیکن جب ان خرابیوں کی وجہ سے انہیں ذلت اُٹھانی پڑے گی تو اس وقت وہ حیران و پریشان ہوں گے۔ کیونکہ جب تک تم اللہ سے ڈرتے رہو گے اس وقت تک وہ لوگ تم سے ڈرتے رہیں گے۔ یہ میری وصیت ہے۔ میری طرف سے تمہیں سلام ہو"

حضرت عبدالرحمٰن بن سابط، حضرت زید بن زُبید بن حارث اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے فرمایا:

''اے عمرؓ! اللہ سے ڈرتے رہنا اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (انسانوں کے ذِمّہ) دن میں کچھ ایسے عمل ہیں جن کو وہ رات کو قبول نہیں کرتے ہیں اور ایسے ہی اللہ کی طرف سے (انسانوں کے ذِمّہ) رات میں کچھ عمل ایسے ہیں جن کو وہ دن میں قبول نہیں کرتے اور جب تک فرض ادا نہ کیا جائے اس وقت تک اللہ نفل قبول نہیں فرماتے۔ دنیا میں حق کا اِتباع کرنے اور حق کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے ہی قیامت کے دن اعمال کا ترازو بھاری ہوگا۔ کل جس ترازو میں حق رکھا جائے اسے بھاری ہونا ہی چاہئے اور دُنیا میں باطل کا اِتباع کرنے اور باطل کو معمولی سمجھے کی وجہ سے ہی قیامت کے دن ترازو ہلکا ہوگا۔ اور کل جس ترازو میں باطل رکھا جائے اسے ہلکا ہونا ہی چاہئے اور اللہ تعالیٰ نے جہاں جنت والوں کا ذکر کیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے سب سے اچھے اعمال کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کے بُرے اعمال سے درگزر فرمایا ہے۔ میں جب بھی جنت والوں کا ذکر کرتا ہوں تو کہتا ہوں مجھے یہ ڈر ہے کہ شاید میں ان ہی کے ساتھ ہوں گا اور اللہ تعالیٰ نے رحمت کی آیت بھی ذکر فرمائی ہے اور عذاب کی آیت بھی۔ لہٰذا بندے کو رحمت کا شوق اور عذاب ہ ذر ہونا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے غلط اُمیدیں نہ باندھے (کہ عمل تو اچھے نہ کرے اور اُمید جنت کی رکھے) اور اس کی رحمت سے نا اُمید بھی نہ ہو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ اگر تم نے میری یہ وصیت یاد رکھی (اور اس پر اچھی طرح عمل کیا) تو کوئی غائب چیز تمہیں موت سے زیادہ محبوب نہ ہوگی اور تمہیں موت آکر رہے گی اور اگر تم نے میری وصیت ضائع کردی (اور اس پر عمل نہ کیا) تو کوئی غائب چیز تمہیں موت سے زیادہ بری نہیں لگے گی اور وہ موت تمہیں پکڑ کر رہے

گی تم اس سے بچ نہیں سکتے"

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت

حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام بھیجنے کے لئے لشکروں کو جمع کرنے کا ارادہ فرمایا (چنانچہ لشکر جمع ہو گئے اور) ان کے مقرر کردہ امیروں میں سے سب سے پہلے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو حکم دیا کہ فلسطین جانے کے ارادے سے وہ ایلہ شہر سے گزریں اور حضرت عمروؓ کا لشکر جو مدینہ سے چلا تھا اس کی تعداد تین ہزار تھی۔ اس میں حضرات مہاجرین اور انصار کی بڑی تعداد تھی۔ (جب یہ لشکر روانہ ہوا تو ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضرت ابوبکر حضرت عمرو بن عاص کی سواری کے ساتھ چل رہے تھے اور ان کو ہدایات دیتے جا رہے تھے اور فرما رہے تھے:

"اے عمروؓ! اپنے ہر کام میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے وہ کام چھپ کر کر دیا سب کے سامنے اور اللہ سے شرم کرنا کیونکہ وہ تمہیں اور تمہارے تمام کاموں کو دیکھتا ہے اور تم دیکھ چکے ہو کہ میں نے تم کو (امیر بنا کر) ان لوگوں سے آگے کر دیا ہے جو تم سے زیادہ پرانے ہیں اور تم سے پہلے اسلام لائے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے تم سے زیادہ مُفید ہیں۔ تم آخرت کے لئے کام کرنے والے بنو اور تم جو کام بھی کرو اللہ کی رضا کی نیت سے کرو اور جو مسلمان تمہارے ساتھ جا رہے ہیں تم ان کے ساتھ والد کی طرح شفقت کا معاملہ کرنا۔ لوگوں کی اندر کی باتوں کو ہرگز نہ کھولنا بلکہ ان کے ظاہری اعمال پر اِکتفاء کر لینا اور اپنے کام میں پوری محنت کرنا اور دشمن سے مقابلہ کے وقت جم کر لڑنا۔ اور بُزدِل نہ بننا (اور مالِ غنیمت میں اگر خیانت ہونے لگے تو اس) خیانت کو جلدی سے آگے بڑھ کر روک دینا۔ اور اس پر سزا دینا اور جب تم اپنے ساتھیوں میں بیان

کرو تو مختصر کرنا۔ تم اپنے آپ کو ٹھیک رکھو تو تمہارے سارے مامور تمہارے ساتھ ٹھیک چلیں گے"

حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عَمروؓ اور حضرت وَلید بن عُقبہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک قبیلہ قُضاعہ کے آدھے صَدَقات وصول کرنے پر مقرر تھا۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے صَدَقات وصول کرنے کے لیے ان دونوں حضرات کو بھیجا تھا تو ان دونوں کو رُخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ باہر آئے تھے اور ان دونوں کو ایک ہی وصیت فرمائی تھی کہ:

"ظاہر اور باطن میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے (ہر مشکل اور پریشانی اور سختی سے) نکلنے کا راستہ ضرور بنا دے گا اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے روزی ملنے کا گمان بھی نہ ہوگا۔ اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے بڑا اَجر دے گا۔ اللہ کے بندے جن اَعمال کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں ان میں سب سے بہترین اللہ کا ڈر ہے۔ تم اس وقت اللہ کے راستوں میں سے ایک راستہ میں ہو۔ تمہارے اس کام میں حق کی کِسی بات پر چشم پوشی کرنے کی اور کسی کام میں کوتاہی کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور جس کام میں تمہارے دین کی درستگی ہے اور تمہارے کام کی ہر طرح حفاظت ہے اس کام سے غفلت برتنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا سُست نہ پڑنا اور کوتاہی نہ کرنا"

حضرت مُطّلِب بن سائب بن ابی وَدَاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

"میں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو خط لکھا ہے کہ وہ تمہاری مدد کے لئے تمہارے پاس چلے جائیں۔ جب وہ تمہارے پاس آ جائیں تو تم ان کے ساتھ اچھی طرح رہنا۔ اور ان پر بڑے بننے کی کوشش نہ کرنا چونکہ میں

نے تم کو (امیر بنا کر) حضرت خالد بن ولید اور دیگر حضرات سے آگے
کر دیا ہے اس لئے تم ان (کے مشورہ) کے بغیر کسی کام میں فیصلہ نہ کرنا
اور اُن سے مشورہ لیتے رہنا اور ان کی مخالفت نہ کرنا"

حضرت عبدالحمید بن جعفر اپنے والد جعفر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"قبیلہ بلی، قبیلہ عذرہ اور قبیلہ قضاعہ کی دوسری شاخوں کے جن
لوگوں کے پاس سے تم گزرو اور وہاں جو عرب آباد ہیں میں نے تم کو ان
سب کا امیر بنایا ہے۔ ان سب کو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کی دعوت
دینا اور اس کی خوب ترغیب دینا۔ لہٰذا ان میں سے جو تمہارے ساتھ چل
پڑے اسے سواری اور توشہ دینا اور ان کا آپس میں جوڑ قائم رکھنا ہر قبیلہ کو
الگ رکھنا اور ہر قبیلہ کو اس کے درجہ پر رکھنا"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو وصیت

حضرت محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو امارت سے معزول کیا تو انہوں نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد بن سعید کے بارے میں یہ وصیت فرمائی اور شرحبیل بھی (حضرت ابوبکرؓ کے) ایک امیر تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

"حضرت خالد بن سعید کا ہمیشہ خیال رکھنا، ان کا اپنے اوپر اسی طرح
حق پہچاننا جس طرح ان کے امیر ہونے کی صورت میں تم ان سے اپنے حق
کے پہچاننے کو پسند کرتے اور تم ان کا اسلام میں مرتبہ پہچان ہی چکے ہو اور
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت وہ حضور کی طرف سے
(فلاں قبیلہ کے) گورنر تھے اور میں نے بھی ان کو امیر بنایا تھا۔ پھر میں نے
ان کو اس ذمہ داری سے ہٹانا مناسب سمجھا اور غالباً یہی دینی اعتبار سے ان

کے لئے زیادہ بہتر ہی ہوگا۔ میں کسی کی امارت پر حسد نہیں کرتا۔ میں نے ان کو لشکروں کے امیروں کے بارے میں اختیار دیا تھا (کہ وہ جس امیر کو چاہیں اپنے لئے پسند کرلیں) انہوں نے دوسرے امیروں کو اور اپنے چچا زاد بھائی کو چھوڑ کر تمہیں اختیار کیا ہے۔ جب تمہیں کوئی ایسا کام پیش آئے جس میں کسی متقی اور خیر خواہ آدمی کی رائے کی ضرورت ہو تو سب سے پہلے حضرت ابوعبیدہ بن جرّاح اور حضرت مُعاذ بن جبل سے مشورہ لینا اور ان دو کے بعد تیسرے حضرت خالد بن سعید ہوں کیونکہ تمہیں ان تینوں حضرت کے پاس خیر خواہی اور خیر ہی ملے گی اور ان حضرات سے مشورہ کے بغیر صرف اپنی رائے پر عمل نہ کرنا اور ان سے کچھ بھی نہ چھپانا"

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضرت یزید بن ابی سُفیان رضی اللہ عنہ کو وصیت

حضرت حارث بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو لشکر کا جھنڈا دیا یعنی ان کو لشکر کا امیر بنایا تو ان سے فرمایا:

"اے یزید! تم جوان ہو۔ ایک نیک عمل کی وجہ سے تمہارا ذکر خیر ہوتا ہے جو لوگوں نے تمہیں کرتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ ایک انفرادی عمل ہے جو تم نے تنہائی میں کیا تھا اور میں نے اس بات کا ارادہ کیا ہے کہ میں تمہیں (امیر بنا کر) آزماؤں اور تمہیں گھر والوں سے نکال کر باہر بھیجوں اور دیکھوں کہ تم کیسے ہو؟ اور تمہاری اَمارت کیسی ہے؟ بہر حال میں تمہیں آزمانے لگا ہوں۔ اگر تم نے (اَمارت کو) اچھی طرح سنبھالا تو تمہیں ترقی دوں گا اور اگر تم ٹھیک طرح نہ سنبھال سکے تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔ خالد بن سعید والے کام کا میں۔ نے تم کو ذمہ دار بنادیا ہے۔"

پھر اس سفر میں حضرت یزید نے جو کچھ کرنا تھا اس کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ

نے ان کو ہدایات دیں اور یوں فرمایا:

"میں تمہیں حضرت ابوعُبَیدَہ بن جرّاح کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ تم جانتے ہو کہ اسلام میں ان کا بڑا مقام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر اُمّت کا ایک امین ہوا کرتا ہے اور اس اُمّت کے امین حضرت اَبُو عُبَیدَہ بن جرّاح ہیں۔ ان کے فضائل اور دینی سبقت کا لحاظ رکھنا اور ایسے ہی حضرت معاذ بن جبل کا بھی خیال رکھنا۔ تم جانتے ہی ہو کہ وہ حضورؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ (قیامت کے دن) حضرت مُعاذؓ بن جبل علماء کے آگے ایک اونچی جگہ پر چلتے ہوئے آئیں گے یعنی اس دن علمی فضیلت کی وجہ سے ان کی ایک اِمتیازی شان ہوگی۔ ان دونوں کے مشورہ کے بغیر کسی کام کا فیصلہ نہ کرنا اور یہ دونوں بھی تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں ہرگز کوئی کمی نہیں کریں گے"

حضرت یزید نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ! جیسے آپ نے مجھے ان دونوں کے بارے میں تاکید فرمائی ہے ایسے ہی ان دونوں کو میرے بارے میں تاکید فرمادیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں ان دونوں کو تمہارے بارے میں ضرور تاکید کروں گا۔ حضرت یزید نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے اور اسلام کی طرف سے آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے مُلکِ شام بھیجا تو یوں فرمایا:

"اے یزید! تمہارے بہت سے رشتہ دار ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تم امیر بنانے میں ان رشتہ داروں کو دوسروں پر ترجیح دے دو۔ مجھے تم سے سب سے زیادہ اسی بات کا ڈر ہے لیکن غور سے سنو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمانوں کے کسی کام کا ذِمّہ دار بنا اور پھر اس نے ذاتی مَیلان کی وجہ سے کسی غیر مُستحق کو مسلمانوں کا امیر بنا دیا تو اس پر اللہ کی

لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس سے نہ کوئی نفل عبادت قبول فرمائیں گے اور نہ فرض بلکہ اسے جہنم میں داخل کریں گے اور جس نے ذاتی تعلق کی وجہ سے کسی غیر مستحق کو اپنے بھائی کا مال دے دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی یا فرمایا اللہ کا ذمہ اس سے بری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس بات کی دعوت دی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئیں تا کہ وہ اللہ کی حمایت اور حفاظت میں آ جائیں۔ اب جو اللہ کی حمائیت اور حفاظت میں آ چکا ہے اس کو جو ناحق بے عزت کرے اس پر اللہ کی لعنت ہوگی یا فرمایا اللہ کا ذمہ اس سے بری ہو جائے گا۔"

چھٹا باب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

(۱) ابوبکر خیر الناس الا ان یکون نبی. (معجم طبرانی شریف)
"ابوبکرؓ سوائے نبیوں کے سب انسانوں سے افضل ہیں" باستثناء عیسیٰ بن مریم

(۲) ارحم امتی بامتی ابوبکر. (ترمذی شریف، مؤطا امام محمد)
"میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں۔"

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اول من تنشق الارض عنه ثم ابوبکرؓ ثم عمرؓ. (ترمذی شریف، مستدرک حاکم)
"حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میرے اوپر سے زمین کشادہ ہوگی پھر ابوبکرؓ کے پھر عمرؓ کے اوپر سے"۔

(۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت صاحبی علی الحوض وانت صاحبی فی الغار. (ترمذی)
"حضور نے ارشاد فرمایا ہے اے ابوبکر تم حوضِ کوثر پر میرے رفیق ہو اور تم غار میں بھی میرے رفیق تھے"۔

(۵) حضور مرضِ وفات میں جب خود مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو ارشاد فرمایا:
مروا ابابکرٍ فلیصلّ بالناس. (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجه)
"ابوبکرؓ کو میری طرف سے حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔

(۶) ما اوحی الیٰ شیء الا صببته فی صدر ابی بکر. (الریاض النضرہ)
"جو وحی مجھ پر نازل فرمائی گئی میں نے اس کو ابوبکرؓ کے سینہ میں نچوڑ دیا ہے"۔

(۷) ما فضلکم ابوبکر بفضل صوم ولا صلوٰۃ ولکن بشیءٍ وقر بصدرہ...... (الریاض النضرہ)
ارشاد فرمایا کہ "حضرت ابوبکرؓ کو تم پر نماز یا روزہ کی وجہ سے فضیلت نہیں ہے بلکہ یہ فضیلت یہ باوقار چیز کی وجہ سے ہے جو ان کے سینہ میں ڈالی

گئی"۔ (قوتِ ایمانی اور حب نبوی)

(۸) آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے جس شخص کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اس میں جھجک ضرور دیکھی سوائے ابوبکرؓ کے جنہوں نے بلا تردد اس کو تسلیم کر لیا۔

۹ھ میں آنحضرتؐ نے انہی کو امیر الحاج بنایا اور جب آنحضرت مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو اپنی بجائے ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

ابوبکرؓ کی صداقت

بخاری شریف میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان اللّٰہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت وواسانی بنفسه وماله فهل انتم تارکون لی صاحبی.

"یقین جانو کہ اللہ سبحانہ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم لوگوں نے مجھے کہا کہ جھوٹ کہتے ہو صرف ابوبکرؓ نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں (پھر یہی نہیں) انہوں نے اپنی جان اور مال سے میری غمخواری کی تو کیا تم میرے ساتھی کو مجھ پر چھوڑ دینا چاہتے ہو"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت کے وزیر ہیں

ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہر نبی کے دو وزیر اہلِ آسمان سے اور دو وزیر اہلِ زمین سے ہوتے ہیں میرے وزیر اہلِ آسمان سے جبریل اور میکائیل ہیں اور اہلِ زمین سے ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (اگر آسمان والے بے وفا نہیں تو زمین والے کیسے بے وفا ہو سکتے تھے)۔

حوالجات از مشکوٰۃ شریف در مناقب صدیق رضی اللہ عنہ

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور پاک نے ارشاد فرمایا سب

سے زیادہ احسان مجھ پر ابو بکرؓ کی خدمت اور مال کا ہے۔ اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو جانی دوست بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور والا نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو خاص دلی دوست بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا مگر ابو بکرؓ میرا بھائی اور ساتھی ہے اور خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھی (یعنی میری ذات) کو خاص دوست بنالیا ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مرض کی حالت میں مجھ سے رسول گرامیؐ نے فرمایا اپنے بھائی کو اور اپنے والد یعنی ابو بکرؓ کو بلاؤ تا کہ میں ایک تحریر لکھ دوں کیوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہیں کوئی خلافت کی آرزو کرنے والا آزادنہ کرنے لگے اور کہیں کہنے والا چہ میگوئیاں نہ کرنے لگے (مگر خیر رہنے دو) خدا تعالیٰ اور مسلمان سوائے ابو بکرؓ کے کسی کی خلافت کو نہ مانیں گے۔

۴۔ حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک عورت نے خدمتِ گرامیؐ میں حاضر ہو کر کسی معاملہ کے متعلق کچھ گفتگو کی، رسول اقدس نے اس کو حکم دیا کہ پھر دوبارہ میرے پاس آنا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں پھر آؤں اور آپ نہ ملیں تو کیا کروں فرمایا اگر میں نہ ملوں تو ابو بکرؓ کے پاس چلی جانا۔ (نہ ملنے سے مراد اس عورت کی حضور کی وفات تھی)

۵۔ حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں ذات السلاسل والے لشکر کا سپہ سالار مجھے حضور نے مقرر فرمایا، میں رخصت ہونے کے لئے خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا سب سے زیادہ محبوب آپؐ کے نزدیک کون شخص ہے؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے عرض کیا کہ مردوں میں سے، فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا کا باپ میں نے عرض کیا ان کے بعد! فرمایا عمرؓ پھر حضور نے (استفسار کے جواب میں) چند آدمیوں کو شمار کیا۔ بالآخر میں خود ہی اس اندیشہ سے چپ ہو گیا کہ کہیں مجھ کو سب سے آخر میں نہ کر دیں۔

۶۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں ہم سب سے افضل اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ کو پیارے ہیں۔

۷۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں حضور اقدس نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا تم غار میں بھی میرے ساتھی تھے اور حوض پر بھی میرے ساتھی ہو گئے۔

۸۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور والا نے ارشاد فرمایا جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہوں ان کی امامت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور کو نہ کرنی چاہئے۔

۹۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں ایک بار رسول پاکؐ نے ہم کو صدقہ دینے کا حکم دیا، اتفاق سے اس حکم کے وقت میرے پاس مال موجود تھا میں نے کہا اگر میں ابوبکرؓ سے سبقت لے جا سکا تو آج سبق لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں نصف مال لے کر خدمتِ عالی میں حاضر ہوا رسول پاکؐ نے فرمایا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی اور، ابوبکرؓ اپنا کل مال لے کر آئے تھے، حضورؐ نے ان سے فرمایا ابوبکرؓ! تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا خدا اور خدا کا رسول! میں نے یہ سن کر دل میں کہا کہ اب میں کبھی ابوبکرؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

۱۰۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں ایک روز ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے سرکار عالی نے فرمایا تم دوزخ سے خدا کے آزاد کردہ ہو، اسی روز سے حضرت ابوبکرؓ کا نام عتیق ہو گیا عتیق اسے کہتے ہیں جو رہائی پا چکا ہو)

۱۱۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں رسول پاکؐ نے فرمایا سب سے پہلے میں قبر سے اٹھایا جاؤں گا پھر ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر میں بقیع کے مدفونوں کی طرف جاؤں گا اور ان کو اٹھا کر میرے ساتھ کر دیا جائے گا۔ (وہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدفون ہیں)

۱۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک بار رسول پاک نے فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے تھے میرا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا

جس سے میرے امت جنت میں داخل ہوگی، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا
یارسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی آپؐ کے ساتھ ہوتا تو میں بھی دیکھ سکتا،
فرمایا ابوبکرؓ! تم تو سب پہلے جنت میں داخل ہوگئے۔

۱۳۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ابوبکرؓ کا ذکر آیا آپ رونے لگے اور فرمایا میں اس بات کو دل سے پسند کرتا ہوں کہ میرے کل اعمال ابوبکرؓ کے ایک شبانہ روز کے اعمال کے برابر ہوجائیں۔ رات سے مراد میری وہ رات ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ حضور گرامی کے ہمرکاب غارِثور کی طرف چلے تھے جب غار پر پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا خدا کی قسم آپ اندر نہ جائیں میں جاتا ہوں، اگر اس کے اندر کچھ ہوگا تو آپؐ نے بچ جائیں گے اور جو کچھ گزند ہونا ہے مجھے ہوجائے گا۔ یہ کہہ کر اندر داخل ہوئے غار کو صاف کیا ایک طرف چند سوراخ نظر آئے ان کو اپنا تہبند پھاڑ کر بند کیا پھر بھی دو سوراخ رہ گئے تو دونوں پاؤں سے ان کے دھانے بند کردیئے پھر رسول پاک سے کہا اب اندر تشریف لے آیئے، حضور والا اندر تشریف لے گئے اور ابوبکرؓ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے کہ ابوبکرؓ کے پاؤں میں سوراخ کے اندر سے سانپ نے کاٹ لیا مگر حضورؐ والا کی بیداری کے خوف سے ابوبکرؓ نے حرکت نہ کی، جب آنسو رسول پاک کے چہرہ پر ٹپکے، آپؐ نے بیدار ہوکر فرمایا ابوبکرؓ کیا بات ہے؟ ابوبکرؓ نے عرض کیا حضورؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ حضور والا نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا، ابوبکرؓ کی تکلیف جاتی رہی، مدت کے بعد پھر اس کا دورہ پڑا اور یہی ان کی وفات کا سبب ہوا۔

اور دن سے مراد میری وہ دن ہے کہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اہلِ عرب مرتد ہوگئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر اونٹ کا ایک زانو بند بھی یہ لوگ مجھے نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، میں نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ! لوگوں سے نرمی اور الفت سے پیش آیئے فرمایا جاہلیت

میں تو تو بڑا سخت اور غصہ ور تھا، اب کیا اسلام میں بزدل اور نامرد بنتا ہے؟ بات یہ ہے کہ وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا اب دین کام آ چکا اب کیا میر زندگی میں دین میں نقصان آ سکتا ہے؟

مسلمان ہونے سے پہلے بھی آپ رئیسِ قریش تھے اور دولتمند تاجر، ریاست اور دولت کے ساتھ حسنِ اخلاق، ہمدردی، وسعتِ معلومات دانشمندی اور معاملہ فہمی میں صاحب امتیاز تھے، ان ہی صفات کے اثر سے قوم میں محبوب و متعمد تھے۔ آپ زمانہ جاہلیت میں بھی ایک سلیم الطبع، غمخوار، دانشمند اور زندہ دل انسان تھے۔ جس انسان میں یہ صفات ہوں وہ بہترین ہمدم و رفیق بن سکتا ہے۔

شرف اسلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی زندگی اطاعت و استقامت کا مرقع ہے۔
غزوۂ تبوک کے موقع پر جو کچھ گھر میں تھا وہ سب لا کر حاضر کر دیا۔

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کی رحلت تک پروانہ وار شمع رسالت پر قربان و نثار تھے، تمام غزوات میں شمشیر بکف ہمرکاب رہے، بدر میں جوشانِ شجاعت دکھائی اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے آپ کو اشجع الناس کا خطاب دلوایا۔

حضرت ابوبکر ﷜ کے درجات عالیہ

مسند حضرت امام احمد بن حنبل، ترمذی شریف اور مسند ابن حبان میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ان اھل الدرجات العلیٰ لیرٰھم من ھو اسفل منھم کما ترون الکوکب الدری فی افق السماء وانّ ابابکر وعمر منھم وانعما. (مشکوٰۃ ص ۵۵۹)

"یقین جانو کہ درجات عالیہ میں جو لوگ ہوں گے ان کے نیچے کے درجہ والے اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ تم ایک روشن ستارہ کو آسمان کے کنارے دیکھتے ہو اور یقیناً ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما انہیں میں سے ہیں، اور

سب سے بہتر ہیں"۔

صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی اجتماعی صفات

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول پاک نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت علیین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکدار ستاروں کو آسمان کے کناروں پر دیکھتے ہو اور ابوبکرؓ و عمرؓ یقیناً علیین والوں میں سے ہوں گے بلکہ تمام علیین والوں سے مرتبہ میں بڑھ کر ہوں گے۔

۲۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں ایک روز رسول پاک حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ اپنے دست مبارک میں لئے ہوئے کاشانہ نبوت سے برآمد ہوئے اور مسجد میں تشریف لائے اس وقت ایک صاحب حضورؐ کے دائیں طرف اور دوسرے بائیں طرف تھے، سرکار عالی نے فرمایا اسی طرح قیامت کے دن ہم قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

۳۔ حضرت عبداللہ ابن اخطب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور والا نے ابوبکرؓ و عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا یہ میرے گوش و چشم ہیں۔

۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک بار چاندنی رات تھی اور حضورؐ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں؟ فرمایا ہاں عمرؓ کی میں نے عرض کیا ابوبکرؓ کی نیکیوں کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا عمرؓ کی تمام نیکیاں ابوبکرؓ کی ایک (رات کی) نیکی کے برابر ہیں۔